یونان
عبد الحمید قریشی
ورگیاتاکوس
قیمت چھ روپے
KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

یونان

سرزمین اور باشندے

یونان

سرزمین اور باشندے

تصنیف : تھیوڈور گیاناکولس

ترجمہ : عبدالحمید قریشی

مراجعت : سید سبطِ حسن

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

پشاور ــــ حیدرآباد ــــ کراچی

فہرس

حالاتِ مصنّف

یہ کتاب امریکہ کے مشہور شاعر اور جرنلسٹ تھیوڈور گیاناکولس کی تصنیف ہے۔ وہ ۱۸۹۷ء میں یونان میں کورنتھ کے مغربی حصّے کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا اور ۱۹۱۳ء میں ترکِ وطن کر کے امریکہ چلا گیا اور ایک سکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ گیاناکولس نے ۱۹۲۵ء میں ریاست اوہایو میں وٹنبرگ یونیورسٹی سے فلسفہ کی بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور وہاں کا شاعر منتخب ہوا۔

گیاناکولس بطور ایک یونانی، امریکن شاعر اور نثر نویس کے کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس کے اشعار اور مضامین "دی نیویارک ٹائمز"، "دی ورلڈ اوبزرور"، "دی واشنگٹن پوسٹ"، "ایتھنے" اور دوسرے بلند پایہ رسالوں اور اخباروں میں اکثر چھپتے رہتے ہیں۔ اس کے یونانی زبان میں لکھے ہوئے مضامین بھی ایتھنز کے "نیا ایشیا" جیسے مشہور رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔

گیاناکولس پہلے واشنگٹن کے محکمۂ دفاع میں ملازم ہوا، پھر کچھ عرصہ کے لئے "دی وائس آف امریکہ گورنمنٹ" سے وابستہ ہو گیا۔ وہ اس وقت "دی آرگوناٹ" کا ایڈیٹر ہے۔ یہ رسالہ امریکن یونانی زندگی اور خیالات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ امریکہ کے یونانی رسالے "ایتھنے" کا معاون ایڈیٹر بھی ہے۔

گیاناکولس گزشتہ ۳۷ سال سے شہر نیویارک میں رہتا ہے۔

پہلا باب

مرمریں ہاتھ

(یونان کی سرزمین)

یورپ کے جنوب میں جزیرہ نمائے یونان کی شکل ایک کلائی اور کھلے ہوئے ہاتھ سے مشابہت رکھتی ہے، جس کے اوپر بڑی سی آستین بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ جنوب کی طرف ایوبا، اٹیکا اور پیلوپونیس کی تنگ راسیں ہاتھ کی پھیلی ہوئی انگلیوں کی طرح سمندر میں دور تک چلی گئی ہیں۔ ان راسوں کے ارد گرد اور آگے ہزاروں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے جزیرے بکھرے ہوئے ہیں۔ پیلوپونیس کے پیچھے خلیج کورنتھ نے ساحل کو دندانہ دار بنادیا ہے۔ سمندر کے دُور تک اندر چلے جانے سے انگلیاں ہاتھ کی ہتھیلی سے قریب قریب علیحدہ ہوگئی ہیں۔ یونان میں سمندر ہر جگہ خشکی کے اندر چلا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کی زندگی اور قسمت کا سمندر کے ساتھ ہمیشہ سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔

یونان میں وسیع میدان، اونچے پہاڑ، اور سربفلک عمارتوں والے شہر بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ وہاں بڑی بڑی جاگیریں بھی نہیں پائی جاتیں اور نہ شہروں اور قصبوں سے گزرتی ہوئی طول طویل ریلوے لائنیں نظر آتی ہیں۔ سارا ملک خلیجوں اور پہاڑوں کا ایک بڑا سلسلہ ہے جن میں تنگ اور گہری وادیاں، چھوٹے چھوٹے میدان اور ڈھلوان علاقے بیچ میں گھسے ہوئے ہیں۔ یونان کا کُل رقبہ پچاس ہزار مربع میل ہے، جس کا تین چوتھائی حصہ اونچے نیچے اور بے قاعدہ پہاڑوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی پہاڑ بھی زیادہ اونچا

نہیں - ہر جگہ سمندر کی لہروں کی طرح دور تک پہاڑوں کے پست سلسلے دکھائی دیتے ہیں - یہاں مشہور ہے کہ جب خدا ساری دنیا کو بنا چکا تو اس نے سطح زمین کو مختلف قسم کے پہاڑوں سے سجانے کے لئے ایک بہت بڑے تھیلے میں ہر رنگ اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے پتھر ڈال لئے - اس کام سے فارغ ہوکر جب خدا یونان واپس آیا تو یہ تھیلا پھٹ گیا اور پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ادھر اُدھر بکھر گئے۔

کوہِ اولمپس جو اس ملک کی سب سے اونچی چوٹی ہے سطح سمندر سے صرف دس ہزار فٹ کے قریب بلند ہے۔ اس کے علاوہ کوہِ پارنیسس جو یونان کے وسط میں واقع ہے اور کوہ ٹیگیٹس جو پیلوپونیس کے جنوبی سرے پر ہے دوسری بڑی چوٹیاں ہیں - لیکن یہ دونوں سطح سمندر سے صرف آٹھ ہزار فٹ اونچی ہیں -

کوہ پنڈس یونان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ریڑھ کی ہڈی کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ اس پہاڑ کے مختلف سلسلے اکثر شمالاً جنوباً ہیں - شمال مشرق میں یہ پہاڑ بحیرۂ ایجیئن کے متوازی چلے گئے ہیں اور مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک اور بحیرۂ آیونی کے متوازی - اکثر جگہ یہ سلسلۂ کوہ چھوٹی چھوٹی چوٹیوں اور بے قاعدہ پہاڑیوں کی شکل اختیار کرلیتا ہے - جنوب میں خلیج کورنتھ اس سلسلے کو یکایک منقطع کردیتی ہے لیکن یہ پھر چھوٹے چھوٹے پہاڑی جزیروں کی شکل میں نمودار ہوجاتا ہے جو بحیرۂ روم کے مشرق میں بہت دور تک بکھرے ہوئے ہیں -

یونان میں پہاڑ اگرچہ بہ کثرت ہیں اور توقع کی جاسکتی تھی کہ وہاں معدنیات کی فراوانی ہوگی لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے - وہاں معدنیات کی بڑی کمی ہے۔ صرف تھوڑی سی مقدار میں چند مقامات پر لگنائٹ، سیسہ، لوہا اور کروم پایا جاتا ہے اور وہ بہت تھوڑی مقدار میں جو ملکی صنعت یا برآمد کے لئے بالکل ناکافی ہے، البتہ یونان کے پہاڑ خوبصورت سنگِ مرمر کے ہیں۔ وہاں کے لوگ اسے عمارتی کاموں میں خوب استعمال کرتے ہیں - یونان میں

سنگ مرمر ہزاروں سال سے استعمال ہوتا رہا ہے۔ سچ پوچھو تو سنگ مرمر کی چیزیں بنانا یونانیوں کا حق ہے۔ ان کی پوری تہذیب سنگِ مرمر میں جھلکتی ہے۔ قدیم یونانی اپنے مندر، مجسّمے اور یادگاریں سنگِ مرمر سے بناتے تھے۔ ان کے بعد بازنطینوں نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا۔ آج کل بھی یہ لوگ گرجوں، اسپتالوں اور بڑے بڑے سکولوں کی تعمیر میں بکثرت سنگِ مرمر استعمال کرتے ہیں۔ یونان میں کئی قسم کا سنگ مرمر پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک قسم بالکل سفید ہوتی ہے اور دوسری گلابی یا ہلکے شربتی رنگ کی۔ یہاں ایسا سنگِ مرمر بھی ملتا ہے جس کی پتلی سلوں میں سے روشنی گزر سکتی ہے۔ اس قسم کے پتّھر کی جھلمیاں اکثر گرجا گھروں کی کھڑکیوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں سے روشنی چھن چھن کر اندر داخل ہوتی ہے تو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

یونان میں ہر جگہ سنگِ مرمر تراشنے والے اپنے کام میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اگر ان کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ کس ہوشیاری سے اپنے ہتھوڑے اور چھینیاں استعمال کرتے ہیں۔ سفید رنگ کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے عمارتوں کے ستون، قبروں کے پتّھر، مکانوں کے در اور محراب بنانے کے لئے پہلے اُن کی پیمائش کی جاتی ہے اور پھر بڑی محنت سے پتّھر کو مختلف شکلوں میں کاٹا جاتا ہے۔

مگر یونانی تہذیب پر پہاڑوں کی بجائے سمندر کا زیادہ اثر پڑا ہے۔ بحیرۂ روم جو دنیا کا سب سے بڑا بند سمندر ہے، یونان کو مشرق، جنوب اور مغرب کی طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ جبرالٹر سے لے کر نہر سویز تک بحر روم کے ساحل کی لمبائی دو ہزار میل سے زیادہ ہے اور یہ شمال اور جنوب میں بہت سے ممالک کے کناروں کو چھوتا ہے۔ یونان کے مشرق میں یہ سمندر بحیرۂ ایجیئن کے ساتھ ملا ہوا ہے جو یونان اور ایشیائے کوچک کے درمیان شمال مشرق میں درۂ دانیال تک پہنچتا ہے۔ مغرب میں بحیرۂ روم، بحیرۂ آیون کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو یونان اور اٹلی کے درمیان واقع ہے۔ اس کے علاوہ کریٹ، جزائر سائیکلیڈ اور پیلوپنیس

کے درمیان ایک اور تنگ سمندر بھی اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ہے جس کی چوڑائی ایک سو میل کے قریب ہے۔

ہر جگہ سمندر کی خنک اور مرطوب ہوا، وادیوں، نہروں اور خلیجوں میں سے ہوتی ہوئی ملک کے اندر داخل ہوتی ہے اور پہاڑی سلسلوں کے درمیان چکّر کھاتی ہوئی خشکی کے ہر حصّے میں پہنچ جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے یونان کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے اور اس کا اثر یہاں کے مناظر، لوگوں کے مزاج اور ان کے خیالات پر بھی پڑا ہے۔ اکثر جگہ ساحل کے ساتھ ساتھ کچھ میدانی علاقے بھی واقع ہیں جو بڑے زرخیز ہیں۔ وہاں انگور اور زیتون کے باغات بکثرت پائے جاتے ہیں۔

یونان کا ملک عرصے سے بہت سے اضلاع میں منقسم ہے۔ شمال میں مغرب سے مشرق تک یوُپیرس، مقدونیہ اور تھریس کے اضلاع واقع ہیں جو البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور ترکی کی سرحدوں کو چھوتے ہیں۔ یوپیرس رقبے میں بہت چھوٹا ہے اور اس کی زمین پتھریلی ہے۔ تھریس پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے لیکن مقدونیہ کا علاقہ زیادہ وسیع، کشادہ اور سرسبز ہے۔ کوہِ المپس مقدونیہ اور تھریس کی سرحد پر واقع ہے۔

بیوشیا کا علاقہ یونان کے وسطی حصّے میں واقع ہے۔ تھیبز اور فوسس اس خطّے کے خاص شہر ہیں۔ ڈیلفی کا مشہور معبد (دارالاستخارہ) فوسس کے قریب ہی پارنیس کی بلند پہاڑی پر واقع ہے، جہاں سے خلیج کورنتھ کا نظارہ بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اٹیکا اور بیوشیا کے درمیان پہاڑی سلسلے حائل ہیں اور شہر ایتھنز کے قریب کوہِ پنٹلیکس ہے جہاں نہایت عمدہ قسم کا سنہرے رنگ کا سنگ مرمر ملتا ہے۔ ہیمٹس جو اپنے شہد کے لئے مشہور ہے، قریب ہی واقع ہے۔

یونان کی برّی سرحد، صرف شمال میں ہے۔ یہ سرحد کوہِ رہڈوپ اور کوہ پنڈس کے ساتھ ساتھ تقریباً پانسو میل تک چلی گئی ہے۔ یہ پہاڑی سلسلے یونان کو اس کے ہمسایہ ممالک سے

علیحدہ کرتے ہیں ۔ تین ہزار اور چھبیس سو قبل مسیح کے درمیان، دھات کے زمانے میں ایشیا کی طرف سے خانہ بدوش قومیں انہی پہاڑوں کو عبور کرکے یونان میں داخل ہوئیں اور دو ہزار قبل مسیح میں اور پھر ایک ہزار قبل مسیح کے قریب آریائی (انڈو یورپین) قومیں بھی انہی راستوں سے آئیں ۔ دوسری خانہ بدوش قومیں بحیرۂ ایجین کے جزیروں پر سے یا کوہ یورال اور بحیرۂ کیسپئین کے درمیانی راستے سے یہاں پہنچیں یا ہیلس پونٹ کے راستے سے آئیں ۔

یونان کا شمالی حصّہ موسم گرما میں بڑا سرسبز ہوتا ہے، لیکن سردیوں میں اس کی زمین برف سے ڈھک جاتی ہے ۔ اس وقت وسط ایشیا سے سرد ہوائیں آتی ہیں ۔ ان کی وجہ سے یونان کے شمالی پہاڑ برف سے ڈھک جاتے ہیں ۔ گرمیوں کے آغاز میں جب جنوبی حصے میں ہر جگہ برف پگھل جاتی ہے تو بھی یہاں دیر تک یہ پہاڑ برف پوش رہتے ہیں ۔ فصل اُگانے کا موسم گو بہت مختصر ہوتا ہے لیکن زمین بہت زرخیز ہے اور پانی وافر، جس کی وجہ سے فصلیں بہت اچھی ہوتی ہیں ۔ پہاڑ کے دامن میں جہاں سیڑھیوں کی شکل کے کھیت ہوتے ہیں اور دریاؤں کے کناروں تک، تمام علاقہ سرسبز ہو جاتا ہے ۔ یونان کے شمال میں ناقابلِ عبور پہاڑ ہیں لیکن اس کے شمال مشرق میں پہاڑوں اور سمندر کے درمیان مقدونیہ کا وسیع میدان واقع ہے جو یونان کا سب سے زرخیز علاقہ ہے ۔ سارے ملک میں شمالاً جنوباً سطح زمین کا ایک حصّہ نیچے کی طرف دھنسا ہوا ہے ۔ اِسے وادیٔ وردڑ کا درّہ کہتے ہیں ۔ یہ نشیب شمال مشرق میں کوہ پنڈس کو کوہ رہڈوف میسف سے جُدا کرتا ہے ۔ یہ نشیب ہنگری کے میدانوں سے شروع ہوکر جنوب میں یوگوسلاویہ کی موراوا وادی میں سے گزرتا ہوا سالونیکا کے میدانوں میں پہنچ جاتا ہے ۔ موراوا کی وادی سربیا کا بڑا زراعتی مرکز ہے ۔ یونان سے دوسرے ممالک کو آسانی سے پہنچنے کا راستہ اسی وادی میں سے گزرتا ہے ۔ یورپ کے جس ملک سے بھی یونان کو جانا چاہیں، پہلے سالونیکا کے میدان میں سے گزرنا ہوگا ۔ ایتھنز، سالونیکا، نیس کی اہم ریلوے لائن اسی راستے سے گزر کر یوگوسلاویہ کی سرحد تک پہنچتی ہے، جہاں یہ لائن اورینٹ ایکسپریس سے مل جاتی ہے

جو شمال مشرقی یورپ اور مشرق وسطیٰ کو خلیج فارس کے ساتھ ملاتی ہے۔ یورپ کی جانب ایک اور چھوٹی وادی ہے جسے دریائے سڑوما کا درّہ کہتے ہیں۔ یہ وادی بلغاریہ سے یونان میں داخل ہوتی ہے۔ اس سے آگے تھریس کا وسیع میدان ہے۔ اس میدان کے جنوب مشرق میں بحیرۂ ایجئین میں سے گزرکردہ مشہور آبی راستہ آتا ہے جو تقریباً پچاس میل لمبا اور چار میل چوڑا ہے اور جو بحیرۂ مارمورا کو بحیرۂ ایجئین سے ملاتا ہے۔ اسی کو ہیلس پونٹ یا آبنائے دانیال کہتے ہیں۔ یہ تنگ راستہ دنیا کی تمام طاقتوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ جنگ کے زمانے میں یہ آبنائے ناقابلِ تسخیر سمجھی جاتی ہے۔

شمالی یونان کا سب سے اہم شہر سالونیکا ہے۔ شہر ایتھنز اپنی بندرگاہ پیریس سے مل کر یونان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ مگر سالونیکا کا نمبر دوسرا ہے۔ چار ریلوے لائنیں سالونیکا پہنچ کر ختم ہوتی ہیں۔ یہ شہر جنوب مشرقی یورپ کی بڑی بندرگاہ ہے۔ سالونیکا دونوں برِاعظموں کے درمیانی راستے پر ہمیشہ سے بڑا اہم فوجی اور تجارتی مرکز رہا ہے۔ شہر میں ہر جگہ اُن حملہ آوروں کی یادگاریں نظر آتی ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً اس شہر پر قبضہ کیا۔ عہدِ قدیم اور قرونِ وسطیٰ کی زیادہ مشہور یادگاروں میں سے بازنطینی طرز کے سینٹ صوفیا، سینٹ جارج اور سینٹ ڈیمٹرائس کے گرجے زیادہ ممتاز ہیں۔ ان میں سے آخری گرجا اس شہر کے بڑے بزرگ ڈیمیٹرائس کے نام سے موسوم ہے۔

سالونیکا کے مشرق اور مغرب میں یونان کے بہت سے دریا بہتے ہیں اور چشمے اور ندیاں اس علاقے کی زیرِ کاشت زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ یہ تمام دریا شمالی پہاڑوں اور مرتفع خطوں سے نکلتے ہیں۔ موسمِ بہار میں جب سورج کی تمازت بڑھنے لگتی ہے تو پہاڑوں پر برف کے پگھلنے سے ان ندیوں اور دریاؤں میں طغیانی آجاتی ہے اور میدان زیرِ آب ہوجاتے ہیں اس وقت آمد و رفت میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔ بہت سی جگہوں پر دلدل بن جاتے ہیں۔ جہاں مچھر پیدا ہوتے ہیں اور تب ملیریا بخار پھیلتا ہے۔ لیکن ان دریاؤں

ہی کی بدولت اس خطے کی زمین میں تمباکو اور اناج کی بہت عمدہ فصلیں تیار ہوتی ہیں۔ پہاڑوں پر اخروٹ اور شاہ بلوط کے جنگل ہیں جن میں چھپے ہوئے اکثر جگہ چھوٹے چھوٹے خوبصورت گاؤں آباد ہیں۔ ان مرغزاروں میں بے شمار بھیڑ بکریاں اور دوسرے مویشی گرمیوں کے موسم میں گھاس چرنے آتے ہیں۔

ساحلی علاقوں میں سمندر اور پہاڑوں کے درمیان بہت سے بارونق شہر آباد ہیں، جہاں دنیا کے تمام حصوں سے ہر سال سیاح آتے رہتے ہیں۔ ان شہروں کے درمیان پرانے زمانے کی کچی سڑکیں اب تک موجود ہیں لیکن حال ہی میں پختہ اور وسیع شاہراہیں بھی تعمیر ہو گئی ہیں۔ شہر سالونیکا کے قریب ہی تین سو ایکڑ زمین کا ایک فارم ہے جو امریکن فارم سکول کا ایک حصہ ہے۔ یہ ادارہ ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ ہاؤس نے یونانی نوجوانوں کو امریکن کاشتکاری کے طریقے سکھانے کے لئے ۱۹۰۲ء میں قائم کیا تھا۔ اس میں چالیس کے قریب عمارتیں ہیں اور مختلف خانہ جنگیوں اور دو عالمی جنگوں کے باوجود یہ سکول اب تک بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ گذشتہ سالوں میں ہزاروں غریب اور امیر نوجوانوں نے یہاں سے زراعت کی تعلیم حاصل کی اس وقت اس سکول کے گریجویٹ یونان کے زراعتی بنک، وزارت زراعت اور بہت سے اور اداروں میں کام کر رہے ہیں اور کچھ تمباکو کی کاشت میں مصروف ہیں۔

آج کل مقدونیہ کے علاقے میں ترقی کے بہت سے منصوبوں پر تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ بھاری بھاری امریکن بلڈوزر اور تیزی سے حرکت کرنے والے ٹریکٹر زمین کو ہموار کرنے میں مصروف ہیں۔ یہاں پہاڑوں کے گرد اور وادیوں میں بڑے بڑے بند اور پشتے تعمیر کئے جا رہے ہیں، نہریں کھودی جا رہی ہیں اور ہوائی جہازوں کے اڈے بنائے جا رہے ہیں۔ دریاؤں کے دہانوں کے قریب دلدلوں کو خشک کیا جا رہا ہے اور آبپاشی کے لئے بڑے بڑے تالاب بنائے جا رہے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں صرف دریائے ورڈر کے ارد گرد کے دلدلوں کو خشک کرنے پر

اڑھائی کروڑ ڈالر سے زیادہ رقم صرف کی گئی جس سے تین لاکھ پچیس ہزار ایکڑ نئی قابلِ کاشت زمین حاصل ہوئی۔ یہاں اناطولیہ سے آنے والے یونانی تارکانِ وطن کے تیس ہزار کنبوں کو آباد کیا گیا ہے۔ اب یہ لوگ اس جگہ نہایت کامیابی سے کاشتکاری میں مصروف ہیں۔ سالونیکا کے ایک پانچ سو مربع میل کے دلدلی علاقے کو خشک کرنے کے لئے یہاں سات کروڑ مکعب گز مٹی ڈالنی پڑی۔ امریکن مٹی اُٹھانے والی مشینوں اور بلڈوزروں نے اس جگہ جتنے تھوڑے سے عرصے میں یہ کام کیا وہ گزشتہ کئی صدیوں میں یہاں حملہ آور ہونے والی بڑی بڑی فوجوں سے بھی نہ ہوسکا۔ ان دلدلوں کے خشک ہوجانے سے اب اس علاقے میں ملیریا کا نام ونشان مٹ گیا ہے۔

اس ملک کا دوسرا بڑا زراعتی علاقہ تھسلی کا میدان ہے جس کا رقبہ پانچ ہزار مربع میل ہے۔ کمبونین پہاڑ اسے سالونیکا کے میدانوں سے جُدا کرتا ہے۔ پست پہاڑوں کے ایک اور سلسلے سے یہ میدان دو برابر حصّوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ اِس علاقے کا بڑا دریا پینیس پہاڑوں میں سے ایک گہری وادی بناتا ہوا نکلتا اور خلیج کورنتھ میں گرتا ہے۔ یہ وادی ویل ٹیمپے کہلاتی ہے اور اکثر جگہ اس کے کناروں پر عمودی چٹانیں کھڑی ہیں۔

اس سے آگے وہ تنگ خلیج واقع ہے جسے خلیج کورنتھ کہتے ہیں۔ یہ یونان کو دو حصّوں میں تقسیم کردیتی ہے۔ اس کے مشرقی سرے پر چار میل لمبی نہر بنائی گئی ہے۔ یہ نہر خطِ مستقیم کی طرح بالکل سیدھی ہے اور بحیرۂ ایڈریاٹک کو بحیرۂ ایجیئن سے ملاتی ہے جس کی وجہ سے تقریباً دو سو میل لمبے سفر کی بچت ہوجاتی ہے۔ اِس نہر میں پانی کی گہرائی ۲۶ فٹ ہے، اس وجہ سے پیرس اور مارسیلز کے درمیان سفر کرنے والے یا پیرّاس سے استنبول جانے والے بحری جہاز اسی نہر کے راستے گزرتے ہیں۔ اس نہر کے تعمیر ہونے سے پہلے اُنیسویں صدی کے آخری حصّے میں کشتیوں کو اس جگہ ایک خاص راستے

پرے کھینچ کر لے جایا جاتا تھا کیونکہ جزیرہ نما پیلوپونیس کے جنوب میں راس ماٹاپان کے گرد چکر لگا کر آنے میں بہت زیادہ وقت صرف ہوتا تھا اور طوفانی سمندر میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس نہر کے متوازی ایک جگہ ایک قدیم دیوار کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ یہ درحقیقت سمندر کے دیوتا پوسیڈن کی عبادت گاہ کی بیرونی دیواروں کے کھنڈر ہیں۔ پرانے زمانے میں یہاں کھیلوں کا جشن منایا جاتا تھا۔

جنوبی یونان خشک گرد و غبار کا علاقہ ہے۔ دُور سے دیکھو تو یہاں کے گاؤں اور قصبے بھی گرد و نواح کی اراضی سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتے۔ صرف ساحل سمندر کے قریب سُرخ چھتوں والے سفید مکانات دکھائی دیتے ہیں اور جزیروں پر پَون چکیاں نظر آتی ہیں۔ کسی کسی جگہ چاندی کے گنبدوں والے گرجا گھروں کے گرد گھرے سبز رنگ کے سرو کے درختوں کے جُھنڈ بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اس حصّے میں نہ چیل کے جنگلات اور نہ پہاڑی ڈھلوانوں کی نباتات شمالی حصے جیسی سرسبز ہیں۔ بلکہ ساحل سمندر، جزیروں اور زرد کھیتوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس حصّے کے دریا بھی بہت چھوٹے چھوٹے ہیں اور موسم گرما میں جب آبپاشی کی سخت ضرورت ہوتی ہے تو ان دریاؤں میں پانی بہت کم ہے۔ لیکن یہی دریا موسم سرما میں اکثر طغیانی میں رہتے ہیں۔ اِس حصّے میں پانی کی بہت کمی ہے۔ ساحل سمندر کے قریب کے علاقوں میں پینے کے لئے پانی صرف کنوؤں سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ پانی اکثر گرم اور نمکین ہوتا ہے۔ یہاں موسم ہمیشہ صاف اور ہَوا خشک رہتی ہے۔ درجۂ حرارت موسم سرما میں ہمیشہ چالیس درجے فارن ہیٹ اور ساٹھ درجے فارن ہیٹ کے درمیان اور گرمیوں میں ستر درجے اور نوّے درجے فارن ہیٹ کے درمیان رہتا ہے۔ لیکن پہاڑوں اور سمندر کی طرف سے آنے والی مرطوب ہواؤں کی وجہ سے موسم گرما میں زیادہ تمازت نہیں ہوتی۔

جنوبی یونان میں صرف دو موسم ہوتے ہیں، خشک موسم اور مرطوب موسم۔ یہاں

بارش زیادہ تر موسم سرما میں ہوتی ہے۔ لیکن یہ مون سُون کی بارش کی طرح نہیں ہوتی کہ آسمان کئی دنوں تک ابرآلود رہے اور بارش ہوتی رہے۔ یہاں بارش طوفان کی شکل میں آتی ہے اور جلد ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد آسمان بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ یونان میں جنوب سے بحیرۂ روم کی گرم اور مرطوب ہوائیں اور شمال کی طرف سے بلقان کی سرد ہوائیں آتی ہیں۔ یہ ہوائیں اکثر باری باری چلتی ہیں۔ پُورے موسم گرما میں لبا اوقات ایک بار بھی بارش نہیں ہوتی۔ زمین بالکل خشک رہتی ہے اور سخت دھوپ پڑتی ہے۔ سمندر کا رنگ گہرا نیلا دکھائی دیتا ہے۔ دریاؤں میں جو تھوڑا بہت پانی ہوتا ہے وہ باغوں اور کھیتوں کی آبپاشی کے لئے استعمال ہوجاتا ہے۔ اس موسم میں صرف اُن پست میدانوں میں کچھ سرسبز مقامات نظر آتے ہیں جہاں آبپاشی ہوسکتی ہے۔ یہاں بہت اچھی فصلیں پیدا ہوتی ہیں لیکن اس قسم کے مقامات بہت کم اور ایک دوسرے سے دُور دُور ہیں۔

یونان کا سب سے اچھا علاقہ اُس کا وسطی علاقہ ہے۔ یہ اٹیکا کا میدان ہے جو جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ میدان زیادہ بڑا نہیں ہے اور نہ زیادہ زرخیز ہے۔ اور اس کا رقبہ بھی صرف ایک ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ لیکن یونان کی قدیم تاریخ اور تمدن میں اس کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کی وجہ سے اسے سارے ملک کا دل کہا جا سکتا ہے۔ اسی میدان کے جنوبی حصے میں ایتھنز کا قدیم شہر واقع ہے جو عرصۂ دراز تک انسانی تہذیب کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتا رہا اور جہاں سے صدیوں تک علم اور حکمت کی روشنی ہر طرف پھیلتی رہی۔ اس سے ذرا آگے سارونک کی خلیج واقع ہے جس کے خوبصورت ساحلوں پر موسمِ گرما کے بہت سے دلچسپ تفریحی مقامات ہیں۔ ان میں سے سب سے مشہور لُوتراکی کا تفریحی مقام ہے جہاں گرم پانی کے بہت سے چشمے پائے جاتے ہیں۔ اس جگہ ہوٹل، شراب خانے اور ریسٹورانٹ بہ کثرت موجود ہیں جن کو امریکن اور یُونانی لوگ چلاتے ہیں۔ ایک کیسینو بھی ہے، اس کو یونان

کا کونی آئی لینڈ[1] کہا جاتا ہے۔

یونان کی سب سے بڑی بندرگاہ پیریس بھی خلیج سارونک ہی میں واقع ہے۔ ملک کی تمام بحری آمدورفت اسی کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ بندرگاہ رونق اور کاروبار میں کسی طرح بھی نیویارک کی بندرگاہ سے کم نہیں۔ یہاں موجودہ زمانے کے ہر قسم کے بحری جہاز اور کشتیاں دکھائی دیں گی۔ ملکی اور غیر ملکی چھوٹے جنگی جہاز، پرانے زنگ آلودہ مال بردار جہاز، چینی نمونے کی چھوٹی کشتیاں، جہازوں پر سامان لادنے والی کشتیاں، چھوٹی یونانی کشتیاں جن پر بڑے شاندار نام لکھے ہوتے ہیں، سیروسیاحت کے لئے خوبصورت اگن بوٹ، بحیرۂ روم کے خاص لمبے اور تنگ بادبانی جہاز اور بڑے بڑے امریکن جنگی جہاز بندرگاہ کے مختلف حصوں میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ پچھلے چند برس میں ایتھنز اور اس کی بندرگاہ ایک بین الاقوامی شہر بن گئے ہیں۔ یہ بندرگاہ شہر ایتھنز کے ساتھ بجلی سے چلنے والی ریل گاڑیوں سے ملی ہوئی ہے جس طرح نیویارک کا شہر بروکلن سے ملا ہوا ہے۔

شہر ایتھنز یونان کا صدر مقام اور یہاں کی تہذیب اور سیاست کا مرکز ہے۔ یہ شہر اس سے پہلے کبھی اتنا بارونق نہ تھا۔ اس وقت اس کی آبادی دس لاکھ کے قریب ہے اور یہاں دنیا کے ہر ملک کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ کانسٹی ٹیوشن سکوئر شہر کا بڑا چوک ہے جہاں ایک پارک اور کھلے قہوہ خانے ہیں۔ ایتھنز کے اکثر خوش باش یہیں جمع رہتے ہیں۔ اس جگہ کھلے میدان کے ایک طرف چھوٹی چھوٹی میزوں کی لمبی قطار نظر آئے گی۔ جن پر سنگترے، پام اور اولینڈر کے درخت سایہ کئے ہوئے ہیں، اور میزوں پر شہر کے سیاست داں بیٹھے ہوئے ملیں گے۔ عہدِ قدیم کی طرح آج بھی ایتھنز کے باشندے سیاسی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ یہاں کا ایک پھیری والا اور بوٹ پالش کرنے والا لڑکا جو اِن میزوں کے آس پاس گھومتا ہوا ملے گا، سیاسی معاملات میں

---

[1] شہر نیویارک کے جنوب مغرب میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ یہ اس علاقہ کا بہت بڑا تفریحی مقام ہے۔

اپنی ذاتی رائے رکھتا ہے ۔ اگر اس سے پوچھا جائے تو وہ بتا سکتا ہے کہ حکومت کا انتظام کیسے ہونا چاہیے ۔ یونان کے باشندے آج بھی اپنے خیالات کا اظہار بڑی آزادی سے کرتے ہیں ۔

شہر ایتھنز میں بہت سے مقامات تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہاں فن تعمیر کے بھی کچھ عمدہ نمونے موجود ہیں ۔ یونیورسٹی سٹریٹ شہر کا سب سے بڑا بازار ہے ۔ یونیورسٹی آف ایتھنز، دی اکیڈمی اور یہاں کے بڑے کتب خانے کی سفید سنگِ مرمر کی بنی ہوئی خوبصورت عمارتیں اسی جگہ واقع ہیں ۔

شہر کے شمال اور جنوب میں ہر جگہ پتھر کی پرانی شکستہ سڑکوں کے دونوں طرف گزشتہ زمانے کے آثار پائے جاتے ہیں ۔ شہر کے ان حصّوں کے نام اب تبدیل ہو چکے ہیں، لیکن یہ یادگاریں ابھی تک موجود ہیں ۔ عمارتوں کے بڑے بڑے حصّے اور گرے ہوئے ستون سرد اور زیتون کے درختوں اور انگور کی بیلوں میں چھپے ہوئے ملیں گے ۔ شہر کے باہر کھیتوں میں سُرخ گُلِ لالہ اور سفید پھُول بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ ان کھنڈروں کے قریب اکثر پُرانے درختوں پر اُلّو ماضی کی یاد کو تازہ کرتے ہیں ۔

اگر سرزمینِ یونان کو ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بلندی سے دیکھا جائے تو یہ بہت ہی خوبصورت سرزمین معلوم ہوتی ہے ۔ جہاں سمندر کی خلیجوں کا نیلا پانی اور پہاڑی سلسلے دل کو لبھانے والا نظارہ پیش کرتے ہیں ۔ لیکن درحقیقت یہ ملک بڑا زخم خوردہ ہے ۔ یونان دنیا کی وہ جگہ ہے جو قدیم زمانے سے آباد چلی آتی ہے ۔ انسانی حرص، حماقت اور لاپروائی کی وجہ سے یہاں بہ کثرت جنگیں ہوتی رہیں اور یہ ملک بار بار تباہی کا شکار ہوا ۔ یہاں کے کھنڈر اپنے خون آلود ماضی کے عینی شاہد ہیں ۔ یہاں کے جنگلات اب ختم ہو چکے ہیں اور اکثر دریا بھی اب پہلے کی نسبت بہت چھوٹے رہ گئے ہیں ۔

عرصے تک کاشتکاری ہونے کی وجہ سے زمین کی طاقت ختم ہو چکی ہے اور کسانوں

کو اپنے لئے تھوڑی بہت پیداوار حاصل کرنے کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ یونان کی سرزمین پر اکثر جگہ آج سے صدیوں پہلے زراعت کا کام شروع کیا گیا اور اب اس سے زیادہ پیداوار حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی اس کے ہر حصّے پر کاشتکاری کی جاتی ہے۔ تمام سطح زمین چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کسی جگہ گہرے سبز رنگ کے تمباکو کے کھیت ہیں۔ اور کسی جگہ مکئی اور جَو کے کھیت۔ پہاڑی ڈھلانوں پر انگور کے باغات ملتے ہیں۔ بعض جگہوں پر کہیں کہیں سَرو کے درختوں کے جھُنڈ بھی نظر آتے ہیں، جن کے قریب ہی کوئی گرجا یا خانقاہ موجود ہوتی ہے جسے یہاں عقیدت مندوں نے بڑی محنت سے سنگِ خارا سے تعمیر کیا ہے۔

پہاڑی حصّوں میں اور وادیوں میں بے شمار بل کھاتی ہوئی، پتھر کی بنی ہوئی، سڑکیں اور کچّے راستے گزرتے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں سے استعمال ہورہے ہیں۔ ان میں سے اکثر سڑکیں چکّر کھاتی ہوئی ملک کے اندرونی سطح مرتفع کے علاقے میں پہنچ جاتی ہیں۔ یہ سڑکیں اور راستے اتنی مدّت سے یہاں موجود ہیں کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کب بنائے گئے۔ یہاں کے لوگ اپنے ملک کے ساتھ اس قدر وابستہ ہیں کہ انھیں بیرونی دنیا سے کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔

اس کے برعکس تمام ملک میں شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً موجودہ زمانے کی پختہ سڑکوں کا بھی ایک جال بچھا ہوا ہے۔ ان سڑکوں کی کل لمبائی پانچ ہزار میل کے قریب ہے اور یہ سب نئی طرز کی عمدہ سڑکیں ہیں جن پر مناسب فاصلوں پر سروس سٹیشن قائم ہیں جہاں سے سیاح پٹرول اور دوسری ضرورت کی چیزیں حاصل کرسکتے ہیں۔ ایک بڑی سڑک پیلوپونیس کا چکّر لگاتی ہوئی ایتھنز میں سے گزر کر اٹیکا پہنچتی ہے اور آگے بوشیا اور تھسلی ہوتی ہوئی آخرکار سالونیکا میں ختم ہوجاتی ہے۔ گرد و نواح کی بہت سی اور سڑکیں راستے میں اِس سے ملتی ہیں۔ پچھلے پانچ سال میں یونان میں جو تبدیلیاں ہوئیں یہ شاہراہ

اُن کا ایک نمونہ ہے ۔

ہر سال دُنیا کے تمام حصّوں سے ہزاروں سیّاح یونان میں آتے ہیں ۔ ان سے ملک کو بہت زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سیاحوں کی آمد سے حکومت کو جس قدر رقم ہر سال حاصل ہوتی ہے وہ آمدنی کے دوسرے تمام ذرائع سے زیادہ ہے ۔ زراعت اور صنعت و حرفت دوسرے اور تیسرے درجے پر ہیں ۔

پچھلے پانچ چھ سالوں میں غیر ملکی سیاحوں کی تعداد دو تہائی کے قریب بڑھ گئی ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں ۳۴۵،۰۰۰ لوگ یہاں تفریح کے لئے آئے جس سے اس ملک کو ۳۱ کروڑ کی بجائے ۵۲ کروڑ ڈالر کا زرِ مبادلہ حاصل ہوا ۔ باہر سے آنے والے سیّاحوں میں سے امریکیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی ۔ اور زیادہ زرِ مبادلہ بھی اِنہی سے حاصل ہوا ۔ ۱۹۶۰ء میں ریاستہائے متحدہ سے آنے والے سیاحوں کی تعداد ۷۰ ہزار کے قریب تھی ۔ یہاں کے لوگ امریکن سیاحوں کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں ۔ دوسرے ملکوں سے آنے والوں کے مقابلے میں امریکی یہاں بہت زیادہ روپیہ خرچ کرتے ہیں ۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر انھیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے ڈالر کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے ۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ خرید و فروخت کے لحاظ سے یونان، یورپ کے دوسرے ملکوں کی نسبت، زیادہ سستا ہے ۔ ایک اوسط درجے کا سیّاح یہاں دس ڈالر یومیہ خرچ کر کے اچھا وقت گزار سکتا ہے ۔

اب مغربی یورپ سے موٹر کے ذریعے یونان تک پہنچا جا سکتا ہے ۔ اٹلی کی سرحد سے اوٹوپُٹ کی شاہراہ کے ذریعے بلغراد ہوتے ہوئے یونان جا سکتے ہیں ۔ اس سڑک کا آخری نوّے میل کا ٹکڑا ۱۹۶۱ء میں مکمّل ہوُا ۔ اب موٹر کے ذریعے بلغراد سے سالونیکا تک صرف سات گھنٹے کا سفر ہے ۔ اس سڑک کی تعمیر پر امریکہ نے تین کروڑ چار لاکھ ڈالر صرف کئے ۔

موٹر کے ذریعے یونان پہنچنے کے لئے سب سے عمدہ راستہ اٹلی کی بندرگاہ برنڈزی سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے چھ ہزار ٹن وزن کے موٹر بردار بحری جہاز ہفتے میں چھ بار پیٹراس کو جاتے ہیں۔ یہ ایرکنڈیشنڈ جہاز برنڈزی سے رات کو ساڑھے دس بجے روانہ ہوتے ہیں اور اگلے روز سہ پہر کو پیٹراس پہنچ جاتے ہیں۔ ان جہازوں میں ایک وقت میں ایک سو بیس کاریں اور بسیں لے جائی جاسکتی ہیں۔ ہر سال یہ جہاز یکم اپریل سے چلنا شروع ہوتے ہیں اور تمام موسمِ گرما کے دوران میں ان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

پیٹراس سے کورنتھ جانے والی شاہراہ کو اب زیادہ فراخ کردیا گیا ہے اور اس کی سطح بھی پہلے کی نسبت بہتر بنادی گئی ہے۔ راستے میں بہت سے موڑوں کو کاٹ کر سڑک کو سیدھا کردیا گیا ہے۔ اب اس سڑک کے ذریعے پیٹراس سے ایتھنز تک صرف ساڑھے تین گھنٹے میں پہنچ سکتے ہیں۔

اچھی سڑکوں کی تعمیر کے علاوہ پچھلے چند برس میں یہاں بہت سے اور ترقی کے منصوبوں پر بھی عمل درآمد ہوا ہے۔ بہت سی جگہ زمین کو قابلِ کاشت بنایا گیا ہے۔ صنعت و حرفت میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے اور بہت سے نئے سکول اور کالج کھولے گئے ہیں۔ ان منصوبوں کی وجہ سے ملک کی غربت بہت کم ہوگئی ہے اور لوگوں کے لئے ہر قسم کے مناسب مواقع پیدا ہوگئے ہیں۔ اِس وقت یونان کا مستقبل بڑا روشن ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد پچھلے دس سال میں یونان کی حالت بہت بہتر ہوچکی ہے۔ اس وقت زرعی پیداوار کے لحاظ سے ملک خود کفیل ہے۔ البتہ خوراک کی چیزوں میں صرف گوشت ضرورت سے قدرے کم ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت میں بھی بہت ترقی ہوئی ہے اور اب یونان کے لوگ نسبتاً اطمینان کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آنے والے برسوں میں اس ملک کی معاشرتی حالت اور زیادہ بہتر ہوجائے گی اور سائنس، آرٹ اور ادب میں یہ لوگ شایانِ شان ترقی کرسکیں گے۔

بحیرہ ایجیئن کے موتی

(جزیرے)

جس شخص کو بحیرہ ایجیئن کے جزیروں کو پہلی بار دیکھنے کا اتفاق ہو وہ اس نظارے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ دنیا کے اور کسی حصے میں ایسے جزیرے نہ ہوں گے جن کے متعلق اس قدر تاریخی واقعات اور روایات مشہور ہوں نہ کوئی ایسا سمندر ہوگا جس کے متعلق اتنی کہانیاں بیان کی جاتی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جس نے ان جزیروں کو نہیں دیکھا اس نے درحقیقت یونان ہی کو نہیں دیکھا۔ یونان سے بحری جہاز میں ایشیائے کوچک کی طرف سفر کیا جائے تو چھوٹے بڑے مختلف رنگوں اور شکلوں کے بے شمار جزیرے دکھائی دیں گے جن میں سے ہر ایک اپنی الگ خوبصورتی اور شان رکھتا ہے۔ اس حصے میں سفر کرنے والے ان کے نظاروں سے بے حد لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان جزیروں کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے لیکن ان میں سے صرف چار سو آباد ہیں۔ بعض جزیرے رقبے میں کافی بڑے ہیں۔ قدیم زمانے میں لوگ ان جزیروں سے ہوتے ہوئے یونان پہنچا کرتے تھے۔ آج کل بحیرۂ روم پر سے گزرنے والے ہوائی جہاز ان میں سے بعض جزیروں پر ٹھہرتے ہیں۔ بحیرہ ایجیئن کے اکثر جزیرے بہت چھوٹے چھوٹے ہیں اور ان میں سے بعض سمندر میں صرف چند نقطے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے جزیرے چھوٹے اور غیر اہم ہونے کی وجہ سے بہت پرسکون ہیں اور ان کی قدرتی خوبصورتی اسی طرح قائم ہے۔

بحیرہ روم کا لمبا سمندر برّاعظم یورپ کی ایک بڑی شاہراہ ہے۔ قدیم زمانے میں اس میں بہت زیادہ جہازرانی ہوتی تھی۔ امریکہ کے دریافت ہونے اور مشرق کی طرف جانے کے لئے نئے راستے کے معلوم ہوجانے کے بعد اس کی اہمیت بہت کم ہوگئی ہے۔ اب اس کی بجائے بحر اوقیانوس میں زیادہ جہازرانی ہونے لگی ہے۔

یونان کے ان جزیروں پر قدیم زمانے میں بہت سی تہذیبیں ہو گزری ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے کئی صدیوں پہلے یہاں انسانوں اور دیوتاؤں کی بہت سی افسانوی کہانیاں تخلیق ہوئیں اور بہت سی ایسی روایتیں قائم ہوئیں جن پر اس وقت مغربی تہذیب کی بنیاد ہے۔ قانون، جہازرانی، تجارت اور جمہوریت کے بہت سے اصول سب سے پہلے یہیں وضع ہوئے۔ بحیرہ ایجیئن کے تجارتی طریقے اور مختلف فنون ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے تک پہنچتے رہے۔

بحیرہ ایجیئن کے پُربہار جزیرے، جن کو انگلستان کے مشہور شاعر براؤننگ نے اپنی ایک نظم میں سَوسن کے سفید پھولوں سے تشبیہ دی ہے۔ اکثر پاس پاس واقع ہیں ان کے سفید ساحلی کنارے اور اُن کی خوش گوار آب و ہوا سیاحوں کو اس جگہ دیر تک ٹھہرنے کی دعوت دیتی ہے۔ بحیرہ ایجیئن کا پانی گہرا بنفشئی رنگ کا ہے۔ یہاں صاف آسمان کا رنگ ہمیشہ نیلا دکھائی دیتا ہے اور دیہاتی مکانات اور گرجے سفید نظر آتے ہیں۔ اس طرح نیلے سمندر کے پس منظر میں یہ سفید مکانات بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی سمندر میں تکونے سُرخ بادبانوں والی کشتیاں چلتی ہوئی عجب بہار دیتی ہیں۔ بعض مکانوں کی چھتیں پیلے رنگ کی کھپریل کی بنی ہوئی ہیں۔ جو طلوعِ آفتاب کے وقت سورج کی روشنی میں بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ دیہاتی علاقے اور جنگلات میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ بعض جگہ بلند چٹانوں پر بھی کچھ بستیاں نظر آتی ہیں جن کا عکس سمندر کے پانی میں پڑتا ہے۔ ہر جگہ سفید جھونپڑیاں اور اُن کی

محراب دار چھتیں دھوپ میں چمکتی ہیں۔ بعض جگہ ایسے راستے، جن میں پتھر کا فرش لگا ہوا ہے، بلندی کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہاں خوبصورت باغات ہوتے ہیں۔ بعض جگہ بڑی بڑی پون چکیاں بھی نظر آتی ہیں جن کے بادبان ہوا کے زور سے چلتے ہیں۔ بازنطینی طرز کے گرجے اور ان کے سنہری بُرج میلوں دور سے دکھائی دیتے ہیں۔

بحیرہ ایجین کے جنوبی حصے میں جزیروں کا وہ مجموعہ ہے جنھیں سائیکلیڈز کہتے ہیں۔ ان کی تعداد چوبیس کے قریب ہے۔ قدیم لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جزیرے ایک گول دائرے کی شکل میں ڈیلاس کے متبرک جزیرے کے گرد واقع ہیں۔ پُرانی روایات کے مطابق یہ جزیرہ دیوتا اپولو اور اس کی بہن آرٹی مس کی جائے پیدائش ہے۔ وہیں دیوتا اپولو کا نہایت مشہور مندر تھا۔ یہ جزیرہ بہت چھوٹا سا ہے، اس کی کُل لمبائی ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر اسے اس قدر متبرک خیال کیا جاتا تھا کہ اس جگہ پیدائش اور موت کی ممانعت تھی۔ اگر کسی عورت کے بچہ پیدا ہونے والا ہوتا یا کوئی شخص قریب المرگ ہوتا تو اُسے پاس کے جزیرے رینیا میں بھیج دیا جاتا۔

ڈیلاس کا جزیرہ مشرقی اور مغربی ممالک کے درمیان بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ رومن سلطنت کے عہد میں اسے بہت ترقی حاصل ہوئی۔ اُس زمانے میں بحیرہ روم کے مشرقی حصے کی تمام تجارت اس چھوٹے سے جزیرے کے راستے ہوتی تھی۔ ڈیلاس کی تاریخ میں یہ زمانہ بہت عروج کا تھا۔ اس کی بندرگاہ کے قریب سمندر کے ساحل پر سنگِ مرمر کے بہت سے مندر اور خوبصورت عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔ چنانچہ مندروں، تھیٹروں اور شاندار عمارتوں کے کھنڈر اور گرے ہوئے ستون اب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان عمارتوں کا بیرونی حصہ بہت سادہ ہوتا تھا۔ لیکن ان کے اندر دیواروں پر

بہت عمدہ استرکاری کا کام کیا ہوتا تھا - فرش پچیکاری سے تیار کئے جاتے تھے اور صحن کے گرد خوبصورت ستون نصب کئے جاتے تھے - چونکہ یہاں پانی حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا اس لئے بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لئے بہت بڑے بڑے تالاب بنائے جاتے تھے - یونانیوں اور رومیوں کے زمانے میں ڈیلاس غلاموں کی بہت بڑی منڈی بھی تھا - آخرکار یہاں کے لوگ ہر قسم کے جائز اور ناجائز طریقوں سے بہت زیادہ مالدار ہو گئے اور اس کے بعد اُن پر تباہی آگئی -

اس مجموعے کا سب سے بڑا جزیرہ نیکساس ہے جس کا رقبہ ۱۷۳ میل کے قریب ہے - یہ جزیرہ بڑا سرسبز ہے اور یہاں انگور کے باغات بکثرت پائے جاتے ہیں - اس جگہ بہت سی بستیاں آباد ہیں - خیال کیا جاتا ہے کہ تھیسیس[1] نے بادشاہ میناس کی بیٹی اریاڈنے کو اسی جزیرے نیکساس میں چھوڑا تھا - اریاڈنے نے تھیسیس کو وہ دھاگہ دیا تھا جس کی بدولت وہ مینوٹور[2] کو مارنے کے بعد اس بھول بھلیاں کے پیچ دار راستے سے نکل سکا - ان میں سب سے زیادہ آبادی سیروس جزیرے پر ہے جس کا رقبہ ۳۱ مربع میل ہے - اس کا صدر مقام ہرموپولس نہایت خوبصورت شہر ہے - اس کے قریب ہی ایک پہاڑی پر قدیم زمانے کا ایک قلعہ بھی موجود ہے - انیسویں صدی میں یہ یونان کی سب سے بڑی بندرگاہ تھا اور آج کل بھی یہ ان جزیروں کے درمیان آمد و رفت کا بڑا

---

[1] ایتھنز کا بادشاہ اور اٹیکا کا افسانوی ہیرو - یہ ایجیئن کا بیٹا تھا - اُس کا سب سے مشہور کارنامہ مینوٹور کو مارنا ہے - ایتھنز سے ہر سال ایک نوجوان کریٹ کے بادشاہ میناس کے پاس بھیجا جاتا تھا - جب تھیسیس کو وہاں بھیجا گیا تو میناس کی بیٹی اریاڈنے اس پر عاشق ہو گئی - اُس کی مدد سے وہ مینوٹور کو مارنے میں کامیاب ہو سکا اور بھول بھلیاں سے باہر نکل آیا -

[2] مینوٹور - وہ جنگلی بیل جو کریٹ کے بادشاہ میناس نے بھول بھلیاں میں رکھا تھا -

مرکز ہے۔ اس جزیرے میں بکریاں بڑی تعداد میں پالی جاتی ہیں جن کے دودھ سے نہایت عمدہ سفید رنگ کا پنیر تیار کیا جاتا ہے۔ یہ جگہ ترکی کے مشہور لذیذ کھانے لوکومیا کے لئے بھی مشہور ہے، جسے یہاں یونانی انداز سے تیار کیا جاتا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں اس جگہ ایک امریکن یتیم خانہ قائم کیا گیا۔ اس وقت تک اس میں دس ہزار سے زیادہ یتیم بچے پرورش پا چکے ہیں۔ نیکساس اور پاروس کے جزیرے سنگ تراشی کے لئے بھی بڑے مشہور ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر پاروس کا جزیرہ اپنی بے شمار پون چکیوں اور خوبصورت ریتیلے ساحلوں کے لئے مشہور ہے۔ میلوس کا جزیرہ جنوب مغربی کونے پر واقع ہے۔ یہیں یونانی دیوتا افروڈائٹ[1] کا مجسمہ (وینس دی میلو جو اس وقت پیرس کے عجائب گھر لوور میں رکھا ہوا ہے) کھود کر نکالا گیا۔ یہاں سے کچھ اور مجسمے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان میں یونانیوں کے سمندر کے دیوتا پوسیڈن کا مجسمہ جو اس وقت ایتھنز کے عجائب گھر میں ہے اور ایس کلیپس کا سر جو برٹش میوزیم میں رکھا ہوا ہے، قابلِ ذکر ہیں۔ پاروس کے جزیرے میں ایک سو دروازوں والا وہ بازنطینی گرجا ہے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اسے کانسٹن ٹائن کی ماں سینٹ ہلینا نے بنوایا تھا۔ پاروس کے مغرب میں اینٹی پاروس کا چھوٹا جزیرہ واقع ہے جو اس غار کے لئے مشہور ہے جس کی چھت سے ستون لٹکتے ہیں۔

ٹیناس کے چھوٹے سے جزیرے میں قدیم خانقاہ کے قریب ہی وہ جگہ واقع ہے جہاں موجودہ یونانیوں یعنی مسیحی ملت کا سب سے بڑا معبد ہے۔ اسے بحیرہ روم کا لورڈز[2] کہا جا سکتا ہے۔ اس جزیرے کے سرے پر بندرگاہ ایوبخلسٹیریا کا

---

[1] یونانیوں کی محبت کی دیوی۔ رومن اس کو وینس کہتے ہیں۔

[2] فرانس کے جنوب مغرب میں ایک مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ایک دیہاتی لڑکی کو حضرت مریم دکھائی دیں۔ یہاں ایک چشمہ ہے جس کا پانی پینے سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

سفید گرجا ہے جو مشرقی کلیسا کے ماننے والے عیسائیوں میں بہت مقبول ہے۔ یہ ایک کنوئیں پر اُس جگہ بنایا گیا ہے جہاں ۱۸۲۳ء میں حضرت مریم کی ایک عجیب وغریب تصویر پائی گئی تھی۔ سال بھر میں دو دفعہ، ۲۵ مارچ کو کہ یونان کا یومِ آزادی ہے اور ۱۵ اگست کو کہ حضرت مریمؑ کا یومِ وفات ہے، یونان کے گوشے گوشے سے لوگ اس جگہ زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اس کنوئیں کے پانی سے انھیں بہت سی بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے اور وہ حضرت مریمؑ کی تصویر کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ تصویر سینٹ لیوک نے جو حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے خود بنائی تھی۔

سین ٹورین ایک اور دلچسپ جزیرہ ہے، جہاں کچھ لوگ چٹانوں میں بنے ہوئے گھروں میں رہتے ہیں۔ یہ جزیرہ آتش فشانی عمل سے بنی ہوئی زمین اور اپنی عجیب عمارتوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں لاوے کی چٹانوں کو کاٹ کر مکانات بنائے گئے ہیں۔ یہ چٹانیں دراصل لاوے کی منجمد تہیں ہیں۔ ان کا رنگ چاکلیٹ کی طرح کتھئی ہے یہ اونچی اونچی چٹانیں سین ٹورن کی چھوٹی سی بندرگاہ سکالا کے قریب آٹھ سو فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہیں۔ ایک چٹان کی چوٹی پر تو ایک چھوٹا سا شہر واقع ہے جسے تھیرا کہتے ہیں۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے چکر کھاتا ہوا ایک راستہ جاتا ہے جس کے بعض موڑ بڑے خطرناک ہیں۔ چند سال پیشتر یہاں بہت سے مکانات، گرجے، اور پون چکیاں موجود تھیں جو نیلے سمندر اور نیلے آسمان کے درمیان معلق معلوم ہوتی تھیں لیکن یہ سارے کا سارا شہر ۱۹۵۶ء کے شدید زلزلے میں تباہ ہوگیا اور اب صرف کھنڈروں کا ایک ڈھیر ہے۔

ٹیناس، سیراس اور میکوناس بحر روم کے تین چمکتے ہوئے موتی ہیں۔ یہ تینوں ہی بے حد خوبصورت جزیرے ہیں۔ اگرچہ ان کی خوبصورت عمارتیں مختلف رنگوں کی ہیں لیکن چونے کے پلستر اور خشک ہوا کی وجہ سے تیز دھوپ میں یہ عمارتیں بالکل سفید نظر آتی

ہیں۔ یہاں بہت سے گرجے اور خانقاہیں بھی ہیں۔ صرف میکوناس میں ۳۶۴ گرجے اور بے شمار پَوَن چکیاں ہیں جن کے کپڑے کے پنکھے ہوا میں آہستہ آہستہ چکّر کھاتے ہیں۔ تہواروں کے دنوں میں جب شہر کے سب گرجوں میں ایک ہی وقت میں گھنٹے بجتے ہیں تو ساری فضا ان کی آوازوں سے گونج اُٹھتی ہے۔ اس جزیرے میں کوئی درخت نہیں اور یہاں پانی بھی نایاب ہے۔ پھر بھی اسے پریوں کا جزیرہ تصوّر کیا جاتا ہے اور مختلف ملکوں کے سیاحوں کے آنے کے باعث یہ جزیرہ بین الاقوامی تفریحی مقام بن گیا ہے۔ یہاں ساحلِ سمندر پر نہانے کی "بیچ" واقعی بہت خوبصورت ہے۔ اِس جگہ کی ریت نہایت باریک اور سفید ہے۔ قریب ہی ایک بلند چٹان پر ایک چھوٹا سا گرجا بھی بنا ہے جس کا عکس شفاف پانی میں پڑتا ہے۔

سائیکلیڈ جزیروں اور دوسرے ان مختلف جزیروں کے علاوہ جو ایشائے کوچک کے قریب واقع ہیں، یہاں جزیروں کے دو اور مجموعے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کو شمالی سپورڈیز اور دوسرے کو جنوبی سپورڈیز کہتے ہیں۔ شمالی سپورڈیز میں ایوبیا کا بڑا جزیرہ بھی شامل ہے جو خشکی سے قریب قریب ملا ہوا ہے۔ ان جزیروں کا سلسلہ یورپ اور ایشیا کے درمیان ایک ایسے ٹوٹے ہوئے پُل کی طرح ہے جو شمال مشرق میں درۂ دانیال تک پہنچ جاتا ہے۔ ان جزیروں میں سکائیراس، سکیاتھاس اور سکوپے لاس تین گہرے سبز رنگ کے ہیرے ہیں۔ ان جزیروں پر بحیرۂ ایجیئن کے سب سے خوبصورت ساحلی بیچ واقع ہیں۔ سکوپے لاس کے جزیرے میں بہت سے عجیب و غریب گرجے بنے ہوئے ہیں۔ زمین بہت زرخیز ہے اور یہاں کے آلو بخارے بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ سکیاتھاس میں قرونِ وسطیٰ کا ایک قلعہ بھی ہے جو ایک ایسے پُل کے ذریعے خشکی سے ملا ہوا ہے جس کو بوقتِ ضرورت اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اس جگہ ایک کھلی بندرگاہ بھی ہے جس میں امریکن بحری بیڑہ کھڑا رہتا ہے۔ سکائیراس کا جزیرہ واقعی بہت دلفریب ہے اور اس کی فضا بڑی پُرسکون

ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ یونان کی سیر کر رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور ان کے ناچ گانے اب تک قدیم انداز کے ہیں۔ ہومر[1] کی مشہور کتاب الیڈ کا ہیرو اے کلیس اسی جگہ ایک عورت کے بھیس میں چھپا تھا کہ اوڈیسیس نے اُسے ڈھونڈھ لیا اور ٹرائے کی جنگ میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ ایتھنز کا قدیم افسانوی ہیرو تھیسیس بھی سکائیراس میں ہی دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔ انگلستان کا مشہور شاعر روپرٹ برُوک جو پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں مارا گیا، اسی جزیرے میں دفن ہے۔ شمال کی طرف اور آگے تھاسوس کا جزیرہ ہے جو گھنے جنگلوں سے ڈھکا ہوا ہے اور اس کے پاس ہی ساموتھریس کا تنہا جزیرہ ہے جو وِنگڈ وکٹری[2] کا اصل وطن ہے۔ ان کے علاوہ ایشیا کے ساحل سے قدرے فاصلے پر لیسبوس اور چیاس کے جزیرے واقع ہیں۔ ان میں سے لیسبوس جو مائٹی لین بھی کہلاتا ہے یونان کی مشہور شاعرہ سیفو کی جائے پیدائش ہے۔ چیاس کے پرسکون جزیرے پر لیمو اور سنگترے کے بکثرت باغات پائے جاتے ہیں اور پہاڑی ڈھلانوں پر قسم قسم کے پھول کھلتے ہیں۔ ساموس کا جزیرہ بھی اس مجموعے میں شامل ہے جو اپنی عمدہ قسم کی شراب اور کشمش کے لئے مشہور ہے۔ یہ مشہور فلاسفر فیثاغورث کی جائے پیدائش ہے۔ جس نے مسئلہ تناسخ کی تعلیم دی اور علم نجوم کے متعلق کچھ ایسی باتیں دریافت کیں جن کو بعد میں کوپرنیکس[3]

---

[1] یونان کا مشہور اندھا شاعر جو قدیم رزمیہ داستانوں ـ الیڈ اور اوڈیسی کا مصنف خیال کیا جاتا ہے۔ یونان میں سات ایسے شہر ہیں جو اس کی جائے پیدائش تصور کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک سکائیراس ہے۔ ہومر گیارھویں صدی اور ساتویں صدی قبل مسیح کے درمیان گزرا ہے۔

[2] آزادی کا مجسمہ جو پیرس کے عجائب گھر لُور میں ہے۔ یہ ساموتھریس کے جزیرے میں پایا گیا تھا۔

[3] پولینڈ کا علم نجوم کا ماہر۔ اس نے اٹلی میں تعلیم پائی اور روم میں لکچر دیتا رہا۔ اسی نے یہ دریافت کیا کہ اجرام فلکی زمین کی گردش کی وجہ سے حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

نے واضح کیا۔

ایشیائے کوچک کے جنوب مغربی کونے پر جنوبی سپوریڈ کے جزیروں کا مجموعہ ہے جن میں ڈیڈی کانیز کے بارہ جزیرے بھی شامل ہیں۔ یہ سب کے سب پتھریلے ہیں۔ ان میں سے بعض پاٹموس کے جزیرے کی طرح آتش فشانی عمل سے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں بھی کوئی درخت نہیں اُگتا۔ ان بنجر جزیروں میں چشمے یا کنوئیں بھی نہیں ہیں اور لوگ موسم سرما کی بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لئے چٹانوں کو کاٹ کر تالاب بناتے ہیں۔ ان میں سے رہوڈز کو ڈیڈی کانیز جزیروں کی ملکہ کہا جا سکتا ہے۔ ہومر کے بیان کے مطابق اس کی سرزمین کو زیوس [1] نے سونے کی بارش سے سیراب کیا۔ اس جزیرے میں پھلوں کے باغات کثرت سے ہیں اور نہایت سرسبز چراگاہیں واقع ہیں۔ رہوڈز کا ساحل بہت خوبصورت ہے۔ یہاں لوگ تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اس جزیرے میں کچھ کھلے میدان بھی ہیں۔ ان میں ہر جگہ سُرخ رنگ کے گلاب کے پھُول بکثرت اُگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو گلاب کے پھولوں کا جزیرہ بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب زیوس نے زمین کے مختلف حصّوں کو دیوتاؤں میں تقسیم کیا تو وہ اپولو [2] کو بھول گیا جو اُس وقت اسپریا (اٹلی) میں سفر کر رہا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس وقت ایک خوبصورت جزیرہ سمندر کے گہرے نیلے پانی سے برآمد ہو رہا تھا۔ اپولو نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام رہوڈز رکھا۔ اس نے اس جزیرے کو ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اُس نے اسے نیلا آسمان، خوش گوار اور پاکیزہ ہوا اور سنہری دھوپ بخشی اور ہر قسم کی شاداب سرسبزیوں سے بھر دیا اور طاقتور اور دولت مند بنا دیا۔ کچھ مدت گزرنے

---

[1] یونانیوں کا سب سے بڑا دیوتا۔ رومن اس کو جیوپیٹر کہتے تھے۔ یہی دیوتا انسانوں میں نیکی اور بدی کو تقسیم کرتا ہے اور ہر بات میں انسان کی کامیابی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

[2] یونانیوں کا روشنی، علم، موسیقی اور پاکیزگی کا دیوتا۔ اپولو کو مردانہ حسن کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

کے بعد یہ جزیرہ آباد ہوگیا اور یہاں کے لوگوں نے اپنی کوشش سے اس سرزمین کو اور زیادہ خوبصورت بنایا، بہت سے مندر، یادگاریں اور عالیشان عمارتیں تعمیر کیں۔ دسویں صدی قبل مسیح سے ہی یہاں کئی بارونق شہر آباد ہونے لگے۔ اس کے جہاز دُور دُور کے سمندروں میں سفر کے لئے جانے لگے۔ اور بحیرۂ روم کے کئی ساحلوں پر اس کی نوآبادیاں قائم ہوگئیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں اس جزیرے کے صدر مقام شہر رہوڈز میں تین ہزار سے زیادہ خوبصورت مجسّمے اس کے حُسن کو دوبالا کرتے تھے۔

۴۰۷ ق۔م میں اس جزیرے کے تین شہر لینڈوس، آیالی سوس اور کامیروس آپس میں مل گئے اور انھوں نے رہوڈز کا نیا شہر تعمیر کیا۔ جلد ہی اس شہر میں بہت سے سکول قائم ہوگئے اور فنکار اور صنّاع یہاں آباد ہوگئے۔ رہوڈز کی یونیورسٹی علم و ادب کا بڑا مرکز بن گئی۔ رومن سلطنت کے تمام حصّوں سے اور سارے یونان سے طالب علم یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ ممتاز یونانی اور رومن عالم اور بڑے بڑے افسر یہاں آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ بعض شہنشاہوں نے بھی اسے اپنی قیام گاہ بنایا۔ رہوڈز نے سمندروں کی نگہبانی اور بحری قزّاقوں کو تباہ کرنے کا کام اپنے ذمے لیا اور اسے بڑی کامیابی سے سرانجام دیا۔ اس کے بعد رہوڈز کے لوگوں نے اُس زمانے کے مشہور بحری قوانین بنائے جو عرصے تک تمام ملکوں میں رائج رہے۔

رفتہ رفتہ رہوڈز بہت طاقتور ہو گیا۔ اس پر جتنے حملے بھی ہوئے اُس نے اکیلے اُن کا مقابلہ کیا۔ ۳۰۹ ق۔م میں ملک شام کے بادشاہ ڈیمٹریاس نے اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ ڈیڑھ برس تک جاری رہا۔ آخر کار شام کی فوجوں کو واپس جانا پڑا۔ اس فتح کے شکرانے میں رہوڈز کے باشندوں نے اپنے شہر کے دیوتا ہیلیاس کے نام پر ایک بہت بڑا بت تیار کیا۔ یہ اپولو کا کانسی کا بنا ہوا ایک بہت بڑا مجسمہ تھا۔ جسے قدیم زمانے کے سات عجائبات میں شمار کیا جاتا تھا۔ جہاز اس مجسّمے کی ٹانگوں میں سے گزر کر بندرگاہ میں

داخل ہوتے تھے۔ اس کی بلندی ۱۰۵ فٹ تھی اور اسے لنڈوس کے چارلس نے بنایا تھا۔
۲۲۷ ق.م میں ایک زبردست زلزلے سے یہ مجسمہ اور سارا شہر تباہ ہوگیا۔ اور ڈلفی کی غیبی آواز کے حکم سے اسے دوبارہ تعمیر نہیں کیا گیا۔

۱۵۵ء میں ایک اور شدید زلزلے سے اس مشہور شہر کا باقی ماندہ حصّہ بھی بالکل برباد ہوگیا اور یہ کھنڈروں کا ایک ڈھیر بن گیا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک یہ اسی حالت میں رہا لیکن چونکہ رہوڈز بحیرۂ روم کے تجارتی راستے پر واقع تھا اس وجہ سے آہستہ آہستہ اس نے دوبارہ ترقی کی۔ ۱۰۹۰ء میں صلیبی جنگوں میں حصّہ لینے والی پہلی فوج کو سامانِ جنگ رہوڈز کے جہازوں میں پہنچایا گیا اور اس کے بعد ۱۱۹۱ء میں انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیردل اپنے بحری بیڑے کے ساتھ یہاں ٹھہرا۔ اور اسی طرح فرانس کے بادشاہ فلپ نے بھی صلیبی لڑائیوں میں حصّہ لینے کے بعد کچھ عرصہ یہاں قیام کیا۔ ۱۳۰۹ء میں تین سال کے محاصرے کے بعد رہوڈز کا شہر سینٹ جان کے فوجی سرداروں کے حوالے کردیا گیا۔ جن کو نائٹس ہو سپٹالرز بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے اس شہر اور جزیرے کو بحیرۂ ایجیئن کا سب سے مضبوط اور طاقتور قلعہ بنادیا۔ اس وقت اس خوبصورت جزیرے کے تمام حصّوں میں موجودہ زمانے کے محلّات اور عالیشان عمارتوں کے ساتھ ساتھ ہر جگہ قدیم یونانی اور رومن وقت کے سنگِ مرمر کے ستون، گوتھک طرز کے مکانات اور بڑے بڑے قلعوں کے کھنڈر ملتے ہیں۔ آج کل ہزاروں امریکن ہر سال اس جزیرے کی سیر کے لئے جاتے ہیں اور یہ بحیرۂ روم کی بہترین تفریح گاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے خوبصورت ساحلی مقامات، عمدہ ہوٹلوں اور اعلیٰ ریسٹورانٹوں کی وجہ سے سیاح اسے سمندر کے کنارے جنّت کا نمونہ خیال کرتے ہیں۔

بحیرۂ ایجیئن کے جزیروں کے ساحل بہت کٹے پھٹے ہیں اور ان میں جگہ جگہ خلیجیں اور کھاڑیاں پائی جاتی ہیں، یہ خلیجیں بندرگاہوں کا کام دیتی ہیں۔ ان بندرگاہوں میں خوب رونق رہتی ہے۔ مشرقی ہواؤں کی وجہ سے ان جزیروں کے گرد و نواح میں بادبانی

جہازوں کے ذریعے سفر میں بڑا لطف آتا ہے۔ اِس سمندر میں جوار بھاٹا نہیں آتا اس لئے پانی کی سطح اُونچی نیچی نہیں ہوتی لہٰذا جہاز ان بندرگاہوں میں جب چاہیں داخل ہو سکتے ہیں اور باہر نکل سکتے ہیں۔ لہریں بھی زیادہ اونچی نہیں اُٹھتیں جن سے جہازوں کو خطرہ ہو۔ ساحل کا بیشتر حصہ چٹانی ہے۔

جب سیاحوں یا زیارت کرنے والوں کے جہاز ان میں سے کسی بندرگاہ پر پہنچتے ہیں تو وہاں تھوڑی دیر کے لئے خوب رونق ہو جاتی ہے۔ مسافروں کو ساحل پر لانے کے لئے چھوٹی چھوٹی مختلف رنگوں کی کشتیاں بڑی تیزی سے جہاز کی سیڑھی کی طرف بھاگتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں پوسٹ کارڈ، پھل اور پھول بیچتی ہیں۔ نہایت کاریگری سے بنی ہوئی پیٹیاں، رنگ برنگ کے قالین، خوبصورت کپڑے اور اس جگہ کی تیار کی ہوئی اور بہت سی گھریلو مصنوعات بھی فروخت ہوتی ہیں۔

ایسی بندرگاہوں میں ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں اور جہاز دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں دیواروں اور تاروں پر ماہی گیروں کے جال دھوپ میں سوکھتے نظر آتے ہیں۔ کہیں بندرگاہ کے ایک کونے میں اسفنج نکالنے والے جہاز کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو شاید افریقہ کے ساحل کی طرف سے چھ مہینے کے لمبے سفر کے بعد واپس آئے ہیں اور سمندر کی اس عجیب و غریب پیداوار سے لدے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف چھوٹے دخانی جہازوں میں مالٹے، لیموں اور موسم کے پھل لادے جا رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے پاس کچھ مرد اور لڑکے سمندر میں غوطہ لگا کر سیپیوں اور صدفوں کی تلاش کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ہشت نیش صدفہ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ دُور دراز علاقوں کو زیادہ وزنی سامان لے جانے والی چار بادبانوں کی بڑی بڑی کشتیاں بھی دکھائی دیتی ہیں جن پر بے شمار رسّے لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اِس قسم کے خوبصورت اور شاندار جہاز سمندر میں دور سے نظر آجاتے ہیں۔ ہلکا سامان خشکی پر پہنچانے کے لئے ہلال کی شکل کی دو بادبانوں والی کشتیاں استعمال

ہوتی ہیں - یہ ہلکی کشتیاں بہت تیز چلتی ہیں، ان پر خوبصورت دھاریاں اور بہت سی عجیب و غریب تصویریں بنی ہوتی ہیں -

ان بندرگاہوں میں، ڈبوں میں مچھلیاں بند کرنے کے کارخانے بھی ہوتے ہیں اور تیل اور مچھلی کی بُو ہر طرف پھیلی ہوتی ہے - قریب ہی جہازوں کی مرمت کرنے والے کارخانوں سے کول تار اور روغن کی بُو آتی ہے - لیکن ان سب سے تیز یہاں کی مقامی مسالے دار شراب کی مہک ہوتی ہے جو ساری بندرگاہ پر چھائی رہتی ہے - یہاں کے ہوٹلوں اور سراؤں کی دیواروں کے ساتھ شراب کے لکڑی کے بڑے بڑے پیپوں کی قطاریں رکھی ہوتی ہیں - ملاح اور جہازراں ان جگہوں میں بیٹھ کر مزے سے شراب پیتے اور ناچتے گاتے ہیں - بعض اوقات وہ ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی وجہ کے لڑتے بھی ہیں - ان کے علاوہ سینکڑوں آدمی ہر جگہ بےکار بیٹھے ہوئے بھی نظر آئیں گے - یہ لوگ درختوں کے سائے میں یا مکانوں کی چھت پر سارا سارا دن بےکار گزار دیتے ہیں -

یونان کے ہزاروں باشندے صرف سمندر کی بدولت اپنی روزی پیدا کرتے ہیں - آبادی کا بہت بڑا حصہ ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ جہاز رانی میں مصروف رہتا ہے - یونان کا بحری بیڑہ بھی اچھا ہے اور دنیا میں چھٹے درجے پر شمار ہوتا ہے - ۱۹۶۰ء میں یونان کو ساڑھے سات کروڑ ڈالر سے زیادہ رقم جہازرانی سے حاصل ہوئی - یونان کی اپنی تجارت زیادہ نہیں ہے اور اکثر یونانی جہاز غیر ملکی بندرگاہوں کے درمیان سفر کرتے ہیں - یونان کے زیادہ مالدار لوگ جہازوں ہی کے مالک ہیں اور اکثر دوسرے ملکوں میں جہاز رانی کے کام میں مصروف رہتے ہیں اور بہت کم یونان آتے ہیں -

ساحلوں کے قریب جال سے مچھلی پکڑنے کے علاوہ کھلے سمندر میں بھی مچھلی کافی مقدار میں پکڑی جاتی ہے - مچھلی پکڑنے والے جہاز ہفتوں اور بعض اوقات مہینوں تک ساحل سے دور کھلے سمندر میں مصروف رہتے ہیں - ان جہازوں پر مچھلی پکڑنے کے لئے چار مضبوط کانٹے

اکٹھے باندھ دئے جاتے ہیں جن میں چھوٹی مچھلیاں یا صدفے استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں بڑی بڑی مچھلیاں نہیں ہوتیں۔ یونان کے سمندروں میں صرف چھوٹی قسم کی مچھلیاں ملتی ہیں۔ بعض اوقات بحیرۂ اسود میں سے درۂ دانیال کے راستے کچھ بڑی مچھلیاں بھی آجاتی ہیں لیکن زیادہ تر یہاں جالوں کے ذریعے چھوٹی قسم کی مچھلیاں ہی پکڑی جاتی ہیں جنھیں ڈبوں میں بند کرکے یا نمک لگا کر اور خشک کرکے باہر بھیجا جاتا ہے۔ زیتون کا تیل بھی کافی مقدار میں تیار ہوتا ہے اور سمندر کے پانی سے نمک بھی بنایا جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ یونان ہر طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے پھر بھی یہاں امریکہ سے کاڈ اور ہیرنگ مچھلی درآمد کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اب یہاں مچھلیوں کی بہت کمی ہوگئی ہے جس طرح عرصۂ دراز تک کاشتکاری کی وجہ سے یونان کے اکثر خطوں کی زرخیزی کم ہوگئی، اسی طرح اس کے سمندروں کی پیداوار میں بھی کمی آگئی ہے۔

ان جزیروں کے رہنے والوں کا ایک اور بڑا پیشہ اسفنج حاصل کرنا ہے۔ یہاں کے صاف پانی میں بہترین قسم کے ریشمی اسفنج پائے جاتے ہیں۔ یہ صنعت بھی عرصۂ دراز سے جاری رہنے کی وجہ سے اب رُو بہ انحطاط ہے اور سمندر کے وہ حصے جہاں پہلے اسفنج بکثرت ملتا تھا اب وہ خالی ہو چکے ہیں چنانچہ اسفنج حاصل کرنے کے لئے افریقہ کے ساحل کی طرف جانا پڑتا ہے۔

اسفنج حاصل کرنا صدیوں سے یونان کی بڑی صنعت خیال کیا جاتا ہے۔ ۶ جنوری کو جب کہ حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کا دن منایا جاتا ہے تو اس وقت پادری اسفنج پکڑنے کے لئے روانہ ہونے والی کشتیوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں۔ یہ کشتیاں عجیب ساخت کی ہوتی ہیں۔ وہ یونانی جن کے بزرگ کسی وقت ٹرائے کی جنگ میں لڑے ہوں گے افریقہ کے شمالی ساحل کی طرف سمندر کی تہ سے اسفنج حاصل کرنے کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں۔

یونان کے مغربی ساحل کی طرف بحیرۂ آیوُن میں ایپٹانیز کے سات جزیرے کیفالونیا،

اتھاکا، کیرکیرا (کورفو)، زکنتھوس، لیوکاس، پاکسوس اور کیتھیرا واقع ہیں، جو ہمیشہ سے اپنی دل فریبی کے لئے مشہور ہیں۔ پریوں کی کہانی کی خوبصورت تصویروں کی طرح ان جزیروں کی کوہستانی چوٹیاں سمندر کے نیلے پانی میں سے اُبھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کی تنگ گھاٹیوں اور وادیوں میں رنگ برنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ ان کی ہر چیز اپنے اندر ایک دلربائی رکھتی ہے اور یہ بجا طور پر "جادو کے جزیرے" کہلاتے ہیں۔

ان میں سب سے بڑا جزیرہ کیفالونیا ہے۔ اس کے پہاڑ یکایک سطح سمندر سے بلندی کی طرف اُٹھ گئے ہیں۔ ان کی سب سے اُونچی چوٹی سمندر کی سطح سے پانچ ہزار فٹ بلند ہے۔ پہاڑوں کی ڈھلانیں گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہیں اور ان کے میدان بڑے سرسبز ہیں۔ بے شمار غار اور جھیلیں اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ کرتی ہیں۔ اس کا صدر مقام آرگوسٹولی (جو اسی نام کی ایک خلیج پر واقع ہے) ایک تجارتی مرکز ہے۔ یہاں کی خاص پیداوار کشمش ہے جو کافی مقدار میں برآمد ہوتی ہے۔ شراب اور زیتون کا تیل بھی باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس جزیرے کا ساحل بہت پیچیدہ ہے جس پر اکثر جگہ صنوبر کے جنگلات پائے جاتے ہیں اور بعض جگہ اس کا نظارہ بے حد خوبصورت ہے۔ یہاں کے رہنے والوں نے بھی قدیم زمانے میں اوڈیسیس کے ماتحت ٹرائے کی جنگ میں حصّہ لیا تھا۔

اتھیکا کا جزیرہ جو کیفالونیا کے مشرق میں واقع ہے۔ بحیرۂ آیوُن کے جزیروں میں سب سے زیادہ گرم اور مرطوب ہے۔ اس میں دو بڑے پہاڑی سلسلے واقع ہیں جن کو ایک چٹانی آبنائے ایک دوسرے سے علیحدہ کرتی ہے۔ اتھاکا کا ساحل بھی بہت شکستہ ہے اور اس میں بے شمار خلیجیں اور کھاڑیاں ہیں۔ اس کے آس پاس سمندر میں بہت سے چھوٹے چھوٹے غیر آباد جزیرے بھی موجود ہیں۔ سیّاح اگر چاہیں تو یہاں نہایت سکون اور اطمینان سے کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔ ان کے ساحل نہانے کے لئے بڑے موزوں ہیں اور وہاں مچھلی کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ اتھیکا وہی جزیرہ ہے جہاں اوڈیسیس دس سال تک

مارے مارے پھرنے اور دور دراز سفر کرنے کے بعد پہلی بار پہنچا - اس کی بندرگاہ پورٹ واتھی سے تھوڑی دور ہی وہ خوبصورت غار واقع ہے جس کے اندر چھت سے بے شمار قدرتی ستون لٹک رہے ہیں - وہاں ایک قدیم قربان گاہ بھی موجود ہے۔ دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے گویا یہ سب چیزیں اس وقت بھی اُسی طرح موجود ہیں جیسے کہ ہومر نے اپنی کتاب اوڈیسی میں بیان کی ہیں -

کورفوُ کا جزیرہ جو سب سے شمال میں واقع ہے تفریح کے لحاظ سے سب سے زیادہ خوبصورت اور پُرفضا خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی زمین درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے - کورفو کے میدانی حصّوں میں انگور، سنگترے اور لیموں کے باغات ہیں - ہر سال سیکڑوں سیاح اس جگہ تفریح کے لئے آتے ہیں - کورفو کے جزیرہ تک ایتھنز سے ہوائی جہاز کے ذریعے ایک گھنٹہ کا سفر ہے اور یورپ سے برنڈزی کے راستے بحری جہاز کے ذریعے اس جگہ سات یا آٹھ گھنٹے میں پہنچتے ہیں -

کورفوُ کے خوبصورت پہاڑوں کی ڈھلانوں پر قدیم زمانے کے چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں اور قابل دید بازنطینی گرجے، پُرانی خانقاہیں اور قلعے اب بھی موجود ہیں - رہوڈز اور میکونوس بحیرۂ ایجیئن اور کورفو بحیرۂ آیُون کے بہترین جزیرے شمار ہوتے ہیں اور یہاں سیاحوں کو ہر قسم کا آرام مل سکتا ہے - لیکن بعض باتوں میں کورفو کا جزیرہ یونان کے مجمع الجزائر میں سب پر فوقیت رکھتا ہے - یہاں کے سُرخ کنول کے پھُول بہت ہی پیارے ہوتے ہیں اور اکثر دیہاتی لوگ اپنے مکان بھی اسی رنگ کے بناتے ہیں - اس جزیرے کا ساحل بھی بہت دل فریب ہے - اس کی تعریف ہومر نے بھی کی ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ کورنتھ کے لوگ ۷۳۴ء ق-م میں اس جگہ آکر آباد ہوئے ، ہومر کی داستان اوڈیسی کا آغاز اسی جگہ سے ہوتا ہے - قدیم زمانے میں یہ جزیرہ اس قدر خوش حال تھا کہ اس نے ایرانیوں سے لڑنے کے لئے ساٹھ جنگی جہاز پیش کئے تھے -

اس جزیرے کا صدر مقام کیرکیرا یونان کا خوبصورت ترین شہر شمار ہوتا ہے۔ یہاں بہت عمدہ گرجے واقع ہیں ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اگھاس سپائیرڈون کا گرجا ہے۔ جس میں بڑی بیش قیمت تصویریں موجود ہیں اور بہت عمدہ چاندی کا کام کیا ہوا ہے۔ یہ گرجا اس جزیرے کے خاص سینٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اس جزیرے کے طول و عرض میں خشکی کے راستے اور اس کے گرد سمندر کے ذریعے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سفر کیا جا سکتا ہے۔ کورفو میں بہت سے دلچسپ مقامات ہیں۔ لیکن ان میں سب سے عمدہ اکیلیون کا موسم گرما کا محل ہے۔ جو آسٹریا کی ملکہ الزبھتھ نے تعمیر کرایا تھا اور بعد میں جرمنی کے قیصر ولہلم دوم کے قبضے میں بھی رہا۔ اس جزیرے کے شمال مغرب میں ایک اور دلفریب جگہ ہے۔ یہ پالالوکاسٹریٹسا کی خوبصورت خلیج ہے جس کا نظارہ بہت ہی دل کش ہے۔ اکثر سیاح یہاں دیر تک ٹھہرتے ہیں اور ساحل کے شفاف پانی میں نہاتے ہیں۔ اُن کو یہاں کھانے کے لئے نہایت عمدہ اور تازہ جھینگا مچھلی مل سکتی ہے جو اس خلیج سے حاصل کی جاتی ہے۔ یہاں سیاحوں کے لئے ایک خوبصورت بنگلہ اور آرام دہ ہوٹل بھی ہے۔

زانتے کا جزیرہ بھی خوش گوار آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے کسی صورت کورفو سے کم نہیں۔ اس کی سرزمین مختلف قسم کے نظاروں سے پُر ہے۔ اس کے وسطی حصے اور تمام جنوب مشرقی کنارے کی آب و ہوا کم گرم اور مرطوب ہے اور یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ میلوں تک خوبصورت ریتیلے علاقے پائے جاتے ہیں۔ جزیرے کا جنوب مغربی حصہ پہاڑی اور خشک ہے اور یہاں سمندر کے کنارے پر اونچی اونچی چٹانیں کھڑی ہیں۔ اس جزیرے میں گرم ممالک کے ہر قسم کے پودے، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔

لیوکاس کا جزیرہ جو آئرلینڈ کے یونانی شاعر لیوکیڈ یوہیرن کی جائے پیدائش ہے،

صرف ایک آبنائے کے ذریعے خشکی سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اس جزیرے کا کچھ شمالی حصہ بڑا پست اور ریتلا ہے جہاں جگہ جگہ پون چکیاں لگائی گئی ہیں۔ اس میں ساناٹا مورا کے مقام پہ ایک قلعہ ہے اور اس کی خلیج ڈوکاٹو پر اپولو کے ایک مندر کے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں جن قیدیوں کو سزائے موت دی جاتی تھی انھیں اسی پہاڑی سے نیچے پھینک دیا جاتا تھا۔

بحیرۂ آیون کے جزیرے مدت تک بحری قزاقوں کی آماجگاہ بنے رہے۔ ان کے علاوہ صدیوں تک ونڈل، نارمن، فرانک، وینیشن اور ترک قوم کے لوگ بھی ان جزیروں پر حملے کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۸۱۴ء میں یہ جزیرے برطانیہ کے قبضے میں آگئے اس طرح ان جزیروں کے رہنے والے یورپ کے دوسرے باشندوں کے ساتھ مل کر وہاں کی معاشرتی، علمی اور سیاسی ترقی میں دوش بدوش حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ جب ۱۸۲۱ء میں یونان کو مکمل آزادی حاصل ہوئی تو اس کا پہلا صدر کیپوڈسٹریا اسی جگہ کا رہنے والا تھا۔ ان جزیروں میں علم اور فن کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ کیلوس اور سالوموس جیسے بڑے یونانی شاعر یہاں کے ہی رہنے والے تھے۔ ۱۸۶۴ء میں انگلستان نے یہ جزیرے دوبارہ یونان کو واپس کردئے۔ بناوٹ کے لحاظ سے یہ جزیرے آتش فشانی کے عمل سے بنے ہوئے ہیں اور یہاں شدید زلزلے آتے رہتے ہیں۔ آخری تباہ کن زلزلہ ۱۹۵۳ء میں آیا تھا۔ لیکن اس کے بعد بڑے پیمانے پر تعمیری کام ہونے کی وجہ سے اب یہاں دوبارہ عمدہ مکانات اور عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں۔

ان جزیروں کے رہنے والے جہازران اور ملاح ہیں۔ خاص طور پر کیفالونیا اور اتھیکا کے لوگ تو قدیم زمانے سے ہی جہازرانی میں ماہر ہیں۔ اتھیکا کا بادشاہ اوڈیسیس بھی انھیں میں تھا۔

یونان کے مجمع الجزائر میں ایک اور جزیرہ ہے جو رقبے میں سب سے بڑا ہے۔ یہ

کریٹ کا جزیرہ ہے جو یورپ کے سب سے جنوبی حصے میں واقع ہے چونکہ اسے یونانی تہذیب کا گہوارہ تصوّر کیا جاتا ہے اِس لئے یونان کی کہانی اسی جزیرے سے شروع کی جاتی ہے ۔

تیسرا باب

یونان کے لوگ

متحدہ ریاست کی حیثیت سے یونان ایک نیا ملک ہے۔ لیکن یونان کے باشندے بہت قدیم ہیں۔ یہ لوگ یونان میں اتنی مدت سے رہتے چلے آئے ہیں کہ انھیں ملک سے علیحدہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ یونان کی آبادی کبھی بہت زیادہ نہ تھی۔ یہ آبادی کبھی ایک کروڑ اسی لاکھ سے نہ بڑھ سکی۔ اس وقت یونان کی آبادی صرف اسی لاکھ کے قریب ہے اور ان میں سے ۴۸ فی صدی لوگ کاشتکاری کرتے ہیں یا بحری صنعتوں سے وابستہ ہیں۔ یہاں کے کسان صدیوں سے اسی زمین سے اپنی روزی پیدا کررہے ہیں۔ اسی طرح صدیوں سے سمندر سے بھی خوراک اور دوسری چیزیں حاصل کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کی زمین اور سمندر دونوں ایسی چیزیں ہیں جو صدیوں سے استعمال ہوتی رہی ہیں۔

یونان کے لوگوں میں آج بھی وہ رسم ورواج اور روایات موجود ہیں جو صدیوں پہلے وہاں رائج تھیں اور نسلاً بعد نسل ورثے میں آئیں۔ یونان میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک سب لوگوں کا تمدن، زبان اور مذہب ایک ہے۔ لیکن ان کی ہر ایک چیز کی بنیاد عہد قدیم پر ہے۔ اُن کے خیالات اور اخلاق سب اُن کی پرانی تہذیب سے وابستہ ہیں۔ یہ بات اُن کے پہاڑوں اور پرانے مندروں کے کھنڈرات سے عیاں ہے۔

عجیب بات ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک جس پر دوسری قوموں نے بارہا حملے کئے اور جو کئی بار اغیار کے قبضے میں رہا اپنی قومیت اپنی زبان اور اپنا مذہب برقرار رکھ سکا۔

یونانی تہذیب کی کہانی بہت لمبی ہے۔ یہ یورپ کی دوسری تمام قوموں سے زیادہ طویل ہے۔ یہ ایک ایسی قوم کی داستان ہے جو بہت سی سیاسی تبدیلیوں کے باوجود اپنا خاص قسم کا کردار اور زندگی کا معیار قائم رکھ سکی۔ سطحی نظر سے دیکھو تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا چھوٹا سا ملک یہ سب کچھ کیسے کرسکا۔ یونان کا کوئی علاقہ دوسرے علاقے سے پانچ سو میل سے زیادہ دُور نہیں ہے اور اس کے ساتھ یہ بات اور بھی زیادہ عجیب ہے کہ اس کی زمین بہت کم زرخیز ہے۔ عام کہاوت ہے کہ یونان اور غریبی جوڑواں بھائی ہیں۔

یونان کے ملک میں خام اشیاء کی بہت کمی ہے اور اس کے قدرتی ذرائع بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اس کی تجارتی منڈیاں بھی محدود ہیں اور آبادی کا بہت سا حصّہ دیہات میں رہتا ہے جہاں لوگ سوائے جسمانی محنت کے کوئی اور کام نہیں جانتے۔ یہاں کے لوگوں کی آمدنی امریکہ کے لوگوں کی یومیہ آمدنی کے $\frac{1}{8}$ کے برابر ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ اس معاشی پستی کی ایک وجہ وہ جنگیں ہیں جو اس سرزمین پر ہوتی رہیں۔ یونان ایسے راستے پر واقع ہے جو صدیوں تک مختلف قوموں کی گزرگاہ رہا ہے۔ یہ قومیں یونان کو تاخت و تاراج کرتی رہی ہیں۔ لیکن یونان کی غربت کا اصل باعث قدرتی ذرائع کی کمی ہے۔ اس ملک میں پانی سے بجلی نہیں پیدا کی جاسکتی اور زمین کا بھی بہت تھوڑا حصّہ کاشت کے قابل ہے۔

یونان میں جگہ جگہ پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں اور ساحل کے شکستہ ہونے کی وجہ سے سمندر دور تک ہر جگہ خشکی میں گھُس آیا ہے۔ یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جو سمندر سے بہت دُور ہو۔ کسان، چرواہے اور ملّاح اکثر اپنے پیشے تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ سمندر ہر جگہ قریب ہونے کی وجہ سے اِس ملک کے دو تہائی لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں کی کھڑکیوں میں سے سمندر کو دیکھ سکتے ہیں۔ رقبے کے لحاظ سے یونان کا ساحل دُنیا کے تمام دوسرے ملکوں سے زیادہ لمبا ہے۔

اس قسم کی سرزمین میں رہنے والوں کو اپنی روزی پیدا کرنے کے لئے سخت محنت کرنی

کرنی پڑتی ہے۔ اِس وجہ سے یونان کے لوگ بڑے مضبوط اور جفاکش ہیں۔ الگ تھلگ پہاڑی وادیوں اور میدانوں میں رہنے کی وجہ سے اُن میں آزادی، انفرادیت اور خود اعتمادی کی عمدہ صفات پیدا ہوگئی ہیں۔ قدیم زمانے سے جہازرانی اور ملّاحی ان کا اہم پیشہ ہے، اور اسی وجہ سے جہاز سازی، تجارت اور ماہی گیری کا بھی انھیں بڑا شوق ہے۔ یہ لوگ دوسرے ملکوں میں جاکر آباد ہونے کے شائق ہیں چونکہ ان کے لئے اپنے وطن میں زرخیز زمین کی بہت کمی ہے اور خوراک بھی بہت زیادہ نہیں، اِس وجہ سے یونان کے لوگ اپنے ملک سے باہر جانے پر مجبور ہوتے رہے۔ انھوں نے بحیرۂ روم کے قریب کے تمام ملکوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں اور وہاں تجارتی مرکز اور شہر بنائے۔ اِس وقت بھی یونان کے لوگ بہت زیادہ بکھرے ہوئے ہیں اور وطن سے باہر اُن کی کئی نو آبادیاں قائم ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا کنبہ ہوگا جس کے ایک سے زیادہ افراد گھر سے باہر نہ ہوں گے۔ یونان کے ہر نوجوان لڑکے کے دل میں سب سے پہلے یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اور اپنے کنبے کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے قسمت آزمائی کے لئے کہاں جا سکتا ہے۔

اگرچہ مجموعی طور پر یونان کی آب و ہوا نیم گرم ہے لیکن اس کے مختلف حصّوں کی آب و ہوا میں بہت زیادہ فرق ہے۔ جنوبی حصّے کی آب و ہوا بحیرۂ روم کے خطّے کی سی ہے جہاں زیتون اور انگور پیدا ہوتا ہے۔ شمالی حصّے کی آب و ہوا معتدل ہے۔ لیکن یہاں بھی گرمیوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی ہوتی ہے۔ اِس حصّے میں شاہ بلوط، اخروٹ اور مختلف اقسام کے پھل دار درخت پیدا ہوتے ہیں۔ تیسری قسم کی آب و ہوا پہاڑوں اور سطحِ مرتفع پر پائی جاتی ہے جہاں چیل اور صنوبر کے درخت ہوتے ہیں۔ یہاں چراگاہیں بھی پائی جاتی ہیں۔

اتنے چھوٹے سے ملک میں کئی اقسام کی آب و ہوا ہونے کی وجہ سے یہاں ہر قسم کے پودے اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ جنوب مغربی حصّے میں اور بحیرۂ آیوُن کے جزیروں میں زیادہ

گرمی کی وجہ سے منطقۂ حارہ کی نباتات پائی جاتی ہے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے کیلے اور انگور کے علاوہ سنگترے اور مالٹے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ بہی اور کشمش یہاں کی بڑی پیداوار ہے۔ ایک طرف مونٹ ہیمٹیس کی چوٹیوں پر برف چمکتی دکھائی دیتی ہے تو دوسری طرف نیچے اٹیکا کے میدان میں سنگترے درختوں پر پک رہے ہوتے ہیں۔ یہاں مختلف قسم کے جنگلی پھول بھی بکثرت اُگتے ہیں، چنانچہ موسم سرما میں شہروں کے ارد گرد طرح طرح کے پھول کھلے ہوتے ہیں۔ اس سے آگے جنوب میں مونٹ ٹیگیٹس مئی اور جون کے مہینوں تک برف سے ڈھکا رہتا ہے جبکہ اس کے قریب ہی میسینیا اور سپارٹا کے میدانوں میں کھجوریں پک رہی ہوتی ہیں اور نیکساس میں لیموں پک چکے ہوتے ہیں۔

زیادہ شہر جنوب میں سمندر کے ساحل کے قریب اور پہاڑی سلسلوں اور سمندر کے درمیان کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اکثر شہر بہت مناسب جگہ آباد ہیں جہاں سے دُنیا کے بحری راستے گزرتے ہیں۔ وہ شہر جو پچھلے زمانے میں تہذیب و تمدن اور تجارت کے بڑے مرکز تھے اب حکومت کے صدر مقامات اور زراعتی منڈیاں ہیں۔ ان کے ناموں سے ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت قدیم ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں یہ شہر کئی بار مٹے اور کئی بار پھر آباد ہوئے اور بار بار پرانے کھنڈروں پر نئی عمارتیں بنتی رہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ماہر یہاں اکثر زمین کی تہوں کو کھود کر گزشتہ تہذیبوں کے حالات دریافت کرتے ہیں۔

یونان کے لوگوں کا زیادہ حصہ دیہات میں رہتا ہے اور اس کے تمام دیہاتی علاقے میں چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیاں آباد ہیں۔ یونان کے لوگوں کا کہنا ہے کہ گاؤں ہماری قوم کا گہوارہ ہیں۔ ان کی آبادی کا ساٹھ فیصد سے زیادہ حصہ انہی چھوٹے چھوٹے گاؤں میں رہتا ہے۔ جہاں یہ لوگ شراب، زیتون، کشمش، تمباکو، انگور اور زیتون کا تیل پیدا کرتے ہیں۔ ملک کے اکثر اہلِ علم و فن دیہات ہی سے آتے ہیں۔ یہاں کے اکثر اُستاد، ڈاکٹر، مذہبی رہنما، قانون داں اور بعض وزراء، سیاست داں، لیڈر، شاعر اور عالم سبھی دیہات

کے رہنے والے تھے۔

یونان کے اکثر گاؤں پہاڑی ڈھلانوں پر اور بلند چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں تاکہ کاشتکاری کے لئے زیادہ سے زیادہ زمین حاصل ہو سکے۔ اکثر گاؤں ایسی جگہ آباد ہیں جہاں سے دریاؤں اور سمندر کا منظر بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے اور نیچے کی وادیوں میں انگور کے باغات دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر جگہ گاؤں کے سب سے اونچے مقام پر سرخ چھت اور نقرئی گنبد والا بازنطینی گرجا بنا ہوتا ہے۔ گرجے کی گھنٹیاں بجتی ہیں تو اُن کی گونج سارے علاقے میں سنائی دیتی ہے جہاں لوگ محنت میں مصروف ہوتے ہیں۔ ہر گاؤں میں گرجے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ گرجا اور سکول اکثر پاس پاس ہی ہوتے ہیں۔ ہر گاؤں میں اُستاد اور پادری کو بہت بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ گاؤں کے قہوہ خانے میں اکثر لوگ حقہ پینے کے لئے اور ملکی معاملات پر باتیں کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ یہ جگہ اُن کے لئے کلب کی مانند ہوتی ہے۔ لیکن وہ یہاں سے تمباکو، شراب اور قہوہ بھی خرید سکتے ہیں۔ گاؤں کا فوارہ عورتوں کے لئے کلب کا کام دیتا ہے جہاں جمع ہوکر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی ہیں اور اپنا دل بہلاتی ہیں۔ گاؤں کی ایک اور دلچسپ جگہ وہاں کا تنور ہے۔ یہ تنور بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اینٹوں اور پتھروں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ سارے گاؤں کی عورتیں اس جگہ ڈبل روٹیاں، کیک اور پیسٹریاں بنوانے آتی ہیں۔ ایک کھلے میدان میں پاؤں کے نیچے کچل کر غلے کو گاہا جاتا ہے اور تہواروں کے موقعوں پر اسی کھلے میدان میں ناچ اور گانے ہوتے ہیں۔ اور شراب کے دور چلتے ہیں۔ کبھی کبھی یہاں ڈرامے بھی کھیلے جاتے ہیں۔

پورے گاؤں کے مکان عام طور پر ایک ہی طرز کے ہوتے ہیں۔ یہ مکان زیادہ تر پتھر سے بنائے جاتے ہیں البتہ چھتیں ٹائیلوں (کھپریل) کی ہوتی ہیں۔ یونان کے گاؤں میں کوئی بڑی عمارت یا شاندار مکان دکھائی نہ دے گا۔ گاؤں کی گلیاں اور بازار کھلے کھلے ہوتے ہیں یہاں نہ عدالتیں ہیں نہ پولیس اور نہ ٹریفک کے مسائل۔ اس ملک کا ہر گاؤں ہر لحاظ سے

ایک وحدت ہوتا ہے اور اُس کی معاشرتی زندگی دوسرے گاؤں سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ اکثر گاؤں میں ایک ہی قبیلے کے مختلف کنبے رہتے ہیں جن کی آپس میں رشتہ داریاں ہوتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کا بڑا لحاظ رکھتے ہیں۔ گاؤں میں سب لوگ ایک دوسرے کو بخوبی جانتے ہیں اور ایک دوسرے کی شادی غمی اور دوسرے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ کاروبار زیادہ تر زبانی ہوتا ہے، کسی چیز کو تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک مرد جب کسی بات کا وعدہ کرتا ہے تو اُسے ہمیشہ پُورا کرتا ہے اور سب لوگ ایک دوسرے کی بات پر پُورا اعتماد رکھتے ہیں، یہ یونان کے لوگوں کی بڑی خصوصیت ہے۔

یہاں کے دیہاتی لوگ سالہا سال سے اُسی پرانے طریقے سے زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ ایک گاؤں اور اُس کے مکانات میں صدیوں سے ایک ہی قبیلے کے لوگ رہتے چلے آئے ہیں۔ اِس طرح صبح اور شام ہوتی ہے اور اُن کی زندگی بلا کسی خاص تبدیلی کے ایک نہج سے گزرتی رہتی ہے۔ فصل کی کٹائی کے بعد انگور کا رس نکالنے اور شراب تیار کرنے کا موسم آتا ہے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی بپتسمہ کی رسمیں ادا ہوتی ہیں، شادی پر خوشیاں منائی جاتی ہیں، جب کوئی مرجائے تو پُرانی رسموں کے مطابق اُسے دفن کیا جاتا ہے اور سوگ منایا جاتا ہے۔ لڑائی جھگڑے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ طرح طرح کی پریشانیاں بھی لاتے ہیں۔ پھر امن کا زمانہ آجاتا ہے اور لوگ ناچ گانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اپنے گھر کے تیار کئے ہوئے موٹے اونی اور سوتی لباس کو اُتار کر ریشمی اور سنہری کام والے جیکٹ پہن لیتے ہیں۔ جب نوجوان لڑکیاں ایک دائرہ بنا کر ناچتی ہیں تو اُن کے اشرفیوں کے بنے ہوئے ہاروں اور کنگنوں کی جھنکار دور دور تک سُنائی دیتی ہے اور جب مرد سفید لبادے پہن کر قدیم طریقے سے ایک گول دائرے میں ناچتے ہیں اور اپنے متبرک گانے گاتے ہیں تو گاؤں کے میدانوں میں بڑی رونق اور چہل پہل ہوجاتی ہے۔

یونان میں بڑے بڑے نواب اور زمیندار نہیں ہوتے ہیں۔ یہاں زمین کا کوئی ایسا

مالک نہیں جو خود اپنے ہاتھ سے کاشت کاری نہ کرتا ہو ۔ ساری زمین کاشتکاروں کی ملکیت سمجھی جاتی ہے ۔ ہر ایک کنبے کے پاس چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو ایک انگور کا باغ ایک پھلوں کا باغ ، کاشت کے لئے تھوڑی سی زمین ، زیتون کے کچھ درخت ، ایک خچر ، ایک گدھا اور کچھ بھیڑیں اور بکریاں ضرور ہوں گی ۔ ہر کنبے کا ایک آبائی مکان ہوتا ہے جو باپ کے بعد بیٹے کو ورثے میں مل جاتا ہے ۔ لیکن یہاں اچھی اور زرخیز زمین کی کمی ہے اور اکثر کھیت بہت چھوٹے ہوتے ہیں ۔ عام طور پر کسی کے پاس تین چار ایکڑ سے زیادہ زمین نہیں ہے ۔ بڑے سے بڑا کھیت دس ایکڑ رقبے سے زیادہ نہیں ہوتا ۔ اگرچہ لوگوں کا بنیادی پیشہ کاشتکاری ہے لیکن ان کے زراعت کے طریقے ابھی تک بہت پرانے ہیں ۔ صرف میدانی حصّوں میں جہاں زمین ہموار ہے ۔ فصلیں بونے اور کاٹنے کے لئے امریکن ٹریکٹر ، مشینیں اور دیگر آلات استعمال کئے جاتے ہیں ۔ پہاڑی حصّوں میں اور دور افتادہ دیہاتی علاقوں میں جہاں زمین پتھریلی اور اونچی نیچی ہے ابھی تک ہومر کے زمانے کا ہل استعمال ہوتا ہے اور یہاں کے لوگ سالہا سال سے اسی پرانے طریقے سے اپنے چھوٹے چھوٹے کھیتوں پر کاشت کاری کرتے ہیں ۔ بجائی ، کدال اور بیلچے سے کی جاتی ہے اور کٹائی درانتی کے ذریعے ہاتھوں سے ، لوگ بڑی جاں فشانی سے کام کرتے ہیں پھر بھی پیداوار بہت تھوڑی ہوتی ہے ۔

یہاں کے لوگوں کو کھانا پکانے اور موسم سرما میں آگ جلانے کے لئے ایندھن حاصل کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے ۔ ہر وہ چیز جو جلائی جاسکتی ہے اور جس کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اکٹھی کرکے ایندھن کے طور پر گھر لائی جاتی ہے ۔ دیہات میں اکثر گدھوں اور ٹٹوؤں کی قطاریں دکھائی دیتی ہیں جن پر چولھوں اور انگیٹھیوں میں جلانے کے لئے لکڑی لدی ہوتی ہے ۔ جس زمانے میں یہ علاقہ نازیوں کے قبضے میں تھا تو انھوں نے یہاں کے لوگوں سے اُن کے گدھے ، ٹٹو اور خچر

چھین لئے تھے۔ چنانچہ اب اکثر جگہ عورتیں اور بچے لکڑیوں کے گٹھے اٹھاکرجاتے ہوئے نظر آئیں گے۔

قدیم زمانے میں یونان میں بہت سے جنگلات تھے اور زمین بھی کافی زرخیز تھی لیکن جب اس کی آبادی بڑھ گئی تو لوگوں نے اناج پیدا کرنے کے لئے جنگلوں کو کاٹ کر کاشت کاری شروع کردی۔ چونکہ یہاں کوئلہ یا بجلی کی طاقت موجود نہیں ہے۔ اس لئے جلانے کے لئے لکڑی بھی جنگلوں ہی سے حاصل کی جاتی تھی۔ اس وجہ سے درخت جو زمین کی حفاظت کرتے ہیں ایک ایک کرکے کاٹ لئے گئے۔ صدیوں تک درختوں کے کاٹنے سے اور بھیڑوں اور بکریوں کے چرنے سے جنگلوں کی تعداد میں بڑی کمی ہوگئی اور زمین کی زرخیزی بھی ختم ہوگئی۔ درختوں کے کٹ جانے سے سطح زمین کی قیمتی مٹی بارش میں بہہ گئی اور اس کی زرخیزی ختم ہوگئی۔ بہت سے چشمے بھی خشک ہوگئے۔ چھٹی صدی عیسوی میں عمارتی کاموں کے لئے بھی لکڑی باہر سے لائی جانے لگی۔ آج بھی لکڑی زیادہ تر دوسرے ملکوں ہی سے درآمد کی جاتی ہے۔ سارے ملک کا پانچ فی صد حصہ بھی جنگلات سے ڈھکا ہوا نہیں ہے۔

زمین کی حفاظت کے لئے اور پہاڑی ڈھلانوں پر سے مٹی کو بہنے سے بچانے کے لئے گھاس اور دوسرے پودوں کے اگانے کا کام حال ہی میں شروع ہوا ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف زمین کی حفاظت ہوسکتی ہے بلکہ جانوروں کے لئے چارہ بھی مہیا ہوسکتا ہے۔ اس وقت سارے ملک کی زمین کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ایسا ہے جسے بنجر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ باقی زمین پر بھی پیداوار حاصل کرنے کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مٹی کو بہہ جانے سے روکنے کے لئے نالیاں اور کھائیاں بنائی جا رہی ہیں۔ کم اونچے پہاڑوں کے دامن میں نئی زمین تیار کی جاتی ہے اور مختلف طریقوں سے اسے زرخیز بنایا جاتا ہے۔ یہاں کے کاشتکار اب قدرتی حالات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش میں

مصروف ہیں۔

یونانیوں کی شکل وصورت کوئی ایسی غیر معمولی نہیں ہے کہ وہ فوراً دوسروں سے تمیز کیے جاسکیں۔ صرف یہی ایک خاص بات ہے کہ ان کا چہرہ چوڑا اور مربع شکل کا ہوتا ہے۔ عام یونانیوں کا قد بھی اوسط درجے کا ہوتا ہے۔ امریکن لوگوں کے معیار سے اُن کو پست قد کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ بہت سے یونانی نہایت سفید رنگ کے ہوتے ہیں لیکن عام طور پر وہ زیتون کے پھل جیسے قدرے گندمی رنگت رکھتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں۔ عورتوں کے بال بھی اکثر سیاہ ہوتے ہیں اور آنکھیں بادامی رنگ کی ہوتی ہیں۔ بہت سی عورتیں قدیم زمانے کے مجسّموں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ یونانی عورتیں بھی یہاں کے مردوں کی طرح بڑی محنتی ہوتی ہیں۔ وہ کھانا پکانے اور گھر کے باغ میں بڑی دلچسپی لیتی ہیں اور اُون کاتنے، کپڑوں پر بیل بوٹے بنانے اور بُننے میں مصروف رہتی ہیں۔ موسم سرما کی لمبی راتوں میں وہ خوبصورت پھولدار گاؤن، اونی کپڑے اور کمبل تیار کرتی ہیں جو بڑے پائیدار اور مضبوط ہوتے ہیں۔ دیہاتی کنبوں میں سب کا لباس عورتیں ہی تجویز کرتی ہیں اور وہی بناتی ہیں۔ موسم سرما میں محنت کرنے والے کسانوں کی پتلونیں، عورتوں کی اپنی قمیضیں اور گھر کی کھڈیوں پر بُنے ہوئے سر پر باندھنے والے رومال سب عورتیں ہی تیار کرتی ہیں۔ یہاں عرصۂ دراز سے دیہاتی عورتوں کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

یونانی لوگوں کے اخلاق کی سب سے بڑی خوبی اُن کی شائستگی اور بنی نوعِ انسان سے ہمدردی کے جذبات ہیں جو انھوں نے قدیم زمانے سے ورثے میں پائے ہیں۔ ان صفات کی وجہ سے دُنیا کے لوگ اُنھیں بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور بہت جلد ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرلیتے ہیں۔ ایک لحاظ سے وہ نہایت آزاد طبع، اپنے آپ کو کسی سے کم نہ سمجھنے والے، سادگی پسند، انفرادیت کے حامی، بہادر

اور اپنی دُھن کے پکّے ہیں۔ انھیں شخصی آزادی، انسانی وقار اور جمہوریت کا بہت احساس رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک یونانی بظاہر پست اخلاق کا مالک نظر آتا ہو، روزمرّہ کی زندگی میں قدرے ناقابلِ اعتماد ہو لیکن جونہی کوئی اہم معاملہ پیش آجائے یا کوئی نازک موقع ہو تو اُس وقت وہ ایک مختلف انسان بن جائے گا۔ اُس وقت وہ اپنے کردار کا بہترین پہلو پیش کرے گا اور بڑا معاون ثابت ہوگا۔ وہ ایک ذہنی نصب العین کے لئے اپنے ذاتی مفاد اور مادی فائدوں کو قربان کردے گا۔

سب سے زیادہ قیمتی چیز جو اس وقت یونان کے لوگوں کو حاصل ہے وہ ان کا قومی اتحاد ہے۔ وہ سب، نسل اور تہذیب وتمدّن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ یونانی دنیا کے جس حصّے میں بھی ہوں، اپنے آپ کو یونانی ہی خیال کرتے ہیں۔ یونانی اپنی اولاد سے بڑی محبّت کرتے ہیں اور اُنھیں اپنے کنبے کا بڑا احساس ہوتا ہے۔ اُن کی سیاسی زندگی میں کنبے کا احساس بہت نمایاں ہے۔ یونان کے لوگوں کو اپنی گزشتہ تہذیب و تمدّن کا احساس بھی بڑی شدّت سے ہے اور انھیں اپنی روایات اور تہذیب پر بڑا ناز ہے۔ یونانی عام طور پر اکٹھے مل کر کسی بڑے کام میں حصّہ نہیں لیتے۔ اُن میں سے ہر شخص اپنا ذاتی کاروبار کرکے زیادہ خوشگوار زندگی بسر کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ یہ لوگ بڑے اچھے تاجر ہوتے ہیں اور ہر قسم کا کاروبار بڑی جرأت سے کرتے ہیں۔ انھیں علم کا بھی بڑا شوق ہے۔ اُن کی زندگی میں ہمیشہ تعلیم کو بڑی اہمیت رہی ہے۔ یونان میں نہ تو بڑے بڑے نواب پائے جاتے ہیں اور نہ اعلیٰ طبقے کی سوسائٹی ہے جو عام لوگوں سے علیحدہ اور اونچی زندگی بسر کرتی ہو۔ یونان کے رہنے والے سیاسی معاملات میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ انھیں اپنی حکومت اور اُس کے معاملات سے باخبر رہنے کا بڑا شوق ہے۔ جب دو یونانی کسی جگہ اکٹھے ہوں تو وہ ہمیشہ سیاسی مسائل پر باتیں کریں گے۔ ان میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ جب دو یونانی ہم خیال ہوجائیں

تو وہ ایک بڑی سیاسی دلیل ہوں گے اور اگر تین ہوں تو ایک سیاسی پارٹی بن جائے گی۔ عام طور پر یُونانی امن پسند لوگ ہیں۔ لیکن اُن کی تاریخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے بھی مرمٹنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

یونان کی سب سے بڑی پیداوار تمباکو ہے جو دوسری تمام چیزوں سے زیادہ برآمد ہوتا ہے۔ یہاں ہر سال ساٹھ ہزار ٹن سے زیادہ تمباکو پیدا کیا جاتا ہے۔ یونان کی اقتصادی زندگی کا زیادہ انحصار غیر ملکی تجارت پر ہے اور پچھلے پچیس سال سے تمباکو سب سے زیادہ برآمد ہوتا ہے۔ ملک کے بہت سے حصّوں میں تمباکو نے زیتون اور انگور کی جگہ لے لی ہے۔ زیادہ عمدہ قسم کا تمباکو شمالی مقدونیہ اور تھریس کے صوبوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ سے پہلے تمباکو ۲۴۳۰۰۰ ایکڑ زمین پر بویا جاتا تھا۔ اب زراعتی پیداوار کے لحاظ سے تمباکو چوتھے درجے پر ہے۔ اناج، زیتون اور شراب صرف اس سے زیادہ مقدار میں پیدا کی جاتی ہیں۔ اس وقت تمباکو کل پیداوار کا تیرہ فیصد کے قریب ہے۔ اگر موسم گرما کے آخری حصّے میں یہاں دیہی علاقے میں جائیں جہاں تمباکو پیدا کیا جاتا ہے تو مکانوں کے چھجوں اور شہتیروں سے ہر جگہ تمباکو کے پتے خشک کرنے کے لئے لٹکتے نظر آئیں گے۔ موسم سرما کے شروع ہونے سے پہلے تمباکو بیل گاڑیوں میں لادکر بڑے بڑے گوداموں میں پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اسے مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے اور تخمیر کرنے کے بعد باہر بھیجنے کے لئے بڑے بڑے گٹھوں میں باندھ دیا جاتا ہے۔ یونان میں سگریٹ تیار کرنے کے کئی کارخانے ہیں جن میں جدید طریقوں سے سگریٹ بنتے ہیں۔ ان کارخانوں میں زیادہ تر عورتیں کام کرتی ہیں۔

یونان کے شہروں اور گاؤں کو دیکھنے کے لئے جائیں تو اُن کی ظاہر شکل ہی سے پتہ چل جائے گا کہ یہ پُرانی بستیاں ہیں۔ صدیاں گزرجانے کے بعد بھی یونانیوں

نے اپنے مکانوں کی طرزِ تعمیر کو نہیں بدلا ہے۔ سوائے اس کے کہ پہلے زمانے میں چولھا کمرے کے وسط میں ہوتا تھا اور اب یہ کمرے کے ایک طرف دیوار کے ساتھ بنایا جاتا ہے اور اس کے اوپر دھوئیں نکلنے کے لئے چمنی کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اس سے پہلے اس غرض کے لئے چھت میں ایک بیضوی شکل کا سوراخ ہوتا تھا۔ یونانی مکانوں کا سب سے اہم حصّہ اُن کا صحن ہے۔ صحن کا فرش عام طور پر پتھر کا ہوتا ہے۔ گھر کے سب لوگ اپنا زیادہ وقت اسی جگہ صرف کرتے ہیں خاص طور پر گرمی کے موسم میں یہ جگہ سارے گھر کا مرکز ہوتی ہے۔ گھر کے پالتو جانور بھی اسی کھلے آنگن میں ایک طرف باندھے جاتے ہیں۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے مکانوں میں ایک بڑا کمرہ ضرور ہوتا ہے جس میں آگ جلانے کی جگہ بھی ہوتی ہے۔ یہ کمرہ عام طور پر گھریلو زندگی کا مرکز ہوتا ہے اور اسے بطور کھانے کے کمرے کے، بیٹھنے کے کمرے کے اور سونے کے کمرے کے استعمال کیا جاتا ہے۔

بکری یونان کا قومی جانور سمجھی جاتی ہے۔ لیکن گائیں بھی بڑے شوق سے پالی جاتی ہیں۔ یہاں کی گائیں کافی بڑی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ انھیں دودھ یا گوشت کے لئے نہیں پالا جاتا بلکہ پہاڑی حصّوں میں ان کو ہل چلانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ اناج کو گاہنے کے لئے بھی مویشی استعمال ہوتے ہیں۔ گدھا اس ملک کا ایک اور مفید جانور ہے۔ چونکہ یہاں اچھی چراگاہوں اور پانی کی کمی ہے اس لئے یہاں مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ نظر نہیں آتے۔ لیکن بکریاں ہر جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ دوسری جنگ کے دوران میں جرمن قبضے سے پہلے یونان میں پچاس لاکھ سے زیادہ بکریاں تھیں۔

موسم گرما کے شروع میں جب کوئل اور بلبل کے نغمے سُنائی دیتے ہیں

تو دیہاتی اسے فصل کاٹنے کا اشارہ خیال کرتے ہیں۔ یہاں کٹائی کا موسم مئی کے وسط سے جولائی کے وسط تک رہتا ہے۔ اس وقت یہاں بڑی رونق رہتی ہے۔ دیہاتی لوگ تیز دھوپ میں گاتے ہوئے کام کرتے ہیں اور سنہری اناج کی بڑی بڑی پولیاں اور گٹھے بنائے جاتے ہیں۔ صرف عورتیں کھانا تیار کرنے کے لئے گھر میں رہ جاتی ہیں۔ اس موقعے پر عام طور پر پالک کے سموسے، سبزی اور کاڈ مچھلی پکائی جاتی ہے۔ گاؤں کے سب لوگ کھیتوں میں پہنچ جاتے ہیں حتیٰ کہ بوڑھوں اور اپاہجوں کو جو آسانی سے چل نہیں سکتے لاد کر لے جایا جاتا ہے اور زیتون یا صنوبر کے درخت کے نیچے فصل کاٹنے والوں کے قریب بٹھا دیا جاتا ہے۔ اُن کے پاس پانی کا ایک گھڑا رکھ دیا جاتا ہے اور کمبل بچھا کر انھیں اس پر لٹا دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس پر لیٹ کر اپنے قبیلے کے کام کرنے والوں کو دیکھ سکیں۔

مرد اور عورتیں ان دنوں میں طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک کام میں مصروف رہتی ہیں۔ مرد گھر کے بُنے ہوئے سوتی کپڑے اور چمڑے کی چپلیں جن کے تسمے اُن کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹے ہوتے ہیں پہنتے ہیں اور سیاہ رومال سر پر باندھ کر کام کرتے ہیں۔ عورتیں اکثر سادہ لباس پہنتی ہیں اور سر پر سُرخ رومال خود کی طرح باندھ لیتی ہیں۔ دھوپ کی تیز روشنی میں پولیوں کی قطاریں اور اُن کی تیز درانتیاں چمکتی رہتی ہیں۔ اُس وقت ابابیلیں آسمان پر چکر کھاتی ہیں اور جھینگر شور مچاتے ہیں۔

کٹائی کرنے والوں کے جلوس ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ مرد سفید کھلے پاجامے پہنے ٹٹوؤں پر سوار ادھر سے اُدھر بھاگتے رہتے ہیں۔ ٹٹوؤں پر کاٹھی کی جگہ رنگ دار کمبل پڑے ہوتے ہیں اور عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کو ہنگوڑوں میں ڈالے ہوئے گدھوں پر سوار گزرتی رہتی ہیں۔ عمر رسیدہ عورتیں بغیر لگام کے گدھوں پر بیٹھتی ہیں اور بُننے کے کام میں مصروف رہتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے ننگے پاؤں اُن کے ساتھ ساتھ

پتھریلی زمین پر بھاگتے ہیں جن کے پیچھے کتے بھونکتے ہوئے چلتے ہیں۔ پیچھے بکریوں کے ریوڑ ہوتے ہیں جن کے گلوں میں پڑی ہوئی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔ گائیں اور بیل ان سب کے پیچھے ہوتے ہیں اور یہ سارا جلوس چکر کھاتے ہوئے پیدل راستوں پر جاتا ہوا بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

موسم گرما کے وسط میں پہاڑوں کے دامن میں اور پیلو پونیس اور آیون کے جزیروں کے ساحلی علاقوں میں انگوروں کے سکھانے کا نظارہ بڑا عام ہے۔ ان انگوروں میں بیج نہیں ہوتے۔ تقریباً ۱۷۰،۰۰۰ ایکڑ زمین پر صرف انگور ہی کی کاشت ہوتی ہے۔ کشمش کا پودا جھاڑیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جب خوشہ پک جاتا ہے تو اُس کو کاٹ کر سکھانے کے لئے کینوس کی چادروں پر دھوپ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انگور کو آٹھ دس روز دھوپ میں سکھانے کے بعد بڑی احتیاط سے بوریوں میں بھر دیا جاتا ہے کشمش درحقیقت کورنتھ کے علاقے کی پیداوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو انگریزی میں کرنٹ کہتے ہیں۔ کورنتھ کی کشمش ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانے سے انگلستان میں درآمد کی جاتی ہے اور کیکوں، پلم پڈنگ اور میٹھے کلچوں میں استعمال ہوتی ہے۔

یونان میں ارغوانی اور ہلکے بھورے رنگ کے زیتون کے باغات بھی ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ زیتون کے بعض درخت تو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پُرانے ہیں۔ قدیم زمانے میں زیتون کے پھل کو جمع کرنا اور اس میں سے تیل نکال کر برآمد کرنا یہاں کی بڑی صنعت تھی۔ پُرانے زمانے کے لوگ زیتون کا تیل بہت استعمال کرتے تھے۔ ان کے کھلاڑی اکھاڑوں میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جسم پر زیتون کے تیل کی مالش کیا کرتے تھے۔ اِٹیکا کا علاقہ خاص طور پر زیتون کے لئے مشہور تھا۔ ہیٹیس کا شہد اور ایتھنز کا زیتون کا تیل نہایت خوبصورت مٹی کے برتنوں میں بھر کر بحیرۂ روم کے تمام علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔

زیتون آج بھی یونان کی بہت قیمتی پیداوار میں شمار ہوتا ہے ۔ پکے ہوئے پھلوں کو موسم خزاں کے آخر میں اُتارا جاتا ہے اور ایک خاص قسم کی دبانے والی مشین کے ذریعے اس میں سے تیل نکال کر اُسے صاف کیا جاتا ہے ۔ سب سے عمدہ زیتون کا تیل کریٹ ، کورفو اور پیٹلینن کے علاقوں میں نکلتا ہے ۔ اس کا زیادہ حصہ برآمد ہوتا ہے ۔ لیکن کافی مقدار میں ملک کے اندر بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ یونانیوں کے تقریباً تمام کھانے زیتون کے تیل سے تیار کئے جاتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مکھن، چربی اور دوسری چکنائیوں کی کمی ہے جو کھانے میں استعمال کی جاسکیں ۔ کھانے کے عمدہ قسم کے زیتون کے پھل، کالا ماٹا اور ڈیلفی کے قریب ایمپھیا میں پائے جاتے ہیں۔ ۳۳۸ ق م کی جنگ جو مقدونیہ کے بادشاہ فلپ اور فوشین کے درمیان ہوئی اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ فوشین نے ڈیلفی کے متبرک زیتون کو دنیادی کاموں کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا تھا ۔ اس کی وجہ سے وہ تمام ریاستیں جو کہ ڈیلفین لیگ میں شامل تھیں برانگیختہ ہوگئیں اور انھوں نے فلپ سے مطالبہ کیا کہ وہ فوشین لوگوں کو سزا دے ۔

یہاں کے لوگ مکانوں کی تعمیر میں صحت کے اصولوں کا خاص خیال نہیں رکھتے ۔ گھروں کو گرم رکھنے کا بھی کوئی انتظام نہیں اور نہ یہاں پانی کے نل ہیں ۔ دیہات کے لوگ عام طور پر بہت غریب اور پچھڑے ہوئے ہیں ۔ یونان میں کوئلہ اور معدنی تیل بھی نہیں ہوتا ۔ اگرچہ بعض حصّوں میں ایک قسم کا کوئلہ بڑی مقدار میں موجود ہے ۔لیکن اسے نکالنے کی ابھی تک کوئی خاص کوشش نہیں ہوئی ہے ۔ ملک کا صرف پانچواں حصہ بجلی استعمال کرتا ہے ، یہ مقدار یورپ کے سب ملکوں سے کم ہے ۔ یورپ میں جس قدر کوئلہ اور پٹرولیم استعمال ہوتا ہے وہ سب کا سب باہر سے منگوایا جاتا ہے ۔ لیکن جب یہاں کی صنعت و حرفت میں ترقی ہوگی تو طاقت کے لئے زیادہ بجلی کی ضرورت پڑے گی ۔

اس وقت ایک امریکی۔ یونانی منصوبے پر عمل کیا جارہا ہے۔ اس منصوبے کے مطابق حرارت، پانی اور روشنی کے لئے زیادہ بجلی پیدا کی جائے گی اور سیاحوں کی سہولت کے لئے نئی سڑکیں تعمیر ہوں گی۔ آبی بجلی کی طاقت میں اضافہ ہوجانے سے باہر سے کوئلہ اور پٹرولیم بھی پہلے سے کم درآمد ہوگا اور دریاؤں کی طغیانی پر قابو حاصل ہوجانے سے زراعتی علاقوں کی آبپاشی بھی ہوسکے گی۔ اس وقت وادیوں اور میدانی حصّوں میں خشک سالی سے بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ آبپاشی کی ان تجویزوں سے حالت بہتر ہوجائے گی۔

یونان کے بڑے شہر بہت زیادہ گنجان آباد ہیں اور اکثر مکانات ایک دوسرے کے پاس پاس بنے ہوئے ہیں۔ شہروں میں آبادی کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ ہزاروں لوگ دیہاتی علاقوں سے آکر شہروں میں آباد ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے عزبت بڑھ گئی ہے اور اچھی خوراک کا ملنا مشکل ہوگیا ہے۔

اس وقت یونان کے شہروں اور دوسرے حصّوں میں تعمیری کام زور شور سے جاری ہے۔ اس کی وجہ سے بعض شہروں میں پریشانی بڑھ رہی ہے۔ نئی تبدیلیوں سے اُن کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا ہے۔ ان شہروں میں اس وقت دنیا کے تمام حصّوں کے لوگ نظر آتے ہیں۔ امریکن تاجر اور سیّاح نہایت عمدہ لباس میں دکھائی دیتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی یہاں کے باشندے بہت سادہ لباس پہنے ہوئے اور گڈریے اور چرواہے بھدّا اونی لباس اور سر سے چپٹی ہوئی ٹوپیاں اور چپّل جن پر بڑے بڑے سفید اور سُرخ پھندنے لگے ہوتے ہیں، پہنے نظر آتے ہیں۔

یونان کے بازاروں اور منڈیوں میں بڑا شور اور چہل پہل ہوتی ہے۔ وہاں اکثر کھُلی دکانیں ہوتی ہیں جہاں فروخت کرنے والے اپنی چیزوں کو زمین پر بچھادیتے ہیں۔ ان تھڑوں پر ہر قسم کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ مٹی کے برتنوں اور ٹوکریوں سے

لے کر بزرگوں کی تصویریں اور پرندے اور کھوے سبھی فروخت ہوتے ہیں - خوراک کی چیزیں کپڑے پر پھیلی ہوتی ہیں - یونان کے اکثر تاجر کبسان ہیں - یہاں ہر شخص اپنی ذاتی صنعت و حرفت میں مصروف ہے اور ان کی منڈیاں چھوٹی چھوٹی دکانوں اور جھونپڑیوں کا مجموعہ ہوتی ہیں جہاں وہ اپنی بنائی ہوئی چیزیں، خود فروخت کرتے ہیں - پھولدار اور رنگین جیکٹ اور لہراتے ہوئے پیٹی کوٹ پہنے ہوئے دیہاتی عورتیں شہر کی فیشن ایبل خواتین کے ہاتھ اپنی چیزیں فروخت کرتی ہیں - لڑکے ننگے پاؤں، پھٹے ہوئے لیکن رنگین کپڑے پہنے اِدھر اُدھر تیزی سے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں - چھابڑی والے زور زور سے پکار کر اپنی چیزیں فروخت کرتے ہیں - ایسی جگہ میں سبزی، چمڑے، لہسن اور پھلوں کی سخت بُو آتی ہے اور سودا کرنے والوں کی باتوں سے کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی - یونان کے لوگ سودا خریدتے اور بیچتے وقت بڑی بحث کرتے ہیں -

شمالی یونان کے مکانات اونچے اور مضبوط ہوتے ہیں کیونکہ یہاں موسم سرما کافی لمبا ہوتا ہے اور سردی خوب پڑتی ہے اور بارش بھی بہت ہوتی ہے - یہ مکان اس طریقے سے بنائے جاتے ہیں کہ رہنے والوں کو موسم سرما میں سردی سے محفوظ رہ سکیں - اور گرمیوں میں دھوپ کی تپش سے - امیر لوگ عام طور پر سہ منزلہ مکانات بناتے ہیں - نچلی دو منزلیں پتھر سے تعمیر کی جاتی ہیں اور تیسری منزل عموماً لکڑی کی ہوتی ہے - نچلی منزلیں اکثر اس خیال سے مضبوط پتھر کی بنائی جاتی ہیں کہ حملے کے وقت دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے - ان کی بناوٹ قلعے جیسی ہوتی ہے - مکانوں میں کھڑکیاں بہت سی ہوتی ہیں جو وقتِ ضرورت لکڑی کے تختوں سے بند کی جا سکتی ہیں - بڑے بڑے بالاخانے اور شہ نشین بھی ہوتے ہیں جن پر تختہ بندی کی ہوئی ہوتی ہے اور اس قسم کے مکان بڑے عجیب اور خوبصورت معلوم ہوتے ہیں -

موسم سرما میں زیادہ تر درمیانی منزل میں رہائش ہوتی ہے - ایک سہ درا بڑے کمرے کے سامنے ہوتا ہے اور اسے دریاں اور کمبل بچھا کر سونے کے لئے استعمال کیا جاتا

ہے۔ سب سے نیچے کی منزل بطور گودام کے استعمال ہوتی ہے۔ وہاں دیوار کے ساتھ ساتھ شراب کے پیپوں کی قطاریں رکھی جاتی ہیں اور سامان کے لئے بڑے بڑے بکس ہوتے ہیں۔ اکثر مکانوں میں پرانی قسم کا ایک تہ خانہ بھی موجود ہوتا ہے جہاں کافی ٹھنڈک رہتی ہے اور گوشت اور خوراک کی دوسری خراب ہوجانے والی چیزیں وہاں رکھی جاتی ہیں۔ اگر جانوروں کے لئے الگ اصطبل موجود نہ ہو تو موسم سرما میں جانوروں اور مویشیوں کو بھی اسی نچلی منزل میں رکھا جاتا ہے۔

گرمیوں میں رہائش سب سے اوپر کی منزل میں ہوتی ہے۔ چھوٹے کمروں سے ملا ہوا ایک بند برآمدہ ہوتا ہے جسے بطور مہمانوں کے کمرے کے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی منزل میں کھانے کا کمرہ بھی ہوتا ہے۔ اس کمرے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ فرش کا کچھ حصہ اونچا بنا ہوتا ہے اس پر کوچ بچھے ہوتے ہیں۔ مہمان اور باہر سے آنے والے ان پر بیٹھ کر آرام کرتے ، کھانا کھاتے ، شراب پیتے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ کمرہ بہت آراستہ اور آرام دہ ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ گھر کے دوسرے کمروں سے بڑا ہوتا ہے اور اس میں مٹی کے مرتبان ، پلیٹیں اور تانبے کے برتن رکھے جاتے ہیں۔ ان پر کھدائی کا کام کیا ہوتا ہے۔ یونان میں آج کل بھی مٹی کے برتن پُرانے زمانے کے برتنوں کی شکل ہی کے بنتے ہیں اور اُن پر خوبصورت تصویریں اور نقش و نگار کئے جاتے ہیں۔ دیواریں اور چھت جو لکڑی کی ہوتی ہیں اُن پر بھی عمدہ کھدائی کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔

یونان کے مکانوں کے بیرونی حصے مختلف قسم کی طرزِ تعمیر کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے چھجے آگے نکلے ہوتے ہیں۔ چبوترے اور برآمدے ہوتے ہیں اور ان پر پھلدار درختوں ، خوبصورت برتنوں اور مرتبانوں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔

غریب دیہاتیوں کے مکانوں میں صرف ایک ہی کمرہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک طرف آتش دان بھی بنا ہوتا ہے۔ اس کمرے کو لکڑی کی بڑی بڑی کوٹھالیوں سے کئی حصوں میں تقسیم

کر دیا جاتا ہے - کمرے کا نصف حصہ مویشیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - کوٹھالیوں میں اناج اور دوسری فصلیں رکھی جاتی ہیں - سامنے کا صحن موسم گرما میں رہائش کے لئے استعمال ہوتا ہے - اس پر پھلدار درختوں اور انگور کی بیلوں کا سایہ ہوتا ہے - گھر کے ارد گرد باغ کے چھوٹے چھوٹے قطعے اور کٹی ہوئی لکڑیوں کے انبار لگے ہوتے ہیں - اسی صحن میں موسم گرما اور خزاں کی خنک راتوں میں ہمسائے اور چھوٹے چھوٹے بچے تاروں بھرے آسمان کے نیچے اپنی دادی اماں یا بڑے بوڑھوں سے پُرانی داستانیں سننے کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں -

دیہاتی علاقوں میں قصبوں کے قریب چھوٹے چھوٹے باغات ہوتے ہیں - بازار صرف بڑے شہروں میں ہی ہوتے ہیں - ہر ایک دیہاتی کنبہ اپنے لئے سبزیاں اور پھل خود پیدا کرتا ہے - ان کے متعلق کوئی قاعدہ یا اصول نہیں ہے - اکثر باغات بغیر کسی باڑھ کے ہوتے ہیں - سبزیوں کے کھیت عورتوں کی نگرانی میں اور پھلوں کے باغات مردوں کی نگرانی میں ہوتے ہیں - پھلدار درخت دریا کے کنارے کے قریب بڑی احتیاط سے اُگائے جاتے ہیں اور انھیں بڑی احتیاط سے تراشا جاتا ہے اور اُن پر دوائیاں چھڑکی جاتی ہیں -

یونان کے عام لوگوں کی ضروریات بہت مختصر ہیں اور زندگی بہت سادہ - یہ لوگ بڑے کفایت شعار ہوتے ہیں اور اپنے آپ پر بھروسہ کرتے ہیں - ان کی خوراک بھی بڑی سادہ ہوتی ہے - گندم کے آٹے سے گھروں میں روٹیاں تیار کی جاتی ہیں جسے یہ دن میں تین بار کھاتے ہیں - روٹی، شراب، زیتون اور بکری کے دودھ کا پنیر یہاں کے عام لوگوں کی روز مرہ کی خوراک ہے - یہ لوگ بعض جنگلی پودوں مثلاً بیخ کاسنی، کیکردنداں اور بہت سے اور سبز پودوں کو جنھیں دوسرے ملکوں میں بالکل بے کار سمجھا جاتا ہے، سلاد بنانے میں استعمال کرتے ہیں اور پکا کر بھی کھاتے ہیں - یونان میں گوشت کی ہمیشہ کمی رہی ہے گوشت کے نایاب ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگ صرف سبزیوں پر گزارہ کرنے کے عادی

ہوگئے ہیں۔ مچھلی کے علاوہ یہاں بکری اور بھیڑ کا گوشت مل سکتا ہے۔

یونان میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک عام لوگوں کے رہن سہن، کام کاج اور کھیل کود کے طریقوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ یہاں کے شہروں میں بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ عام لوگ دیہاتی زندگی سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسان شہروں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور شہریوں سے میل جول رکھتے ہیں۔ اس یگانگت کے باعث اور ملک کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے بھی یہاں کے لوگوں کا نقطۂ نظر آفاقی ہوگیا ہے، وہ ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہیں۔ یونان کا غریب سے غریب چرواہا اور کاشتکار بھی تنگ خیال نہیں ہوتا۔ یونان اس وقت بھی دنیا کے بڑے راستوں پر واقع ہے اور مختلف قوموں کے لوگوں کی گزرگاہ ہے۔ ۱۹۲۲ء میں وہاں تقریباً پندرہ لاکھ تارکانِ وطن اناطولیہ سے پہنچے اور اس کے بعد پچھلی نصف صدی میں آہستہ آہستہ بہت سے یونانی نسل کے امریکن باشندے بھی یہاں پہنچتے رہے ہیں۔ اِس سے پہلے اس ملک میں بسنے کے لئے کبھی اتنے لوگ نہیں آئے۔

چوتھا باب

اولمپس کی میراث

یونان کی کہانی دنیا کے دوسرے تمام ملکوں سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ ایک غیر معمولی حقیقت ہے۔ ہر ملک میں کوئی، نہ کوئی، دَور تو ایسا ضرور گزرا ہے جب یونان کی طرح وہاں بھی بہت ترقی ہوئی ہو۔ ہر ملک میں کسی نہ کسی وقت میں بڑے بڑے شاعر، فلاسفر، سائنس دان اور فن کار بھی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن یونان کے سوا کسی اور ملک سے دنیا کو اس قدر روایات حاصل نہ ہوسکیں جو انسانی زندگی اور اس کی کشمکش اور انسان کی ترقی پسند تمناؤں کو اس طرح ظاہر کرتی ہوں۔ زمانہ قبل از تاریخ کی یہ روایات دانائی اور شعریت سے اس قدر پُر ہیں کہ ان کی بدولت مغربی دنیا کو صدیوں تک جمالیاتی قدروں اور اخلاقِ حسنہ کی بے انتہا باتیں حاصل ہوتی رہیں۔ یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں کہ سب سے پہلے یونان کے لوگوں ہی نے بلند خیالات اور اونچے نصب العین بنائے اور اُن پر اعتقاد رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے ان بلند خیالات کے اظہار کے لئے ایسی عظیم خیالی تصویریں اور نہ بھولنے والی داستانیں تراشیں جن سے انھیں ایک ایسی میراث حاصل ہوئی جو دنیا کی بہت سی دوسری قوموں کے خیالات کو بلند کرنے اور اُن کی زندگی کو بہتر بنانے میں کام آتی رہیں۔ یونان کا ذکر آتے ہی فوراً زیوس دیوتا کا خیال ذہن میں اُبھرنے لگتا ہے جو قدیم یونانیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور ہر بات کی قدرت رکھتا تھا۔ اسی طرح ہرکیلز انسانی طاقت اور حوصلے کا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور ایفروڈائٹ حُسن کا مجسمہ خیال کی جاتی تھی۔ ان میں سے سب

سے زیادہ عجیب الجھنا ہے جو عقلی سچائی کی ایسی پُرسکون دیوی تھی جس پر ذاتی جذبات غم اور خواہشات بالکل اثر انداز نہ ہوتے تھے۔

یونان کو سمجھنے کے لئے ہمیں صرف یہی نہیں جاننا چاہیے کہ یونانی کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی تاریخ میں کیا کچھ لکھا ہے، بلکہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت بھی ہے کہ زندگی کے متعلق اُن کا نظریہ کیا ہے اور اُن کی اُفتادِ طبیعت اور خیالات کیسے ہیں۔ اُن کی پُرانی روایات ایسکلس، سوفکلیز اور یوری پیڈیز کے مشہور ڈراموں اور دیوتاؤں کے حیرت انگیز مجسموں سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یونانی لوگ اپنے متعلق اور اپنی اِردگرد کی دُنیا کے متعلق کیا اور کس طرح سوچتے تھے۔ شہر ایتھنز کے اُس عظیم اور قدیم دور کو گزرے صدیاں ہوچکی ہیں اور بیرونی حملہ آوروں کی یورش اور آباد ہونے سے خالص یونانی نسل میں بڑی تبدیلیاں آچکی ہیں لیکن یونانیوں کے خیالات اور نصب العین زیادہ تبدیل نہیں ہوئے ہیں اور نہ اُن کی طرزِ زندگی میں زیادہ فرق ہے جن کی وجہ سے یہ خیالات پیدا ہوئے تھے۔

یونان کے قدیم لوگوں کو انسانی فطرت کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا اور وہ انسانی دل و دماغ کی گہرائیوں اور اس کے غم اور خوشیوں کو دوسری ہر چیز کے مطالعے پر ترجیح دیتے تھے۔ اُن کے دیوتا بھی انسانی شکل و صورت رکھتے تھے، صرف وہ طاقت اور خوبصورتی میں عام انسانوں سے زیادہ تھے۔ اُن کے عقیدے کے مطابق یونان کے صاف اور نیلے سمندر والی سرزمین اور سرسبز پہاڑیاں دیوتاؤں کا مسکن تھیں۔ پہاڑوں، میدانوں دریاؤں، اور جنگلوں کے دیوتا الگ الگ تھے۔ شراب کی دیویاں، اور جل پریاں بھی انھیں میں شامل تھیں۔ یونانی ہوا، طوفان، دن اور رات، ہر چیز کو ایک زندہ اور مجسم حقیقت سمجھتے تھے اور اُن کی تعظیم کرتے تھے۔ بحیرۂ روم کے پانی میں اُن کے سمندر کے دیوتا پوسیڈن کے محلات چھپے ہوئے تھے۔ کوہ ہیلیکن فنونِ لطیفہ کی دیویوں (میوز) کا مسکن تھا۔

اور کوہ پارنیسس سورج کے عظیم دیوتا فیبس اپولو کی وجہ سے متبرک خیال کیا جاتا تھا۔
یونان کا سب سے اونچا پہاڑ اولمپس زیادہ بلند مرتبہ دیوتاؤں کا مسکن تھا۔

کائنات کے متعلق اُن کا یہ شاعرانہ تصور اُن کے تخیل کا نتیجہ تھا۔ وہ قدرت اور مظاہرِ قدرت میں انسان کا جو حصہ ہے اُس کی پرستش کرتے تھے۔ اس لئے اگرچہ وہ قدرتی مظاہر کو دیوتاؤں کی شکل میں دیکھتے تھے لیکن اُن کے تصور میں وہ دیوتا انسانوں ہی کی طرح جسم اور شکل و صورت رکھتے تھے اور اُن کی ضروریات اور خواہشات بھی انسانوں سے مختلف نہ تھیں۔ اُن کے دیوتا انسانوں کی طرح خوشی اور غم محسوس کرتے تھے، انھیں بھی کئی طرح کی مشکلات پیش آتی تھیں جنھیں وہ حل کرنے کی کوشش کرتے تھے، انھیں بھی بہت سے کام سرانجام دینے پڑتے تھے، وہ بھی پیدا ہوتے تھے اور شادیاں کرتے تھے، لیکن وہ انسان کی طرح فانی نہ تھے۔ اُنھیں موت نہیں آتی تھی۔ وہ انسان سے بلند ہستیاں تھے۔ طاقت، حُسن اور ہُنر میں وہ انسان سے بہت افضل تھے۔ یونانیوں کے خیال میں اُن کے دیوتاؤں میں وہ روحانی اور جسمانی خوبیاں پائی جاتی تھیں جو ہر لحاظ سے مکمل تھیں اور ہر انسان کا فرض تھا کہ وہ بھی اُن جیسا بننے کی کوشش کرے۔

یونانی دیوتا تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ قدرت کے بے شمار اور بے ترتیب مظاہر کو اپنے طور پر کسی قاعدے اور اصول کے اندر لانا چاہتے تھے اور ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتے تھے کہ قدرت کی ان طاقتوں کا ایک دوسرے سے تعلق ثابت ہوسکے۔ ساتھ ہی انسان پر ان کی اہمیت بھی واضح ہوجائے۔

وہ جب بادلوں سے ڈھکی ہوئی اولمپس پہاڑ کی پُر اسرار چوٹی کو دیکھتے تو وہاں آسمان کی چھت کے نیچے دیوتاؤں کا ایک روشن شہر تصور کرتے۔ وہ اولمپس

کو ساری دنیا کا مرکز سمجھتے تھے۔ "وقت" اور "موسم" کے دیوتا اس آسمانی شہر کے بادلوں کے دروازوں کی حفاظت کرتے تھے۔ جب دیوتا اپنے شہر سے زمین کی طرف آتے اور پھر واپس جاتے تو شہر پناہ کے یہ محافظ اُن کے لئے پھاٹک کھولتے اور بند کرتے تھے۔ عقیدے کے مطابق اس پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر ایک ایوان تھا جہاں زیوس دیوتاؤں کی مجلس منعقد کرتا تھا۔ دیوتا اس جگہ عیش مناتے اور آسمان اور زمین کے معاملات کے متعلق باتیں ہوتیں اور ایسے موقعوں پر فنونِ لطیفہ کی دیویاں گاتیں اور اپولو بین بجاتا۔ اس وقت جوانی کی دیوی ہیبؔ دیوتاؤں کے واسطے آبِ حیات اُنڈیلتی۔ ان دعوتوں میں دیوتاؤں کے لئے آسمانی غذائیں پیش کی جاتیں اور زمین پر رہنے والے لوگ ان کے لئے جو قربانیاں دیتے اُن کی معطّر خوشبوئیں اُن تک پہنچتیں۔

زیوس اور اس کی بیوی ہیرا سنہری تخت پر بیٹھتے اور ان کے اِرد گرد دوسرے دس ممتاز دیوتا حاضر رہتے۔ سمندر کا حکمراں دیوتا پوسیڈن، موسیقی، شاعری اور فصاحت کا سرپرست سورج دیوتا پھیبس، لڑائی کا دیوتا ایرس، آگ اور فنونِ لطیفہ کا دیوتا ہیفسٹاس، پیغام رسانی اور تجارت کا سرپرست ہرمیز، تہذیب و تمدّن اور علم و فن کی دیوی ایتھنا، پھیبس اوپولو کی جڑواں بہن چاند کی دیوی آرٹمس، حُسن اور محبت کی دیوی ایفروڈائٹ، گھریلو زندگی کی دیوی ہیسٹیا اور زرعی پیداوار کی دیوی ڈیمیٹر۔ بارہ بڑے دیوتاؤں اور دیویوں کے علاوہ آسمان، زمین، سمندر اور پاتال کے بہت سے کمتر دیوتا اور دیویاں بھی تھیں۔ ان میں ایفروڈائٹ کا بیٹا ایروس اگرچہ کمسن تھا لیکن محبت کے اِس طاقتور دیوتا کے پاس تیر اور کمان تھی، میوزز[1] یا

---

[1] یونانی دیومالا کے مطابق میوزز نو بہنیں تھیں جو زیوس اور نیموس کی بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک مختلف فنونِ لطیفہ میں سے کسی ایک کی دیوی تصور کی جاتی تھی۔

فنونِ لطیفہ کی دیویاں ، گریسیز[1] جو روشنی ، خوشی اور زرخیزی کی دیویاں تھیں فیوریز[2]۔ ہرمیز کا بیٹا پین جو جنگل ، گلّوں اور گڈریوں کا دیوتا تھا۔ لالچ کا دیوتا سیٹرس ، سمندر کی پریاں سائرنز[3] اور بہت سی اور روحیں ، جل پریاں اور کوہستانی پریاں شامل تھیں ۔

لوہار دیوتا ہیفسٹاس دیوتاؤں میں سب سے زیادہ مصروف رہتا تھا۔ اگرچہ وہ سُست اور لنگڑا تھا لیکن بڑی محنت سے کام کرتا تھا۔ وہ دیوتاؤں کے محلات تعمیر کرتا تھا اور اُن کے نیزے اور ڈھالیں بناتا تھا۔ زیوس کا عصا اور اس کی بجلی کی گرج بھی وہی تیار کرتا تھا۔ اپولو اور آرٹمیس[4] کے تیر ، ہرکلیز[5] کا چار آئینہ اور

---

[1] گریسیز تعداد میں تین تھیں اور روشنی ، خوشی اور زرخیزی کی دیویاں مانی جاتی تھیں ۔

[2] یہ دو دیویاں زمین اور رات کی بیٹیاں تھیں ۔ ان کو بطور نوجوان لڑکیوں کے ظاہر کیا جاتا تھا جن کے پَر ہوتے تھے اور ان کے بالوں میں بل کھاتے ہوئے سانپ لہراتے تھے ۔ وہ بے وفائی ، نافرمانبرداری اور قتل وغیرہ کے جرائم کی سزا دیا کرتی تھیں ۔

[3] یہ پریاں سمندر میں چٹانوں پر بیٹھی قریب سے گزرنے والے جہازوں کے ملاحوں کو اپنے دل فریب گانوں سے مسحور کرتی تھیں ۔ کہا جاتا ہے کہ جب اوڈیسس ان کے پاس سے گزرا تو اُس نے اپنے ملّاحوں کے کان موم سے بند کردیے تھے تاکہ وہ اُن کے گانے نہ سُن سکیں ۔

[4] اس کا دوسرا نام ڈائنا ہے ۔ یہ اپولو کی جڑواں بہن تھی ۔ یہ چاند اور شکار کی دیوی ہے ۔

[5] یہ ہرکلیز کا یونانی نام ہے ۔ یونانی دیومالا کے مطابق قدیم زمانے کا سب سے طاقتور بہادر ۔ وہ بارہ کارناموں کے لئے مشہور ہے ۔

ایروس[1] کے تیر بھی وہی بناتا تھا۔

اتھینا[2] کی پیدائش بھی اُسی کی کوشش سے عمل میں آئی۔ اُس نے ایک کلہاڑے سے زیوس دیوتا کے سر کو پھاڑا اور دیوی اتھینا زرہ بکتر پہنے ہوئے اور اپنا نیزہ لہراتے ہوئے اُس میں سے نکلی۔

زمین کے دیوتاؤں میں ڈائیونیسس سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ یہ انگوروں ڈراموں، حیوانات، نباتات اور تہذیب و تمدن کا دیوتا تھا اور بڑا عقلمند اور قانون ساز تھا۔ ڈائیونیسس کے سر پر انگور کے پتوں کا تاج ہوتا تھا اور وہ چیتے کی سواری کرتا تھا۔ کھیتوں اور جنگلوں کے تمام دیوتا اُس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

ہیڈز یا پاتال کے تین انصاف پرور دانا اور جج زیوس کے بیٹے تھے۔ ان میں سے کریٹ کا بادشاہ مینوس اور اُس کا بھائی رہاڈامانتھس اور تیسرا اجینیا کا منصف مزاج بادشاہ ایکوس تھا۔

دیوتاؤں کی تین نسلیں تھیں۔ پہلی یورانوس یا آسمان اور گیایا کائنات کی تھی جب نظامِ شمسی کی تخلیق ہوئی۔ دوسرا کرونوس یا وقت اور رسایا یا دھرتی ماتا کا عہد تھا۔ جب اولمپس کے دیوتا پیدا ہوئے۔ اور تیسرا زیوس اور ہیرا کا زمانہ تھا

---

[1] ایروس کیوپڈ کا یونانی نام ہے۔ محبت اور عشق کا دیوتا۔ یہ کم عمر نوجوان ایفروڈائٹ یا دینس کا بیٹا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں کمان اور سونے کے تیروں کا ترکش ہے جن کو یہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر جدھر چاہتا ہے چلاتا ہے۔

[2] ایتھینا۔ عقل اور فنون کی دیوی۔ اسے جنگ کی دیوی بھی مانا جاتا ہے۔ یہ یونان کے قدیم شہر ایتھنز کی محافظ دیوی بھی تھی۔ اس کا سب سے بڑا مندر پارتھینان بھی اسی شہر میں واقع تھا، جو سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا اور یونانی فن تعمیر کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ رومن اِس دیوی کو منروا کہتے ہیں۔

جو یونانی دیومالا کی بنیاد ہے۔ تیسری نسل کے تین بڑے دیوتا آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ زیوس، پوسیڈن اور ہیڈز تھے۔ ہیرا جو قدرت کی نسوانی طاقت کا مظہر تھی زیوس کی بیوی تھی۔ اُس کی وجہ سے دیوتاؤں کا انسان سے تعلق قائم تھا۔

قدیم یونانی دوزخ یا بہشت کے تصور سے ناواقف تھے۔ اُن کے لیے یہی زمین سب کچھ تھی۔ اولمپس اُن کی بہشت تھا اور پاتال اُن کا دوزخ تھا۔ اُن کے خیال میں زمین چپٹی اور گول تھی۔ وہ زمین کو ایک ایسی تھالی کی مانند سمجھتے تھے جس کا مرکزی نقطہ اُن کا اپنا ملک تھا۔ قریب یا دُور کے مختلف مقامات کے فاصلے ڈیلفی سے شمار کئے جاتے تھے۔ بحیرۂ روم ساری زمین کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا تھا اور روئے زمین کے ارد گرد ایک وسیع سمندر چکر کھاتا ہوا بہتا تھا جسے وہ ایک بڑا پُراسرار اور بے کراں دریا سمجھتے تھے۔ اُن کے سمندر یعنی بحیرۂ روم کو اور اُن کے دریاؤں کو پانی بھی اسی بحر بے کراں سے حاصل ہوتا تھا۔ جہاں تک یونانی لوگ تجارت اور نوآبادیاں قائم کرنے کے لئے پہنچ چکے تھے اس سے آگے اُن کے خیال میں، وہ سرزمین واقع تھی جہاں ایک آنکھ والے دیو اور اژدہے رہتے تھے اور عجیب و غریب بونے آباد تھے۔ اُن کے خیال میں شمال کی طرف خوش حال لوگوں کی ایک قوم آباد تھی جس کو وہ ہائپربورین کہتے تھے۔ جنوب میں حبشہ کے بے عیب لوگ بستے تھے جن سے دیوتا پیار رکھتے تھے اور وہاں جاتے تھے اور اُن کی دعوتوں میں حصّہ لیتے تھے۔ مغرب کی طرف الیزین کے میدان یا مقدس جزیرے تھے۔ اور وہ لوگ جو اچھی زندگی بسر کرتے تھے، ابدی آرام اور چین کے لئے وہاں بھیج دئے جاتے تھے۔

یورانوس دیوتا کو مسلسل اپنے بیٹوں کا خوف ستاتا رہتا تھا۔ اُس کے یہ بیٹے ایک آنکھ والے سائیکلوپس اور سَو ہاتھ والے جن تھے۔ آخر کار جب اُس نے اپنے بیٹوں کو واپس پاتال میں ڈھکیل دیا تو گیا نے سخت مایوسی کی حالت میں اُنھیں

چھڑانے کے لئے ٹائی ٹنز[1] کو پکارا - اپنی ماں کا حکم مانتے ہوئے کرونوس نے جو اُن میں سب سے چھوٹا مگر سب سے زیادہ چالاک اور طاقتور تھا یورانوس پر حملہ کردیا اور اپنی درانتی سے اُسے مغلوب کرکے اُس کی تمام طاقت کو چھین لیا - اس کے بعد کرونوس اور اُس کی بیوی رے ہا جو رشتے میں اُس کی بہن بھی تھی عرصہ دراز تک دُنیا پر حکمرانی کرتے رہے - لیکن چونکہ اُسے یہ بتایا گیا تھا کہ جس طرح اُس نے اپنے باپ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا تھا اُسی طرح اُس کا ایک بیٹا اُس کو بھی تخت سے محروم کردے گا ، اس وجہ سے وہ اپنے بچوں کو خود کھا جاتا تھا اور اس طرح جو کچھ پیدا کرتا تھا اُسے تباہ کردیتا تھا - وقت ہر اُس چیز کو جسے پیدا کرتا ہے تباہ کردیتا ہے - اس طرح ڈیمیٹر ، ہیسٹا ، ہیرا ، پوسیڈن اور ہیڈز پیدا ہوئے لیکن اُن کے باپ کرونوس نے اُن کو کھالیا - لیکن جب اُن کا چھٹا بیٹا زیوس پیدا ہوا تو رے ہا نے اُس بچے کی بجائے کرونوس کو بہت سے کپڑوں میں لپیٹ کر ایک پتھر دے دیا جسے وہ نگل گیا - زیوس حفاظت کے لئے کریٹ کے جزیرے میں ڈکٹین کے غار میں رکھا گیا جہاں اُسے ایڈراسیٹا اور ایڈا جل پریوں نے آمالتھیا بکری کا دودھ اور شہد کھلاکر پالا - وہاں کے پہاڑوں کا دیوتا کیورٹس اپنی ڈھال پر نیزہ مار مار کر ایسی آوازیں پیدا کرتا جس سے بچے کے رونے کی آواز باہر نہ جاسکتی تھی -

جب زیوس بڑا ہوگیا تو اُس نے اپنی دادی گیا کی مدد سے کرونوس کو مجبور کیا کہ وہ پانچوں بچوں کو اور اُس پتھر کو جو وہ نگل گیا ہے اُگل دے - یہ پتھر ڈیلفی کے دارالاستخارہ میں رکھ دیا گیا - اس کے بعد اُس نے کرونوس کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا - دیوتا اولمپس پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ نشین ہوگئے اور ٹائی ٹنز کوہ اوتھریس کے

---

[1] ٹائی ٹنز - یورینس اور گیا کے بیٹے اور بیٹیاں جنہوں نے زیوس کے خلاف لڑائی کی - لیکن اُن کو زمین کے نیچے ڈھکیل دیا گیا -

بالمقابل اوتھرس کی چوٹی پر جمع ہو گئے۔ یہ جنگ مسلسل دس سال تک جاری رہی۔ تھسلی کے اونچے نیچے پہاڑ اور بکھری ہوئی چٹانیں اور بڑے بڑے پتھر ابھی تک اُس خوفناک لڑائی کے گواہ ہیں۔ کبھی ایک فریق کا پلّہ بھاری ہوتا اور کبھی دوسرے فریق کا۔

پھر زیوس نے اپنی دادی کے مشورے سے پاتال کے قید خانے سے ایک آنکھ والے سائیکلوپس اور سَو ہاتھوں والے راکششوں کو رہا کردیا۔ اب زیوس نے بجلی کی گرج جو اُسے سائیکلوپس نے عطا کی اور راکششوں کی مدد سے کرونوس پر ایسا حملہ کیا کہ آخرکار اُسے فتح حاصل ہوگئی۔ وہ ٹائی ٹنز جنھوں نے اس لڑائی میں کرونوس کی مدد کی تھی زمین کے اس قدر نیچے جتنا کہ زمین آسمان سے ہے ٹارٹارس میں دفن کردیئے گئے۔

اب ان تین دیوتاؤں نے جو ایک دوسرے کے بھائی بھائی تھے، تمام کرۂ ارض کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ زیوس کو سب سے بڑا آسمانی دیوتا چُن لیا گیا اور وہ زمین اور آسمان کا حاکم بن گیا۔ زیوس کے ذرا سے اشارے پر اولمپس کے سب دیوتا کانپتے تھے۔ پوسیڈن سمندروں کا مالک بن گیا اور ہیڈز کو مُردوں کی دنیا کا حاکم بنادیا گیا۔ ٹیٹن لیپی ٹس کے بیٹے اٹلس کو جس نے زیوس کے مقابلے میں کرونوس کی طرفداری کی تھی یہ سزا دی گئی کہ وہ ہمیشہ کے لئے آسمانوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے رکھے لیکن اُس کے بھائیوں پرومیتھیس اور ایپی میتھیس کو جنھوں نے امن کی خاطر دیوتاؤں کی طرفداری کی تھی اور دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان امن قائم کرنے کی کوشش کی تھی، زیادہ رتبہ اور بڑی طاقت دی گئی۔ پرومیتھیس کو غیب اور مستقبل کا علم عطا ہوا اور انسانوں کو پیدا کرنے کی قدرت بھی دی گئی۔ ایپی میتھیس نے تمام جانوروں کو پیدا کیا اور اُنھیں اپنے آپ کو زندہ رکھنے اور اپنی حفاظت کرنے کے طریقے سکھائے۔ اُس نے بعض جانوروں کو پھُرتی حوصلہ، طاقت اور چالاکی کی قوتیں دیں۔

پرومیتھیس نے مٹی سے ایک زیادہ بہتر جانور بنالیا۔ اُس نے دیوتاؤں کے

نمونے پر انتھروپوس یا انسان بنایا اور اُسے پاؤں پر کھڑا ہونے کی طاقت دی تاکہ دوسرے جانوروں کے برعکس جو زمین کی طرف دیکھتے ہیں، وہ ستاروں کی طرف دیکھ سکے۔ انسان کو پیدا کرنے کے بعد پرومیتھیس نے اُس کی زیادہ سے زیادہ مدد کی اور اُسے آگ کا تحفہ عطا کیا۔ وہ آسمانوں پر چڑھ گیا اور اُس نے سورج کی حرارت سے ایک شمع جلائی اور اُسے نیچے لاکر انسان کو دے دیا۔ اس کی بدولت انسان دوسرے تمام جانوروں سے افضل ہوگیا۔ اُس نے اس آگ کی بدولت ایسے اوزار اور ہتھیار تیار کئے جن کی مدد سے زمین کے راز اور اُس کے چھپے ہوئے خزانے دریافت ہوئے اور تجارت سائنس اور مختلف فنون نے ترقی کی۔ آگ تہذیب کی نشانی اور تہذیب حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔

لیکن جب پرومیتھیس دیوتاؤں کے خلاف انسان کی طرفداری کرنے لگا تو زیوس دیوتا اُس پر ناراض ہوگیا۔ ہیساڈ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جسے چاندی کا زمانہ کہتے ہیں۔ دیوتاؤں کی قربان گاہیں کس مپرسی کی حالت میں پڑی تھیں اور جو کچھ دیوتاؤں کی خدمت میں حاضر کرنا ضروری تھا وہ پیش نہ کیا جاتا تھا۔ زیوس اس بات سے خفا تھا کہ فانی انسان کو آگ کا استعمال کیوں بتایا گیا۔ درحقیقت وہ تمام انسانوں کو تباہ کرکے اُن کی جگہ ایک نئی نسل پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اب سیسیان میں دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان ایک دوسرے کے حقوق کے متعلق جھگڑا پیدا ہوگیا۔ اس مجلس میں اس بات کا فیصلہ کرنا ضروری تھا کہ جانوروں کے جسم کے کون سے حصے قربانی کے طور پر دیوتاؤں کی خدمت میں پیش کئے جائیں اور اُن کے کون سے حصے انسان کو ملیں۔ پرومیتھیس نے بڑی چالاکی سے اس جھگڑے کا فیصلہ انسان کے حق میں کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک بیل کو کاٹا اور اُس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک ڈھیری میں بغیر چربی کا گوشت انتڑیوں سے ڈھانپ دیا اور دوسرے ڈھیر میں ہڈیوں کو چربی میں ایسے طریقے سے

لپیٹ دیا کہ وہ بہت عمدہ معلوم ہوں۔ اُس کے بعد اُس نے زیوس سے کہا کہ وہ اپنی پسند کا حصہ چن لے۔ اگرچہ زیوس اُس کی چالاکی سے واقف تھا لیکن اُس نے ہڈیوں اور چربی والا حصہ چُن لیا۔ وہ پرومیتھیس اور اُس کے پیدا کئے ہوئے انسان کو سزا دینا چاہتا تھا۔ آخرکار اُس نے انسان سے آگ چھین لی۔

اب کے پرومیتھیس نے زیوس کے چولھے سے ایک نلکی میں آگ چُرائی اور انسان کو لاکر دے دی۔ اس نافرمانی اور بلاوجہ انسان سے اس قدر ہمدردی رکھنے کے جُرم میں زیوس نے پرومیتھیس کو زنجیروں میں جکڑ کر کوہ قاف پر ایک چٹان سے باندھ دیا۔ اس جگہ ایک عقاب لگاتار اُس کے جگر کو کھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن نہیں کھا سکتا۔ یہ سزا جو پرومیتھیس کو مل رہی تھی صرف ایک بات سے ختم ہوسکتی تھی۔ پرومیتھیس کو ایک ایسا راز معلوم تھا جس کی مدد سے زیوس کی حکومت مضبوط ہوسکتی تھی۔ اگر وہ یہ راز زیوس کو بتادیتا تو یہ عذاب ختم ہوجاتا۔ لیکن یہ ٹائیٹن صدیوں تک اس اذیّت کو برداشت کرتا رہا مگر وہ راز نہ بتایا۔ آخرکار پرومیتھیس کو زیوس کے بیٹے ہیریکلز نے آزاد کرایا۔ چونکہ اُس میں دیوتا ہونے کے علاوہ انسانی صفات بھی موجود تھیں اِس لئے اُس نے انسانوں پر مہربانی کی اور دیوتاؤں کے درمیان مصالحت کرانے کا کام سرانجام دیا۔ ایک بار پھر پرومیتھیس کو اولمپس واپس لایا گیا اور اُسے پیشین گو کا عہدہ دے دیا گیا۔

آگ کی چوری کی وجہ سے زیوس دیوتا نے انسانوں کو بھی سزا دینا چاہی۔ یہ سزا ایک عورت کی شکل میں دی گئی جس کی تخلیق آسمانوں پر ہوئی تھی۔ اِس عورت کی تکمیل میں ہر ایک دیوتا نے کچھ نہ کچھ اپنی طرف سے پیش کیا۔ اگرچہ پرومیتھیس نے اپنے بھائی ایپی میتھیس کو خبردار کردیا تھا کہ وہ زیوس کی کوئی چیز قبول نہ کرے، لیکن ایپی میتھیس نے بے وقوفی سے دیوتاؤں کے اس تحفے یعنی اُس عورت کو قبول

کرلیا جو ہرمیز اُس کے لئے لایا تھا۔ اِس عورت کا نام پنڈورا تھا۔ بہت سے اور تحفوں کے علاوہ جو اُسے دئے گئے، تھے پنڈورا کو ایک صندوقچہ بھی دیا مگر ہدایت کردی کہ صندوقچے کو ہرگز کبھی نہ کھولا جائے۔ جستجو پسند پنڈورا ہر وقت یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ صندوقچے کے اندر کیا ہے۔ آخرکار ایک دن اُس سے صبر نہ ہوا لیکن جونہی اُس نے ڈھکنا اُٹھایا بے شمار چھوٹی چھوٹی پردار چیزیں اُس میں سے نکلیں اور اُڑکر اِدھر اُدھر پھیل گئیں۔ یہ مصیبتوں، گناہوں، بیماریوں، طاعون، حسد غصّہ اور انتقام کے کیڑے تھے۔ یہ کیڑے اس طرح دُور دُور تک پھیل گئے کہ زمین پر کوئی اُن سے نہیں بچ سکتا تھا۔ البتہ اُمید اس صندوقچے میں پھنس گئی اور کبھی باہر نہ نکل سکی۔

اب دنیا میں انسان آباد ہوگئے۔ پہلا دَور جسے سنہری زمانہ کہتے ہیں کرونس کے عہدِ حکومت میں شروع ہوا۔ یہ معصومیت اور مسرّت کا زمانہ تھا۔ فانی انسان بھی دیوتاؤں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور انھیں تکلیف یا محنت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اگرچہ کوئی ایسی بڑی طاقت موجود نہ تھی جو انھیں سزا دیتی یا قوانین پر چلنے کے لئے، مجبور کرتی لیکن سچّائی اور انصاف پُوری طرح جاری تھا۔ اُس وقت نیزے، تلواریں اور جنگ کے دوسرے ہتھیار بھی نہ تھے اور انسانوں کے دلوں میں صرف امن اور نیکی کی خواہش پرورش پاتی تھی۔ زمین اس قدر فیاض تھی کہ بغیر ہل چلائے اور بیج بوئے ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے تھے۔ لگاتار بہار کا موسم رہتا تھا اور اس دَور کے لوگ بڈھے اور کمزور نہ ہوتے تھے اور جب موت آتی تھی تو یہ ایک خاموش نیند کی طرح ہوتی اور وہ مرنے کے بعد بھی کسی کے دیکھے بغیر دوسرے انسانوں کی حفاظت کرتے اور انھیں نصیحت دیتے۔

اس کے بعد چاندی کا وہ زمانہ آیا جو پہلے کی بہ نسبت کم درجے کا تھا۔ زیوس نے موسم بہار کو چھوٹا کردیا اور سال کو موسموں میں تقسیم کر دیا۔ اب پودے صرف بیج بونے ہی سے پیدا ہوتے

تھے۔ اس زمانے کے لوگ بڑے بہادر لیکن گستاخ تھے اور انھیں نیکی سے زیادہ واسطہ نہ تھا۔ جب وہ مرجاتے تو زیوس انھیں پاتال کے بھوت پریت بنادیتا اور ان سے ہمیشہ کی زندگی چھین لیتا۔ اس کے بعد کانسی کا زمانہ آیا اور انسانوں کے درمیان لڑائیاں ہونے لگیں اور وہ مارپیٹ میں خوشی حاصل کرنے لگے۔ اس زمانے میں لوگوں کے دل، اُن کے ہتھیار اور اُن کے مکانات سب کانسی کے تھے اور لوگوں نے ایسی ایجادیں کیں جن کی وجہ سے اُن کے زمانے کے اچھے کام بھی خراب ہو گئے۔ سب سے آخر میں لوہے کا زمانہ آیا جس کے متعلق ہیسیاڈ کہتا ہے "لوہے کے زمانے میں انسان تھکاوٹ اور تکلیف کے باوجود دن رات کام میں مصروف رہیں گے۔ یہاں تک کہ نسل انسانی ختم ہوجائے گی"۔ اس زمانے میں کنبوں میں آپس میں محبت ختم ہوگئی۔ لوگ دوستی اور مہمان نوازی کو بھول گئے۔ عزت اور سچائی کی جگہ دھوکے اور سنگدلی نے لے لی۔ اب جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ ہوگیا۔ دیوتا ایک ایک کرکے زمین کو چھوڑ گئے اور اولمپس میں پناہ گزین ہوگئے۔ معصومیت اور پاکیزگی کی دیوی آسترا بھی آخرکار اُن کے پاس پہنچ گئی۔

آخرکار جب زیوس نے دیکھا کہ انسان اس قدر بُرے ہوگئے ہیں تو اُس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ ساری زمین کے لوگوں کو تباہ کردیا جائے اور ایک نئی نسل آباد کی جائے جو موجودہ لوگوں سے مختلف اور اس قابل ہو کہ زمین پر اچھی زندگی بسر کرسکے اور دیوتاؤں کی اطاعت کرے۔ اُس نے آسمان پر دیوتاؤں کی ایک مجلس بلائی۔ وہاں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ اگر دنیا والوں کو آگ سے تباہ کیا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بھڑکی ہوئی آگ اولمپس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔ چنانچہ دیوتاؤں کی مجلس نے زمین کو غرقاب کردینے کا فیصلہ کیا۔ مغربی ہواؤں کو جو بارش لایا کرتی ہیں حکم دیا گیا کہ آسمان میں جس قدر پانی کے بند ہیں سب کھول دئے جائیں۔ سمندر کے دیوتا پوسیڈن کو حکم دیا گیا کہ وہ سمندر

کے پانی کا رُخ زمین کی طرف کردے۔ شدت کی بارش ہونے لگی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس طوفان کے باعث یورپ ایشیا سے الگ ہوگیا۔

سیلاب عظیم میدانوں اور پہاڑوں پر پھیل گیا۔ بڑے بڑے شہر غرقاب ہوگئے اور جانوروں کے گلے، فصلیں، مندر اور قلعے سب پانی میں بہہ گئے۔ زمین ایک بحرِ بیکراں بن گئی اور انسانی نسل کا نشان تک مٹ گیا۔ صرف پرومیتھیس کا بیٹا ڈیوکالین اور ایپی میتھیس کی بیٹی پیرا زندہ باقی بچے۔ ان دو نیک اور اچھے انسانوں کو پرومیتھیس نے پہلے ہی آنے والے سیلاب کی بات بتادی تھی اور انھوں نے ایک بہت بڑا صندوق تیار کرلیا تھا۔ جب طوفان آیا تو انھوں نے اس صندوق میں پناہ لی اور تمام وہ چیزیں جو زندگی کے لئے ضروری تھیں وہ بھی صندوق میں رکھ لیں۔

اس طوفان میں فقط پارنیسس کی چوٹی پانی سے محفوظ رہی اور نو دن تک پانی پر تیرتے رہنے کے بعد یہ صندوق پارنیسس کی چوٹی پر پہنچ کر رُک گیا۔ زیوس نے اولمپس سے نیچے جھانک کر دیکھا کہ سوائے اس پارسا، نیک اور عبادت گزار جوڑے کے لڑکا اور سرزمین انسانی نسل کے تمام لوگ صفحۂ ہستی سے مٹ چکے تھے۔ تب اُس نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ سمٹ کر اپنے مقررہ ساحلوں تک چلا جائے۔ اور دریا اپنی گزرگاہوں میں پہنچ جائیں۔ ڈیوکالین اور پیرا اس صندوق میں سے باہر نکل آئے اور انھوں نے اس تباہ اور ویران زمین کو دیکھا۔ ہر طرف سناٹا اور خاموشی تھی۔ ایک مندر میں داخل ہوکر جو کیچڑ سے بھرا ہوا تھا وہ اس کی بجھی ہوئی قربان گاہ کے قریب پہنچے اور منہ کے بل زمین پر گرکر خدا سے دعا مانگنے لگے کہ ان کی رہنمائی کی جائے۔ اس وقت اس مندر کی غیبی آواز نے اُنھیں ہدایت کی کہ انھیں اپنے پیچھے اپنی ماں کی ہڈیاں پھینکنی چاہئیں۔ وہ یہ الفاظ سُن کر بڑے حیران ہوئے۔ پیرا نے کہا کہ ہم یہ حکم نہیں مان سکتے۔ ہم اپنے ماں باپ کی ہڈیوں کی اس طرح بے حرمتی

نہیں کریں گے۔ لیکن، ڈیوکالین نے یہ جانتے ہوئے کہ دیوتا کبھی اُنھیں اُن کے فانی ماں باپ کی قبروں کی بے عزتی کرنے کا حکم نہیں دے سکتے۔ اس حکم کا اصلی مطلب سمجھنے کی کوشش کی۔ آخر کار وہ اس حکم کا مطلب سمجھ گئے۔ کیونکہ زمین سب سے پہلی ماں، بھی ہے اور باپ بھی) اور زمین کے پتھر اُس کی ہڈیاں ہیں۔ تب انھوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور چہرے کے آگے پردے ڈال کر اپنے کپڑے اُتار ڈالے اور پہاڑ پر چڑھنے لگے اور پتھروں کو اُٹھا اُٹھا کر پیچھے پھینکنے لگے۔ وہ پتھر جو ڈیوکالین پھینکتا تھا مردوں، کی شکل اختیار کرتے جاتے تھے اور جو پیرا پھینکتی تھی وہ عورتیں بنتے جاتے تھے، اِس طرح زمین دوبارہ آباد ہوگئی۔

ڈیوکالین اور پیرا ایک نئی نسل کے ماں باپ تھے۔ یہ وہی نسل ہے جس سے ہم تعلق رکھتے ہیں۔ ہیلن اُن کا بیٹا تھا اور ہیلن کے تین بیٹے آیون، ایولوس اور ڈورس تھے۔ یہ تینوں، یونانی قوم کے تین بڑے قبیلوں کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ آیونین، ایولین، اور ڈورین۔ یہ تینوں قبیلے ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زبان ایک ہے، ان کا مذہب ایک ہے، ان کے رسم و رواج ایک ہیں، ان کا ہاتفِ غیبی ایک ہے اور ان کے کھیل ایک ہی ہیں۔ چنانچہ یونان کے لوگ آج بھی بڑے فخر سے اپنے ملک کو ہیلاز یعنی ہیلن کی سرزمین اور اپنے آپ کو ہیلانیز کہتے ہیں۔

پانچواں باب

یونان کی تاریخ کا آغاز

(سنہ ۳۵۰۰ ق۔م تا سنہ ۱۰۰۰ ق۔م)

اُنیسویں صدی کے آخری پچیس برس میں ڈاکٹر ہینرچ شلی مان نے سب سے پہلے ایشیائے کوچک کے ساحل پر ٹرائے کی اور یونان میں میسینا کی کھدائی کا کام شروع کیا۔ جو چیزیں اُس نے کھود کر نکالیں اُنھیں دیکھ کر ساری دنیا حیران رہ گئی۔ اُس نے ہومر کے زمانے کی وہ یادگاریں زمین سے برآمد کیں جن کا ذکر اس وقت تک صرف ادبی کتابوں میں پایا جاتا تھا۔ لوگ ان چیزوں کو قصّے کی فرضی باتوں سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے شلی مان کے بعد آکسفورڈ کے سر آرتھر ایونز نے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز دریافتیں کیں۔ کریٹ کے جزیرے پر موجودہ کانڈیا کے قریب اُس نے کنوسوس کے محل اور شہر کو کھود نکالا جس سے ایک اور زیادہ قدیم تہذیب کا سراغ مل گیا۔

کریٹ کے جزیرے میں جو تختیاں اور کتبے برآمد ہوئے اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اس جگہ ایک بڑی مضبوط مرکزی حکومت قائم تھی اور وہ باقاعدہ ہر قسم کے ریکارڈ رکھتی تھی۔ اُس زمانے کے لوگ اپنی اکثر چیزیں کانسی سے تیار کرتے تھے۔ شروع میں اس دھات سے فقط معمولی چیزیں بنتی تھیں۔ لیکن ۱۹۰۰ ق۔م اور ۱۶۰۰ ق۔م کے درمیان اس کا استعمال نہایت عمدہ چیزوں کے بنانے کے لئے ہونے لگا۔

کریٹ کے دوسرے حصّوں میں بھی کھدائی کا کام جاری رہا اور کئی چھوٹے چھوٹے

محل اور دیہاتی قلعے برآمد ہوئے چنانچہ جلدی ہی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کریٹ میں
کسی زمانے میں ایک مالدار تجارت پیشہ اور جہاز ران قوم آباد تھی۔ یہ لوگ تہذیب
و تمدن کے لحاظ سے بہت ترقی یافتہ تھے۔ انھوں نے فنِ تعمیر اور دوسرے فنون میں
بڑی مہارت حاصل کرلی تھی۔ سر آرتھر ایونز نے اس تہذیب کو مَینوآن کا نام دیا۔
کیونکہ اس کا تعلق اس ملک کے اساطیری بادشاہ مینوس سے تھا۔ ایونز نے اِس
تہذیب کو تین اَدوار میں تقسیم کیا ہے۔ ابتدائی مینوآن ۳۰۰۰ ق۔م تا ۲۲۰۰ ق۔م، وسطی
مینوآن ۲۲۰۰ ق۔م سے ۱۹۰۰ ق۔م تک اور آخری مینوآن ۱۴۰۰ ق۔م سے ۱۱۰۰ ق۔م تک۔
یونان کے لوگوں کا خیال ہے کہ مینوس نام کا کوئی بادشاہ ضرور گزرا ہے۔ بعض
کا تو یہ دعویٰ ہے کہ بادشاہوں کے ایک پورے خاندان کا یہی نام یا لقب تھا۔ مگر
ابھی تک ہم یہ بات پورے یقین سے نہیں کہہ سکتے البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ آج سے
چار ہزار برس پہلے کریٹ کے جزیرے میں زندگی حیرت انگیز حد تک عہدِ حاضر سے ملتی جُلتی
تھی۔ کریٹ ایک عظیم بحری طاقت تھا جس کے تجارتی تعلقات اور کاروباری منڈیاں سرزمین
یونان میں ٹرائے، ہیلس پونٹ، سائپرس اور ملک شام اور مصر میں قائم تھیں اور اس
کی نوآبادیاں اس سے بھی آگے اٹلی، افریقہ اور سپین میں موجود تھیں۔ یہاں کی بنی ہوئی
چیزیں بحیرۂ روم کے تمام ملکوں میں پائی جاتی تھیں۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے
کہ کریٹ میں تہذیب اور تمدن بڑی ترقی کرچکے تھے۔ اور وہاں ایک منظم ریاست قائم
تھی جہاں انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق حکومت کی جاتی تھی۔ اِس قدیم
زمانے میں کریٹ اس قدر طاقتور تھا کہ دور دراز کے شہر اُسے خراج ادا کیا کرتے
تھے۔ ان شہروں میں ایک ایتھنز بھی تھا جہاں سے ہر نو سال کے بعد سات نوجوان
لڑکے اور سات لڑکیاں خراج کے طور پر بھیجی جاتی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان
کو انسانی شکل کے بیل دیوتا مینوٹور کے سامنے قربان کردیا جاتا تھا۔ یہ دیوتا، بادشاہ

مینوس کے محل (واقع کنوسوس) کی بھول بھلیاں میں رکھا گیا تھا۔ یہ بھول بھلیاں کریٹ کے بہت بڑے کاریگر ڈیڈالس نے بنائی تھیں۔

بادشاہ مینوس، اُس کی بھول بھلیاں اور انسانی شکل والے بیل کی قدیم کہانی ہم تک صرف داستان کی شکل میں پہنچی ہے۔ عام خیال یہی تھا کہ یہ ایک جھوٹی کہانی ہے اور اس میں کوئی اصلیت نہیں ہے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ آثارِ قدیمہ کے ماہروں نے کریٹ کی زمین کو کھود کر اس بڑے محل کو دریافت کرلیا جس کے نقشے اور شاندار کھنڈروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محل کسی زمانے میں بہت عالی شان رہا ہوگا۔ اس محل کو پہاڑ کے دامن میں بنایا گیا تھا اور چھ ایکڑ زمین سے زیادہ رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ بعض جگہ اس کی عمارت چار پانچ منزل اونچی تھی۔ اس کے کئی کھلے صحن تھے اور خوبصورت ستونوں والے کئی ایوان اس میں موجود تھے اور آرام کا ہر قسم کا سامان اس میں مہیا کردیا گیا تھا۔ نہایت عمدہ قسم کی پانچ چوڑی اور آرام دہ سیڑھیاں اس کے اوپر کے درجوں تک پہنچتی تھیں۔ یہ سارا محل اس قدر بڑا اور پیچیدہ ہے کہ اسے دیکھ کر واقعی بھول بھلیاں کا گمان ہوتا ہے۔

اس محل کی دیواروں پر پلستر کی نہایت خوش رنگ تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ جن سے کریٹ کے لوگوں کی روزانہ زندگی کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اُن کے خوبصورت فیشن، چمکدار چیزیں، نہایت کاریگری سے بنا ہوا سامان اور روزمرہ کی بہت سی اور چیزیں بڑی خوبصورتی سے دکھائی گئی ہیں۔ یہ تصویریں اس قدر صاف اور تازہ ہیں کہ گویا مصوروں نے ابھی ابھی بناکر تیار کی ہیں۔

جب دیوار پر پلستر ابھی گیلا ہوتا تھا تو کریٹ کے کاریگر اور فن کار برش سے اُس پر تصویر کا خاکہ بنا لیتے تھے۔ وہ مختلف حرکات کو بڑے صاف رنگوں سے ظاہر کرتے تھے۔ وہ قدرتی چیزوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ یہ دیواری تصویریں اکثر

جانوروں، عجیب و غریب مچھلیوں، پرندوں اور سفید پھولوں کی ہیں۔ مردوں کی تصویریں عام طور سُرخ یا سیاہ رنگ سے بنائی جاتی تھیں اور عورتوں کی تصویریں سفید رنگ سے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کی کمر کو بہت پتلا بنایا جاتا تھا۔ نقاشی کی ان تصویروں سے ہمیں اُس زمانے کے لوگوں کے رہن سہن، اُن کے لباس اور اُن کی ظاہرہ شکل وصورت کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ مردوں کے بال لمبے اور سیاہ ہوتے تھے۔ اُن کے چہرے کی بناوٹ عام یونانیوں کی طرح اور اُن کے سر کی ہڈی اونچی ہوتی تھی۔ اُن کی شکل اس جزیرے کے آج کل کے باشندوں سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ بعض دوسری دیواری تصویروں میں ایک ایسا جانور رتھوں کو کھینچتے ہوئے دکھایا گیا ہے جس کا اوپر کا حصّہ عقاب کا اور نچلا حصّہ شیر کا ہوتا تھا۔ شکاری کتوں کو شکار کرتے ہوئے، بیلوں کو حملہ کرتے ہوئے، سرکس کے تماشے، گیند کے کھیل، تکہ بازی، کُشتی اور چھلانگیں لگاتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے۔ کچھ اور تصویروں میں کاغذ کے پھولوں میں سے نیلے رنگ کے مندر جھانکتے نظر آتے ہیں۔ تیتر اور چکور یا بندروں کو چراگاہوں میں زعفران جمع کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ شاید ان میں سب سے زیادہ خوبصورت تصویر کنوسوس کے محل کی ایک دیوار پر ایک پروہت بادشاہ کی ہے۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا ایک پیالہ ہے۔ وہ ایک قدآور سیاہ بالوں والا نوجوان ہے جس کی کلائی پر ایک کھُدی ہوئی مُہر ہے۔ وہ نہایت رعب و داب سے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے ایک لمبا سا برتن پکڑے ہوئے ہے جس قسم کا برتن کریٹ میں اب بھی ملتا ہے۔ اس برتن پر بہت عمدہ روغن کیا ہوا ہے۔

کریٹ کے قدیم باشندے بیل کو بڑا متبرک خیال کرتے تھے اور زندگی اور اُن کے مذہبی رسوم میں بیل کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ دیواری تصویروں، منقش جواہرات

اور کانسی کے برتنوں پر جو تصویریں ملتی ہیں اُن سے ہمیں کریٹ کے لوگوں کے سب سے پسندیدہ مشغلے کا علم ہوتا ہے۔ یہ مشغلہ بیل کو قابو میں کرنا تھا۔ اُن کے کئی اور کھیل بھی تھے مثلاً بیل کو پھاند جانا، کشتی لڑنا، مکہ بازی، گیند کے کھیل، ناچ اور ہتھیاروں سے مقابلے وغیرہ۔ لیکن ان کا سب سے پسندیدہ مشغلہ بیل کو قابو میں کرنا تھا۔

اب ذرا تصوّر کی آنکھوں سے قدیم زمانے کے کریٹ میں کھیلوں کے ایک دن کا نقشہ قائم کیجیے۔ کنوسوس کے محل کے بڑے صحن کو جھنڈیوں سے سجایا گیا ہے اور اس وقت یہاں پانچ چھ سو تماشائیوں کا ہجوم ہے جو محل کے برآمدے کو جانے والی سیڑھیوں کے گرد کھڑے ہیں۔ سیڑھیوں کے اوپر ذرا بلندی پر لمبے لہنگے پہنے ہوئے بہت سی عورتیں کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہیں۔ ان کے بال چھوٹے چھوٹے دائروں کی شکل میں بنے ہوئے ہیں اور بلندی پر بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے ایک شاہی کمرہ بنا ہوا ہے۔ بادشاہ اپنا ہاتھ بلند کرتا ہے اور کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ ابتدا میں گیند، مکہ بازی اور کشتی کے مقابلے ہوتے ہیں۔ لیکن بادشاہ سانڈ کو قابو کرنے کا مقابلہ سب سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کا بیٹا یا بیٹی اس مقابلے میں حصّہ لے رہی ہو۔ یہ نڈر بہادروں کا کھیل ہے۔ یہ سانڈ کی لڑائی سے مختلف ہے۔ کیونکہ سانڈ کی لڑائی میں تو مقابلہ کرنے والے کا مقصد جانور کو جان سے مارنا ہوتا ہے۔ لیکن کریٹ کے کھیل میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس کھیل میں اعلیٰ درجے کی کاریگری پھرتی اور بہادری سے کام لینا پڑتا ہے۔ اب ایک نوجوان سانڈ کو اُس کے سینگوں سے پکڑتا ہے اور ہاتھوں پر بوجھ ڈال کر جانور کے اُوپر سے کود کر اُس کے پیچھے جا پہنچتا ہے۔ بعض اوقات اگر اس کھیل میں حصّہ لینے والا نوجوان زیادہ بہادر ہوا تو وہ کود کر سانڈ کی کمر پر بھی جا بیٹھتا ہے۔ یہ کھیل صرف

لڑکوں کے لئے ہی نہیں ہے۔ بہادر لڑکیاں بھی اس خوفناک کھیل میں حصّہ لیتی ہیں۔ یکایک ایک حادثہ پیش آجاتا ہے۔ نوجوان کا ہاتھ چوک جاتا ہے اور وہ زمین پر یا سانڈ کے سینگوں میں گر جاتا ہے اور زخمی ہو جاتا ہے۔ جب وہ گرتا ہے تو اس کے جسم سے خون بہتا ہے لیکن ایک اور نوجوان فوراً کود کر اُس کی جگہ لینے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔

کھیلوں اور ناچ کے علاوہ بادشاہ بہت سی اور چیزوں میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ اُس کے محل کے ایک حصّے میں بہت سے ایسے گودام ہیں جہاں تیل، اناج اور شراب کے بڑے بڑے مٹکے رکھے ہوئے ہیں۔ وہیں کاریگروں کے کام کرنے کی جگہ اور اسلحہ خانہ بھی ہے۔ پاس ہی برتن بنانے والے بڑے بڑے خوش نما پھول دان اور مٹکے بنانے میں مصروف ہیں۔ شاہی گودام اس قسم کے مٹکوں سے بھرے ہوئے تھے جن میں سے بعض اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ایک انسان بہت آسانی سے اُن میں چھپ سکتا ہے۔

کریٹ کے باشندے شہری زندگی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اُس وقت وہاں نوسّے کے قریب بارونق شہر موجود تھے۔ کنوسوس اور اس کے قریب کی بندرگاہ کی آبادی ایک لاکھ تھی۔ آبادی کا زیادہ حصّہ شاہی محلّات کے گرد بنے ہوئے دومنزلہ اور سہ منزلہ مکانوں میں رہتا تھا۔ اِن شہروں میں طغیانی کو روکنے کے لئے بند بنائے جاتے تھے۔ نالیوں کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ سڑکوں پر پتھر کا فرش ہوتا تھا اور دریاؤں اور ندّی نالوں پر پُل ہوتے تھے۔ ان شہروں کی زندگی سادہ لیکن غم اور فکر سے آزاد ہوتی تھی۔ مردوں کا لباس بہت سادہ اور مختصر ہوتا تھا۔ وہ فقط کمر کے گرد ایک پٹکا سا ستر پوشی کی غرض سے باندھ لیتے تھے البتہ عورتیں اپنے لباس میں غیر معمولی طور پر موجودہ زمانے کی عورتوں کی مانند تھیں۔ مرد اور عورت دونوں زیورات

بہ کثرت استعمال کرتے تھے۔ بچوں کے کھیلنے کے لئے چھوٹی چھوٹی گاڑیاں اور دیگر کھلونے ہوتے تھے۔ لوگ اکثر اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ پُرانی قسم کی مشینوں کے ذریعے زیتون کا تیل نکالا جاتا تھا۔ کپڑوں کے بُننے اور رنگنے کا کام بھی ہوتا تھا اور سونے کے زیورات اور کانسی کے ہتھیار بنائے جاتے تھے۔ لوگ بحری بیڑے پر کام کرتے تھے یا شکار اور کاشتکاری میں مصروف رہتے تھے۔

مَنیوآن لوگ لکھنا پڑھنا اور تھوڑا بہت حساب بھی جانتے تھے۔ وہ پتھروں کے ٹکڑوں اور دوسری پائیدار چیزوں پر لکھا کرتے تھے۔ کریٹ نے گرد و نواح کے سمندروں کو بحری ڈاکوؤں سے پاک کردیا تھا اور بحیرۂ ایجین کے بہت سے حصّوں میں آبادیاں قائم کی تھیں۔ اِس ریاست میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین رائج تھے۔ شاید اُس زمانے میں یہ پہلی ایسی حکومت ہوگی۔ یہاں کے بادشاہوں کو اپنی طاقت، رعب اور دبدبے پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنے شہروں اور قصبوں کے اِرد گرد قلعہ بندی نہیں کرتے تھے۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ لوگ اُن کی طاقت اور اُن کے بحری بیڑے سے خوف کھاتے ہیں اور اُن کے گرد و نواح میں سمندر اُن کی حفاظت کرتا ہے۔

لیکن کریٹ کا ایک دشمن تھا۔ اِس خوفناک دشمن کا حملہ بالکل اچانک ہوا۔ کریٹ میں اکثر زلزلے آتے رہتے تھے۔ آج کل بھی یہی حالت ہے۔ ۱۴۰۰ ق.م کے قریب یہ جزیرہ یکایک بالکل تباہ ہو گیا۔ یہ ایک ایسی تباہی تھی کہ اس کے بعد یہ جزیرہ دوبارہ کبھی ترقی نہ کرسکا۔ تباہی کا اصل سبب ابھی تک کسی کو معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ لوگ دن کے وقت اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ یہ تباہی اُن پر نازل ہوئی۔ مذہبی رسومات نامکمل رہ گئیں۔ تیل کے بڑے بڑے مرتبان جہاں پڑے تھے وہیں پڑے رہ گئے۔ ہر طرف آگ لگ گئی اور وسیع

علاقوں میں پھیل گئی - یقینی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سب ہوا کیسے ؟ کیا یہ زلزلہ تھا یا کوئی بیرونی حملہ ؟ ابھی تک ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہو سکا ہے -

کریٹ اگرچہ تباہ ہوگیا لیکن اُس کی تہذیب کی چھاپ بحیرۂ ایجین کے تمام علاقوں اور جزیروں پر لگ چکی تھی - اُس کے دیوتا اولمپس پر تخت نشین ہو چکے تھے -

کریٹ کے تنزل کے بعد ایک نیا زمانہ شروع ہوگیا - تھسلی اور بوئیشیا کے لوگ چیاس اور لیسبوس اور اس کے قریب کے علاقوں میں آباد ہو چکے تھے - اِس خطہ کو ایولس کہتے تھے - بحیرہ آیون کے لوگ یعنی اتھینز کے باشندے وسطی یونان سے آکر سائیکلیڈز اور ایشیائے کوچک کے ساحل کے علاقوں میں آباد ہو چکے تھے - اسے آیونیا کہتے ہیں - یہ اٹیکا سے آیوبا تک پھیلا ہوا تھا اور جزیروں کے بعد وسطی ایشیائے کوچک کے ساحل تک پہنچ کر لیڈیا کی حکومت کی سرحد تک چلا گیا تھا - اس کا سب سے مشہور شہر ملیٹس تھا جو جلد ہی تہذیب و تمدن اور تجارت کا مرکز بن گیا - آیونیا کا علاقہ بڑا مالدار تھا - یہاں کی آب و ہوا تجارت کے لئے بڑی موزوں تھی - آیونیا میں مشرقی اور مغربی دنیا کے لوگ آکر ایک دوسرے سے ملتے تھے اور ان کے میل ملاپ سے یہاں ایک نئی تہذیب پیدا ہو چکی تھی -

اس زمانے کے لوگ ایسے شہروں میں رہا کرتے تھے جن کے ارد گرد دیواریں ہوتی تھیں - پہاڑی کے اوپر ایک قلعہ ہوا کرتا تھا جہاں شہر کا حاکم رہتا تھا - یونان کے اکثر شہروں اور قصبوں میں کچھ ایسی پہاڑیاں ہوتی تھیں جن کی قلعہ بندی کر دی جاتی تھی - اِس جگہ دیوتاؤں اور ہیرؤں کی پرستش کی جاتی تھی - آرگیو کے میدان کے دو سب سے پُرانے اور قلعہ بند شہر میسینا اور ٹرینز تھے - پیلوپونیس کے شمال مشرق میں سمندر کے کنارے چھوٹا ٹرینز کا شہر بہت قدیم تھا اور اس کی مضبوط دیواریں بعض

جگہ پچاس فٹ موٹی تھیں۔ جن کو پتھر کے بہت بڑے بڑے ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا یہی سائیکلوپین دیواریں ہیں جو یونان کی سب سے پُرانی یادگاریں سمجھی جاتی ہیں۔

۱۶۰۰ق۔م کے قریب ایک زبردست خاندان یہاں حکمران ہوگیا۔ ان کو مائیسینین یا گنبدی قبروں والا خاندان کہتے ہیں۔ یہ نام اُن کو اِس لئے دیا گیا کہ وہ شہد کی مکھیوں کی طرح پہاڑیوں کی چٹانوں میں گنبدی قبریں بناتے تھے اور اُس جگہ اپنے بادشاہوں کو دفن کیا کرتے تھے۔ مائیسینا کے بادشاہ شمالی قوموں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ وہاں سے اپنا مذہب لے کر یہاں پہنچے۔ اُن کی زبان بہتر قسم کی یونانی زبان تھی اور وہ بحیرۂ روم کے قدیم ہموار چھتوں والے مکانوں سے مختلف سلامی دار چھتوں والے مکان تیار کرتے تھے۔ اُن کی شاہی قبروں میں سے جو سونے کے مصنوعی چہرے برآمد ہوئے ہیں اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ داڑھی رکھا کرتے تھے اور بڑے بارعب اور متین لوگ تھے۔ اُن کی تہذیب کی سب سے عجیب چیز وہ قبریں ہیں جن کو اٹریس کا خزانہ کہتے ہیں اور شہر کی پہاڑی کا قلعہ اور وہ بڑا دروازہ جس پر شیر کی شکل کھود کر بنائی گئی ہے۔

میسینا کو زیادہ اہمیت اپنے خاص جائے وقوع کی وجہ سے حاصل تھی۔ یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان ایک بلند درّے کی گھاٹی میں واقع تھا۔ جس کی وجہ سے آرگیو کے میدان پر اُس کا پُورا اختیار تھا اور مغرب میں خلیج کورنتھ اور جنوب میں ارگوس اور ٹائیرنز کو جانے والے تجارتی راستے بھی اُس کے قبضے میں تھے۔ میسینا، ٹائیرنز، کلیونا، ارگوس اور بہت سے اور پہاڑی شہروں نے میسینا کے بادشاہوں کے ماتحت آپس میں مل کر ایک زبردست اتحاد قائم کرلیا تھا۔

بحیرۂ ایجین کے شمال مشرق میں ایک اور بڑا مشہور شہر تھا جسے ٹرائے کہتے تھے۔ یہ شہر ہیلسپونٹ کے مقام پر واقع تھا جہاں یورپ اور ایشیا آپس میں

ملتے ہیں۔ اس شہر کے چاروں طرف بڑی مضبوط دیوار بنی ہوئی تھی۔ ٹرائے کا شہر یونان کی شمالی چوکی کے لحاظ سے میسینا سے بھی زیادہ بہتر جگہ واقع تھا۔ کیونکہ ایشیا اور یورپ کے درمیان تجارتی راستے اسی جگہ سے گزرتے تھے۔ اور بحیرۂ ایجئین میں سے بحیرہ اسود کو جانے کے لئے بھی یہی ایک راستہ تھا۔ یہاں سمندر اور خشکی دونوں کی پیداوار آسانی سے حاصل کی جاسکتی تھی۔ بحیرہ روم کے لمبے بحری راستے پر سے گزرنے والے جہازوں سے جو ٹیکس لیا جاتا تھا اُس کی وجہ سے ٹرائے بحیرۂ ایجین کے علاقے کے تمام دوسرے شہروں سے زیادہ مالدار بن گیا تھا۔ اس کے گرد و نواح میں نہایت عمدہ اور مضبوط دیواریں تعمیر کی گئی تھیں اور اسے بہت سے مندروں اور میناروں سے سجایا گیا تھا جو سورج کی روشنی میں چمکتے تھے۔ ان کی وجہ سے ہی اس شہر کو ایک اور نام بھی دیا گیا جو ایلیون تھا جس کے معانی سورج کا شہر ہے۔ پریم ٹرائے کا بادشاہ تھا۔ ہیکٹر اور پیرس اُس کے بیٹے تھے۔ ٹرائے کے لوگ بڑے بہادر اور مضبوط تھے۔

لیکن میسینا کے لوگ بھی بڑے مہم جو اور بہادر تھے اور ہر وقت نئے بحری راستے اور علاقے دریافت کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ دونوں شہر اس وقت پورے عروج پر تھے اور دونوں ہی اپنی طاقت کو بڑھانے کی کوشش میں تھے۔ آخرکار ان کا آپس میں تصادم ہوگیا۔ میسینا کے حاکم ایگا ممنان اور اس کے بھائی سپارٹا کے بادشاہ منیلاس کے ماتحت ایک ہزار جہاز بحیرۂ ایجین میں بوٹیا کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ الیس سے روانہ ہوئے اور ۱۱۹۴ق۔م کے موسم گرما میں ٹرائے کے شہر کے سامنے لنگرانداز ہوگئے۔

ایکین کے یونانی سپاہی دس سال تک ٹرائے کے شہر کی دیواروں کے سامنے لڑتے رہے اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخرکار ایک لکڑی کے گھوڑے کی

حکمت عملی سے وہ شہر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ٹرائے کا شہر جلادیا گیا اور شہریوں کو غلام بنالیا گیا۔ لیکن ٹرائے کا سردار اینیس بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ ہسپیریا پہنچا جسے اب اٹلی کہتے ہیں۔ وہاں اس نے دریائے ٹائبر سے چند میل جنوب میں ساحل کے قریب ایک نیا شہر آباد کیا۔ اطالوی شاعر ورجل نے اپنی کتاب اینیڈ میں ٹرائے کے لوگوں کو اپنے نئے وطن کی تلاش میں سرگردانی اور آوارہ گردی کی داستان بیان کی ہے۔ ہومر نے اپنی کتاب ایلیڈ میں ٹرائے کی جنگوں کی پوری کہانی لکھی ہے۔

ٹرائے کی جنگ کے بعد میسینا کے لوگ بھی زیادہ عرصے تک امن سے نہ رہ سکے۔ اب شمال کی طرف سے نئے حملہ آور جن کو ڈورین یا نیزہ رکھنے والے کہتے ہیں سمندر اور خشکی کے راستے جنوب کی طرف پہنچنے لگے اور جہاں پہنچتے اُن علاقوں کو فتح کرنے کے بعد تباہ و برباد کرتے۔ انھیں فتوحات حاصل کرنے میں زیادہ وقت نہ ہوئی کیونکہ ان کے پاس بہتر قسم کے ہتھیار تھے جو لوہے سے بنائے گئے تھے۔ میسینا کے لوگ اس سے نرم دھات یعنی کانسی کے ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ ڈورین یونانی قوم کے وہ قبیلے تھے جن کو تاریخ سے قبل کے زمانے میں زیادہ شمالی حصے کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ ڈورین لوگ مقدونیہ کے رہنے والے تھے۔

ڈورین تنہا نہیں آئے اُن کے ساتھ کئی اور شمالی قبیلے بھی شامل تھے۔ انھوں نے میسینا اور ٹائیرنز کی قلعہ بندیوں کو تباہ کردیا اور کریٹ اور ملوس کو فتح کرلیا۔ اُنھوں نے کورنتھ اور تقریباً سارے پیلوپونیس پر قبضہ کرلیا۔ اب ارگوس ڈورین لوگوں کا شہر بن گیا اور سپارٹا سارے ملک کا صدر مقام قرار پایا۔

ڈورین قوم کے حملہ آور ہونے سے بہت سی قومیں بے گھر ہوگئیں اور بہت

ے لوگ دوبارہ گھروں کی تلاش میں نکل پڑے ۔ میسینا کے بہت سے لوگ قریب ہی اٹیکا میں ، ایتھنز کے گرد و نواح میں اور آیوبا کے جزیرے میں آباد ہوگئے۔ دوسرے ایتھنز کے اُن باشندوں کے ساتھ شامل ہوگئے' جو مشرق کی سمت بے وطن ہوکر آیونیہ کی طرف جارہے تھے ۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنی زبان اپنا مذہب اپنی روایات اور ٹرائے کی جنگوں کی کہانیاں بھی لائے ۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی کچھ بھاٹ اور کہانیاں بیان کرنے والے شاعر بھی ہوا کرتے تھے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے اور سرداروں اور امراء کی دعوتوں اور حکمرانوں کے درباروں میں ٹرائے کے بہادروں کے کارنامے بیان کرتے تھے ۔ ہومر ان گھومنے والے شاعروں میں ے سب سے بڑا شاعر تھا ۔

ڈورین قوم کے حملوں سے آلاتِ جنگ اور اسلحہ میں بڑی تبدیلی آگئی ۔ اب وہ لوگ جن کے پاس لوہے کے ہتھیار تھے ۔ اُن لوگوں سے زیادہ طاقتور سمجھے جاتے تھے جو کانسی کے ہتھیار استعمال کرتے تھے ۔ لوہے کی دریافت اس وقت اُتنی ہی تباہ کن ہوگی جتنی ساتویں صدی عیسوی میں بارود کی ایجاد ، یا موجودہ زمانے میں ایٹم بم کی ایجاد ۔ پھر بھی پُرانی تہذیب بالکل ختم نہ ہوسکی بلکہ اسے نئی تہذیب نے اپنے اندر جذب کرلیا ۔ جنگ اور افراتفری کے باعث قومیں اور تہذیبیں آپس میں مل جاتی ہیں ۔ یونان میں ایک تہذیب کے اندر سے دوسری نئی تہذیب پیدا ہوتی رہی ۔ مینوان اور میسینا کے لوگ اور ان کی روایات ڈورین حملہ آوروں میں جذب ہوگئیں ۔ اور یونان کے قدیم لوگوں کی بڑی روایات کا ایک حصّہ بن گئیں ڈورین قبیلوں کے حملے ایک ہزار قبل مسیح کے قریب ختم ہوئے ۔

اس کے بعد قریباً پانسو سال تک ملک میں کوئی بڑی تبدیلی نہ آئی اور یہاں کے لوگ دو بڑی قوموں آیونین اور ڈورین میں بٹے رہے ۔ آیونین لوگ

بحیرۂ ایجین کے وسطی حصے میں سائکلیڈ کے جزیروں میں اور ایشیائے کوچک کے
تنگ ساحل کے ایک حصے پر آباد تھے - ان کے برعکس ڈورین قوم کے لوگ
پیلو پونیس ، کریٹ اور اس کے پاس کے جزیروں اور ایشیائے کوچک کے جنوبی
کونے پر قابض تھے - اِس وقت یونان اُس نہایت قدیم زمانے میں سے جس
کے متعلق ہمیں زیادہ معلوم نہیں ہے اُس دور میں داخل ہو رہا تھا جس کے
تاریخی واقعات کا ہم کو علم ہے -

چھٹا باب

یونان کی شہری ریاستیں اور مقبوضات

(سنہ ۱۰۰۰ ق.م - تا سنہ ۴۷۹ ق.م)

ایک ہزار قبل مسیح اور آٹھ سو سال قبل مسیح کے درمیانی عہد کے بارے میں ہماری معلومات بہت مبہم ہیں۔ اِس سے پہلے کے ادوار کی ترقی اور شان و شوکت کے مقابلے میں اسے یونان کا تاریک دور کہا جا سکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس زمانے میں انسانی تہذیب کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ بحیرۂ ایجین کے علاقے کے لوگوں نے ایک ایسی سوسائٹی کی تعمیر شروع کردی جس میں ہر فرد کو اپنی سیاسی ذہنی اور اخلاقی خوبیوں کو ترقی دینے کی آزادی تھی۔ بجائے بڑے بڑے ایسے قومی گروہوں کے جن کی زبان اور رسم و رواج الگ الگ ہوں، اس زمانے میں بہت سے ایسے شہر قائم ہو گئے، جن کی اپنی حکومت اور اپنی طرزِ زندگی ہوتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑی مرتفع سطحیں، الگ تھلگ وادیاں، راسیں اور ساحلی علاقے ایسی جگہیں تھیں جہاں دشمن کا مقابلہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ اِس لئے یہاں نئی آزاد آبادیاں اور شہر قائم ہو گئے جن کو یونانی لوگوں نے پولیس کا نام دیا - جس کا ترجمہ "شہر" ہے۔ لیکن اس کا اصلی مفہوم ایک آزاد سیاسی جماعت ہے اور اس کو زیادہ بہتر طریقے سے شہری ریاست کے لفظ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ بحیرۂ ایجین کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بھی اس قسم

کی شہری ریاستیں قائم ہوگئیں - چوتھی صدی کا فلاسفر ارسطو بتاتا ہے کہ جزیروں کو چھوڑ کر باقی یونان میں ۱۵۷ ایسی ریاستیں موجود تھیں اور اگرچہ اُن کی زبان ایک تھی لیکن وہ اکثر آپس میں لڑتی جھگڑتی تھیں -

ان شہروں کے باشندے اپنے آپ کو "آزاد لوگ" کہتے تھے - اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شہر کے تمام باشندے ایک خاص آئین اور مقررہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے - ذاتی حقوق کا مسئلہ ان شہری ریاستوں ہی میں سب سے پہلے اُبھرا - ان شہری ریاستوں کے سب باشندوں کو آزادی کا بے مثال موقع حاصل تھا اور یہ نہایت آزادی سے اپنے سیاسی معاملات پر بحث کر سکتے تھے اور اکثریت کی رائے ہر چیز پر غالب رہتی تھی -

سیاسی اور مذہبی اجتماع کی جگہ عام طور پر کسی پہاڑی کے اوپر محفوظ مقام پر بنائی جاتی تھی اور وہیں سے شہر کا آغاز ہوتا تھا - ہر شہر کے لئے یہ ضروری تھا کہ سب سے پہلے وہ اپنی حفاظت خود کر سکے اور خود کفیل بھی ہو - لوگ عام طور پر بکھرے ہوئے ہوتے تھے اور اِدھر اُدھر اپنے کام میں مصروف رہا کرتے تھے لیکن جنگ کے موقع پر سب لوگ شہر کے پہاڑی قلعے میں آجاتے تھے - ایک شہری ریاست اگرچہ چھوٹی ہوتی تھی لیکن وہ اپنی شہریت کے حقوق قریب کی بستیوں کو بھی دے سکتی تھی - اکثر بہت سی ریاستیں آپس میں مل کر ایک لیگ قائم کر لیتیں اور اپنی حدود کی حفاظت مل کر کرتیں - جنگ کے موقع پر وہ اکٹھے ہوکر دشمن سے لڑتے اور امن کے زمانے میں عبادت، کھیل اور تہواروں کے موقع پر بھی اکٹھے ہوتے -

یونان کے کئی حصوں میں ایسے مقدس مقامات تھے جنھیں دارالاستخارہ کہتے تھے اور جہاں اُن کے دیوتا ہاتف غیبی کے ذریعے لوگوں کو اپنے احکام کی خبر

دیتے تھے۔ ان میں سے سب سے مشہور ڈیلفی کے مقام پر اپولو کا دارالاستخارہ تھا اس جگہ ہر دو سال کے بعد بہت بڑا میلا لگا کرتا تھا۔ جس میں قدیم یونان کے تمام حصّوں سے لوگ آیا کرتے تھے۔ یہاں ہر ایک شخص غیبی آواز سے اپنی مشکلات کا حل معلوم کرسکتا تھا، کھیلوں میں حصّہ لے سکتا تھا اور اس مندر میں عبادت کرسکتا تھا۔ اکثر انصاف کی غرض سے یا امن قائم رکھنے کے لئے یونان کے تمام حصّوں سے نمائندے باہمی معاملات پر رائے زنی کرنے ڈیلفی میں اکٹھا ہوتے اس مجلس کو ایمفکیٹونک کونسل کہتے تھے۔ اِسے اُس زمانے کا پہلا یو۔این۔او کہا جاسکتا ہے۔

یونان کی شہری ریاستوں میں دو سب سے زیادہ ممتاز تھیں۔ ایک ایتھنز کی شہری ریاست اور دوسری سپارٹا کی۔ ایتھنز جو تمام آیون کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن کا بڑا مرکز تھا اور اسے سپارٹا کے سوا یونان کی باقی تمام شہری ریاستوں کا مثالی نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ ایتھنز کے دروازے سب کے لئے کھلے تھے۔ یہ ایک آزاد اور بلند مرتبہ ریاست تھی جہاں اس کے اپنے لوگوں کی مرضی سے حکومت کی جاتی تھی۔ لیکن اس کے مقابلے میں سپارٹا ایک ایسا شہر تھا جہاں خالص ڈورین نسل کے لوگوں کے سوا دوسروں کا داخلہ ممنوع تھا اور یہاں کے قوانین بڑے سخت تھے جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی تھی۔ یہاں صرف چند امراء طاقت کے ذریعے حکومت کرتے تھے۔

سپارٹا کا شہر پیلوپونیس کے جنوبی ساحل سے تقریباً پچیس میل دُور لاکونیا کے ایک کنارے پر الگ تھلگ واقع تھا۔ مونٹ ٹیگیٹس کا پہاڑ اس میدان کے تمام مغربی حصّے میں پھیلا ہوا ہے۔

سپارٹا کا شہر بہت پرُانا ہے۔ ۱۰۰۰ء ق۔م سے پہلے جبکہ ڈورین لوگوں نے

اس کے پُرانے باشندوں کو فتح کیا۔ اس جگہ سنگ تراشی کا فن کافی ترقی کر چکا تھا۔ یہ فن یہاں کے لوگوں نے کریٹ کے ہنرمندوں سے حاصل کیا تھا۔ یہاں کا آرٹمیس کا مندر یونان کی سب سے پُرانی عبادت گاہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہاں کے کاریگر کانسی، مٹی اور پتھر سے نہایت عمدہ چیزیں تیار کرتے تھے۔ باہر سے آنے والے شاعروں اور عالموں کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی اور شہر میں ہر قسم کا آرام اور آسائش حاصل تھا۔

۷۳۰ ق-م میں سپارٹا کے لوگوں نے اپنے قریب کے میسینا کے زرخیز میدان پر قبضہ کرلیا۔ لیکن میسینا کے لوگوں نے اپنی ہمسایہ ریاستوں سے امداد طلب کی اور سپارٹا کے خلاف بغاوت کردی۔ اور اس طرح نہ صرف انھیں آزادی حاصل ہوگئی بلکہ انھوں نے سپارٹا کو شکست بھی دی۔ اس کے بعد سپارٹا کا مشہور شاعر اور سیاست دان ٹارٹیس نمودار ہوا۔ اُس نے سپارٹا کے لوگوں کو جوش دلایا اور اُس کی رہنمائی میں انھوں نے دوبارہ فتح حاصل کی۔ دوسری بار فتح حاصل کرنے کے بعد سپارٹا کے لوگوں کا زندگی کے متعلق نقطۂ نظر بالکل بدل گیا۔ میسینا کے لوگ جو اپنی آزادی کے لئے بڑی بہادری سے لڑتے تھے غلام بنادئے گئے اور انھیں "ہیلاٹ" کا نام دیا گیا۔ انھیں زمین کے ٹکڑوں پر چاکروں کی طرح کام کرنا پڑتا تھا اور پیداوار کا ایک مقررہ حصّہ اپنے مالکوں کو دینا پڑتا تھا البتہ اُن کی حیثیت غلاموں سے ذرا مختلف تھی۔ کیونکہ اُن کو فروخت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جلدی ہی "ہیلاٹ" لوگوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سپارٹا کے ایک آزاد باشندے کے مقابلے میں ریاست میں بیس "ہیلاٹ" تھے۔ اب سپارٹا کے لوگوں کو اُن کی طرف سے سخت خطرہ رہنے لگا چنانچہ اس بات کی ضرورت پیدا ہوئی کہ ایک خفیہ پولیس ہیلاٹ لوگوں کی نگرانی کرے اور اگر اُن میں سے کوئی

بغاوت کا خیال کرے تو اُسے سزا دی جائے۔ یا جان سے مار ڈالا جائے۔ سپارٹا کے لوگوں کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ آزادی سے محبت کرنے والی کسی قوم کو ظلم اور زبردستی سے زیادہ دن تک قابو میں نہیں رکھا جا سکتا۔ انھیں اپنی ریاست کی حفاظت خود کرنا چاہیے۔

سپارٹا کے لوگ اپنی قدامت پسندی اور سادگی کے لئے مشہور تھے۔ اُن کے قوانین رسم و رواج اور خیالات دوسری ریاستوں سے نسبت مختلف تھے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ایک عقلمند قانون ساز لائی کرگس اُن کے لئے ایسے قوانین تیار کر چکا ہے، جن کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لائی کرگس نے اپنے قوانین کے بارے میں دیوتاؤں کی رائے معلوم کرنے کے لئے ڈیلفی کے دارالاستخارہ کا سفر بھی کیا تھا۔ وہاں اُسے بتایا گیا تھا کہ سپارٹا کی ریاست اُس وقت تک ترقی کرتی رہے گی، جب تک لائی کرگس کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل ہوگا۔ اُسے سپارٹا سے بڑی محبت تھی اور اُس نے سپارٹا کے لوگوں کو اس بات پر قسم کھانے کے لئے مجبور کیا کہ وہ اس کے واپس آنے تک اُس کے قوانین پر عمل کریں گے اس کے بعد وہ کہیں غائب ہوگیا اور پھر کسی نے کبھی اُسے نہ دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کہانی سچی نہ ہو۔ لیکن سپارٹا کے لوگ عرصے تک اس کے بنائے ہوئے قوانین اور اصولوں پر کاربند رہے اور عرصۂ دراز تک انھوں نے ان قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور سپارٹا یونان کی سب سے بڑی فوجی طاقت بن گیا۔

سپارٹا کا معاشرہ تین گروہوں میں منقسم تھا۔ پہلے گروہ کے لوگوں کو حکمراں یا برگزیدہ لوگ کہتے تھے۔ دوسرے گروہ کے لوگوں کو 'ہمسائے' کہا جاتا تھا، جنھیں سوسائٹی کی تمام شہری مراعات حاصل تھیں لیکن وہ سیاسی حقوق سے محروم تھے۔ اُنھیں اس بات کی آزادی ہوتی تھی کہ وہ صنعت و حرفت اور مختلف پیشوں سے اپنی روزی

پیدا کرسکیں۔ سوسائٹی کے سب سے نچلے درجے کے لوگوں کو ہیلاٹ کہتے تھے جن کی حیثیت چاکروں کی تھی۔

سپارٹا ایک پولیس ریاست تھی۔ اُس کے تمام شہری فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ فرد کا وجود ریاست کی بہتری کے لئے تھا۔ جسمانی صحت اور فوجی رجحان پر زور دیا جاتا تھا۔ عمدہ گفتگو اور اعلیٰ تحریر و تقریر کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ کنبے کو سختی کے ساتھ محدود رکھا جاتا تھا۔ کمزور اولاد کو تلف کردیا جاتا تھا۔ لڑکے صرف سات سال کی عمر تک اپنی ماؤں کے پاس رہ سکتے تھے۔ سات سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک انھیں ریاست کی طرف سے تربیت دی جاتی تھی۔ عمدہ قسم کی فوجی تربیت اور ورزش کے ذریعہ اُن کو اچھا سپاہی بنادیا جاتا تھا۔ وہ ہومَر اور دوسرے شاعروں کی کتابیں پڑھ سکتے تھے۔ تربیت پانے والے نوجوان کی زندگی کا سب سے کٹھن حصہ اٹھارہ سال سے بیس سال کی عمر کے درمیان ہوتا تھا جبکہ اُسے خاص جنگی تربیت دی جاتی تھی۔ تربیت کے اختتام پر وہ خود ہدایت دینے لگتا تھا۔ اب انھیں شادی کرنے کی اجازت بھی مل جاتی تھی لیکن وہ اپنے گھروں پر نہیں رہ سکتے تھے۔ اِس طرح تیرہ سال کی سخت تربیت کے بعد جس میں کشتی لڑنا، بھاگنا، کمند پھینکنا اور دوسرے کرتب سکھائے جاتے تھے وہ مضبوط پھرتیلے، جفاکش، نڈر اور ہر لحاظ سے میدانِ جنگ میں لڑنے کے قابل بن جاتے تھے۔

تیس سال کی عمر میں سپارٹا کا رہنے والا مکمل شہری بن جاتا تھا۔ اُسے اسمبلی میں بیٹھنے کا حق حاصل ہوتا تھا اور وہ دوسرے عہدے اختیار کرسکتا تھا۔ اب اُسے گھر پر رہنے کی اجازت تھی لیکن اس وقت بھی وہ فوج ہی کا ملازم سمجھا جاتا تھا۔ اُس کو کھانا، فوجی بارکوں میں جاکر کھانا پڑتا تھا جہاں ہر شخص

فتح و کامرانی کی دیوی نائکی
کا مجسمہ جو اولمپیا میوزیم
میں محفوظ ہے، ۱۸۷۵ء
میں دستیاب ہوا تھا۔ سات
فٹ اُونچا ہے، پانچویں صدی
قبل مسیح کے نصف آخر کا
یہ مجسمہ اولمپیا میں زیوس
کے مندر کے سامنے تیس
فٹ اُونچے چبوترے پر
نصب تھا

کریٹ کے جزیرے میں سینٹ نکولس کا شہر
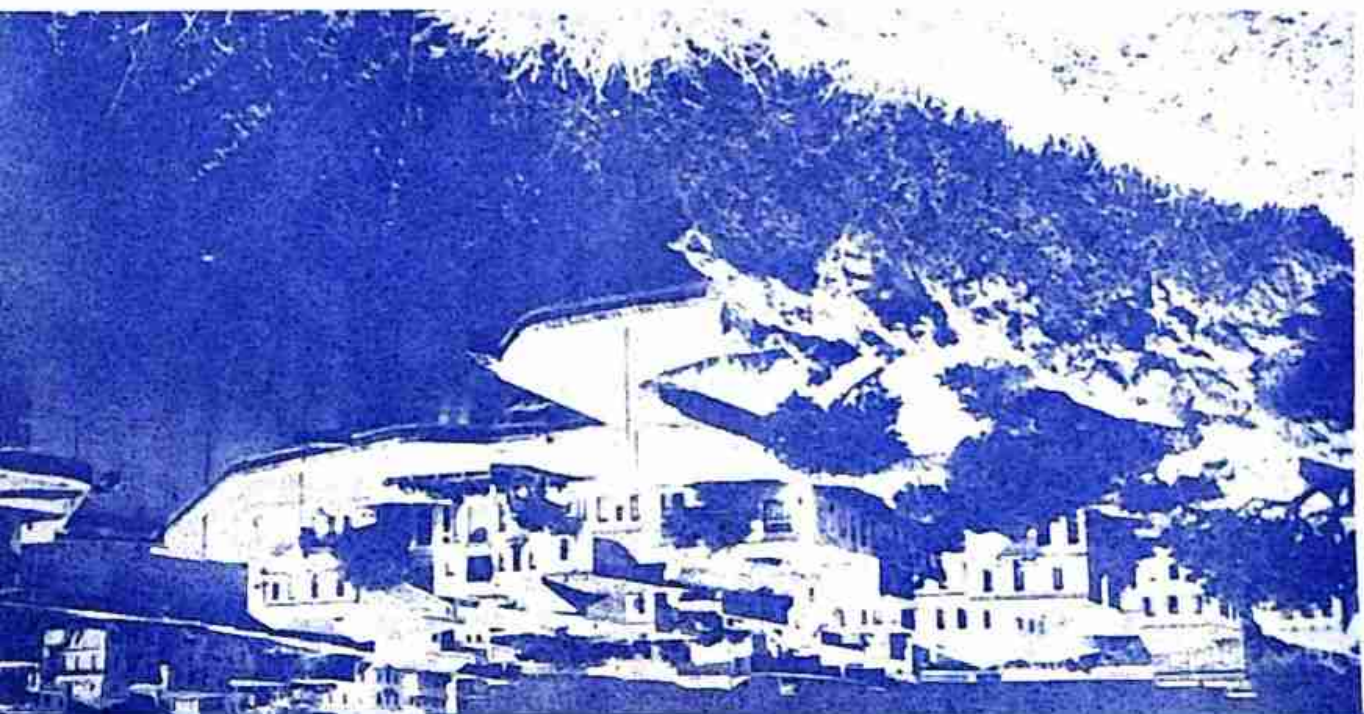
کریٹ کے سر گلیون میوزیم میں قدیم
یونانی تہذیب کا آرائشی گلدان
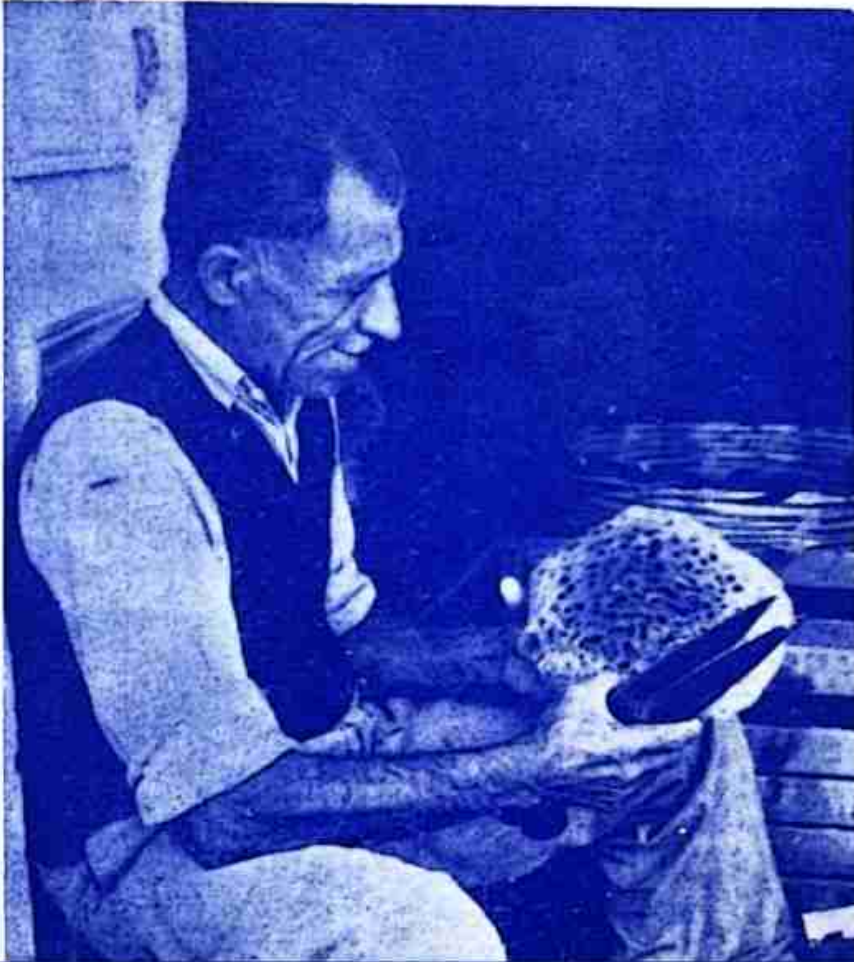
اسفنج کی تراش خراش
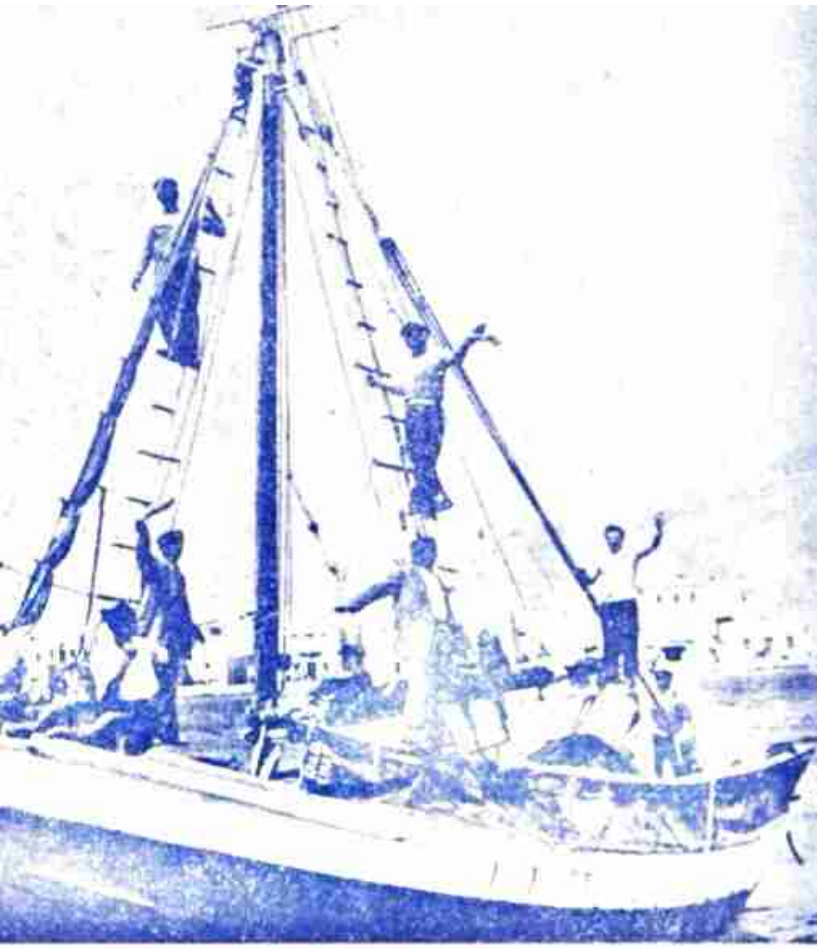
ماہی گیروں کا ایک جہاز
کالیمنوس کے جزیرے
سے روانہ ہو رہا ہے

جزیرہ کالیمنوس
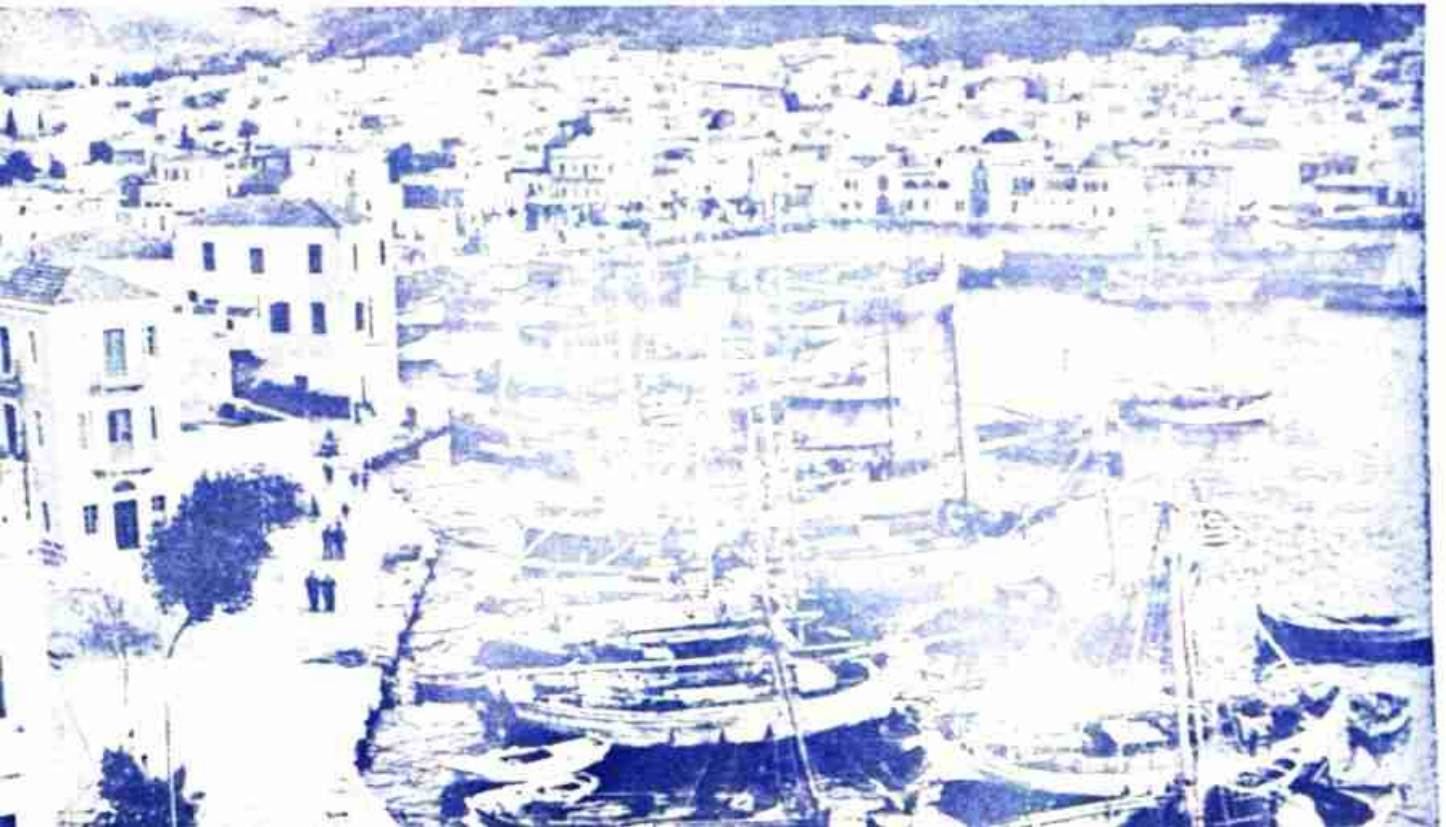
ایتھنز کا
مشہور معبد پارتھینان
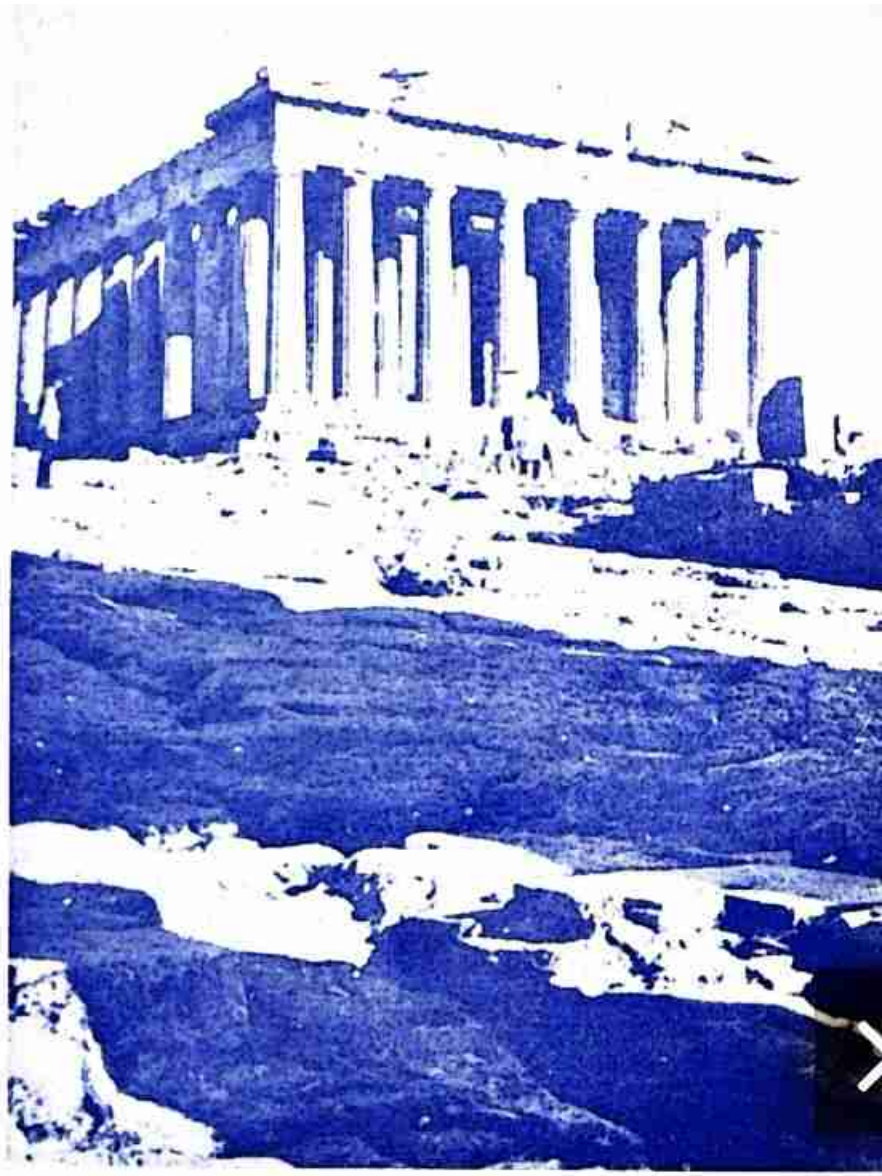
پاٹریس کی بندرگاہ
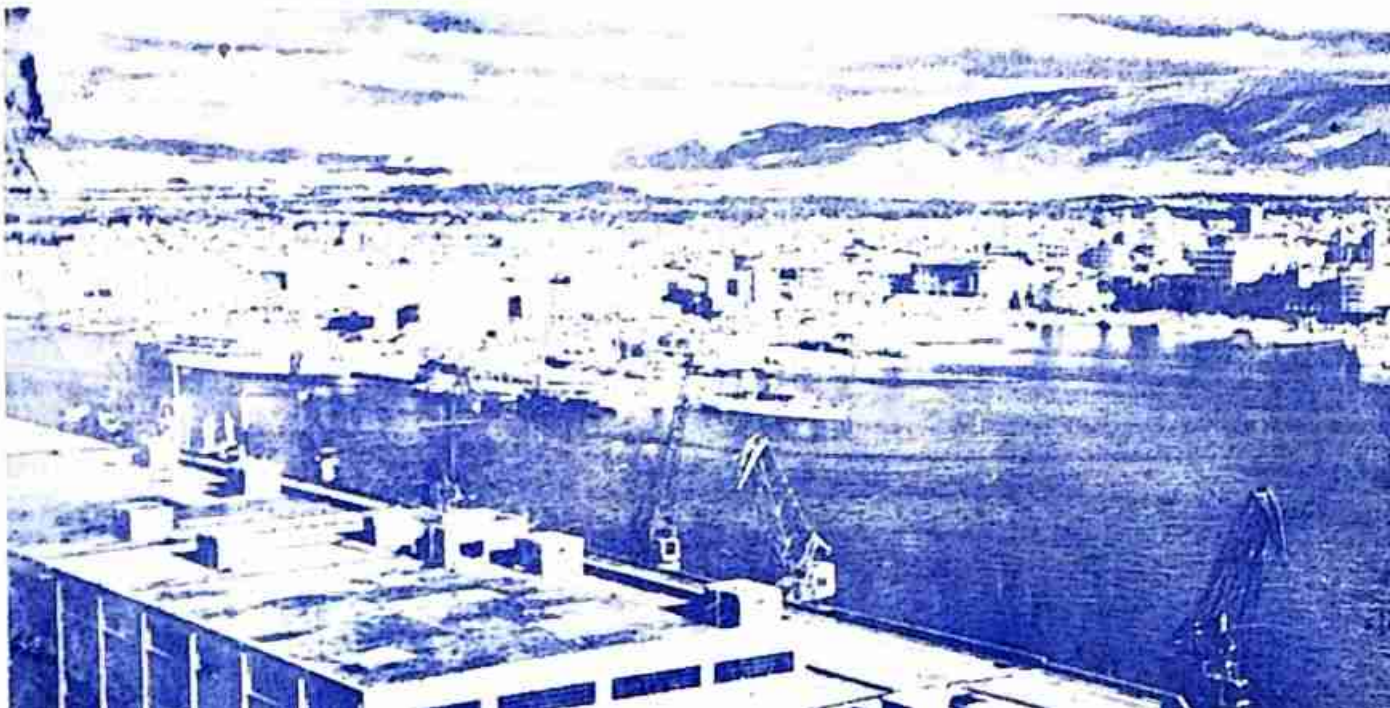
اٹیکا کے کسانوں کی عورتیں

یونان کا ایک عام باربردار جانور

ڈیلفائی کا تھیٹر

دیہات کا منظر
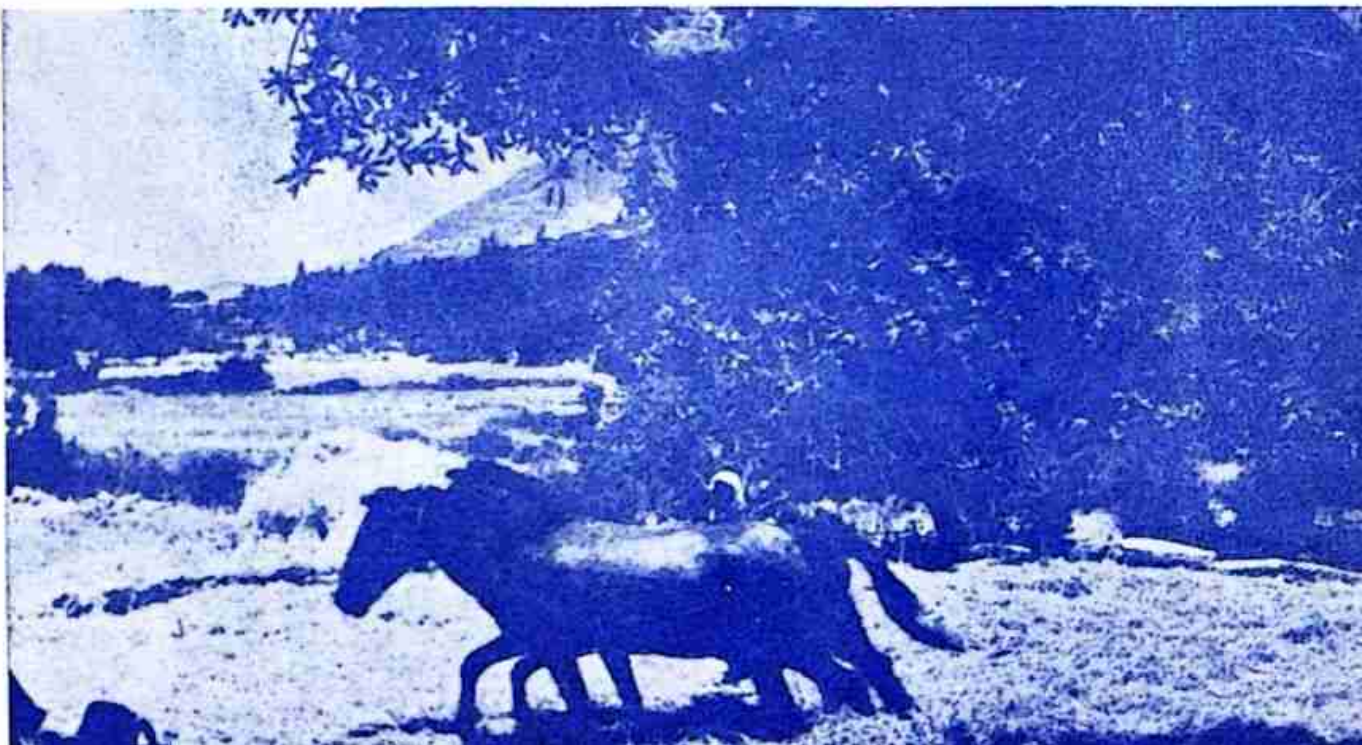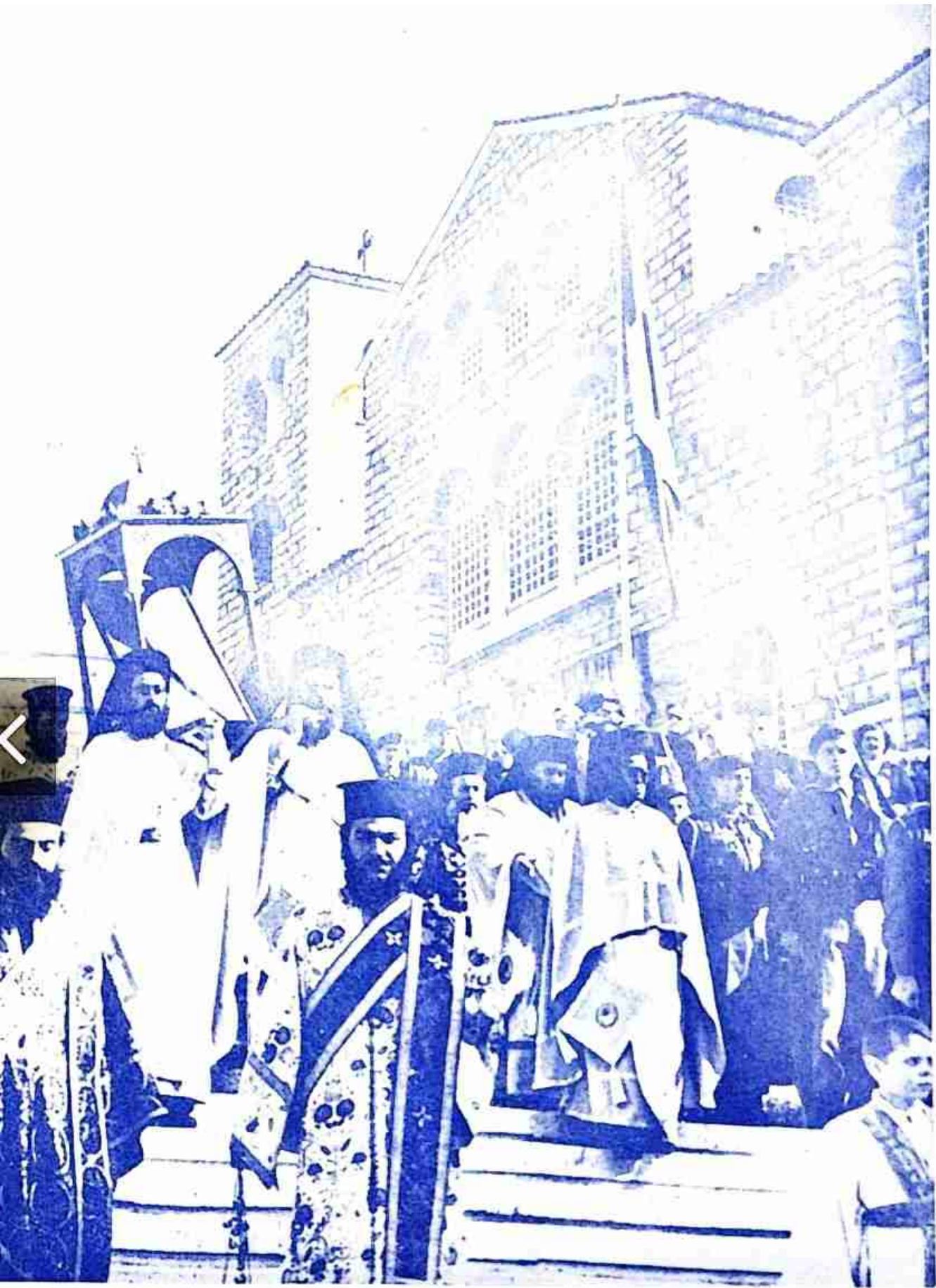
سالونیکا کے ایک مذہبی تہوار کا منظر

شمالی یونان کے ایک
بازار کا منظر

ایتھنز کے مشہور معبد کا منظر

اپنے حصّے کی جَو کی روٹی ، پنیر ، زیتون کا تیل ، انجیر ، بادام اور گوشت یا مچھلی خریدنے کے لئے روپیہ مہیا کرتا تھا۔ ایک میز پر پندرہ آدمی کھانا کھاتے تھے اور ہر نئے آدمی کو شامل کرنے کے لئے پہلے چودہ ممبروں کی رائے ضروری ہوتی تھی۔ وہ سب ایک ہی قسم کا ارغوانی رنگ کا لباس پہنتے تھے اور جنگ اور امن کے زمانے میں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوتے تھے۔

لڑکیوں کو بھی اسی قسم کی تربیت دی جاتی تھی۔ لیکن یہ تربیت فقط شادی تک جاری رہتی تھی۔ اُنھیں ایسی جسمانی اور دماغی تربیت دی جاتی تھی کہ وہ بہادر اور نڈر نوجوانوں کی مائیں بن سکیں۔ لڑکوں کی طرح وہ بھی جسمانی کھیلوں میں حصّہ لیتی تھیں۔ ان کھیلوں کے لئے انھیں بڑی احتیاط سے جسمانی تربیت ملتی تھی۔ اُن کے کھیل بھی نرالے ہوتے تھے۔ لڑکیاں اس قدر کم لباس پہنتی تھیں کہ دوسرے شہروں کے یونانی انھیں دیکھ کر متحیّر ہوجاتے تھے۔ لیکن اعتدال پسندی ، پاکیزگی اور سادگی سپارٹا کی سوسائٹی کے سب سے نمایاں اُصول تھے۔ اُن کی عورتیں گھروں میں رہتی تھیں اور اُن میں سے اکثر کفایت شعاری کرکے کافی دولت جمع کرلیتی تھیں۔ لیکن وہ اپنے مردوں کی طرح خود بھی بڑی بہادر ہوتی تھیں اور مردوں کو بہادری کے کارناموں کے لئے اُبھارا کرتی تھیں۔ جب سپارٹا کی ایک ماں اپنے بیٹے کو جنگ پر جاتے ہوئے ڈھال پکڑاتی تو اُس کے ساتھ ہی یہ مشہور الفاظ بھی کہتی کہ " فتح مند ہوکر ڈھال سمیت واپس آنا یا اِس ڈھال پر مرپڑنا"۔

اگرچہ بعض لحاظ سے سپارٹا کی طرزِ زندگی بڑی سخت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اُن کی زندگی معمولی اور گھٹیا قسم کی نہ تھی۔ سائنس اور فنونِ لطیفہ کے بڑے کارنامے آزاد پسند ریاستوں کا کام تھا۔ سپارٹا کی ریاست اس قسم کی چیزیں پیش نہ کرسکتی تھی۔ وہ صرف انسان کو مرد بناتی تھی۔

سپارٹا کی ریاست میں ایک ہی وقت میں دو حکمراں ہوتے تھے۔ ریاست کے اندر زیادہ رعب اور دبدبہ طاقتور ایفورز یا نگرانی کرنے والے مجسٹریٹوں کا ہوتا تھا جو تعداد میں پانچ ہوتے تھے اور ہر سال عام دوٹوں سے چُنے جاتے تھے۔ لیکن جب سپارٹا کی فوج ریاست سے باہر جاتی تھی تو ان میں سے ایک بادشاہ اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ اِس بادشاہ کو مکمل اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ اٹھائیس بڑے بزرگوں کی ایک کونسل بھی ہوتی تھی۔ جس کے ممبروں کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ انتظامی معاملات میں ایفورز یا مجسٹریٹوں کی مدد کرتے تھے۔ اور اُن معاملات پر سوچ بچار کیا کرتے تھے جو اسمبلی میں یا تمام شہریوں کے سامنے پیش کئے جانے ہوں۔ اسمبلی میں بحث نہیں ہوسکتی تھی۔ اسمبلی کے فیصلے عام طور پر دوٹوں کی بجائے زور سے پکارکر ہوتے تھے۔ جس بات کے حق میں سب سے زیادہ شور ہوتا اسی کو رائے دہندوں کا فیصلہ سمجھا جاتا۔ یہ ایک ایسی طرز کی حکومت تھی جو اپنے قوانین اور اصولوں میں سے کسی پُرانی چیز کو ترک کرنے کے لئے تیار نہ تھی اور نہ کسی نئی چیز کو قبول کرنا پسند کرتی تھی۔

سپارٹا نے پہلے لیکونیا اور پھر میسینا کو فتح کیا اور وہاں کے لوگوں کو غلام بناکر اُن پر حکومت کی۔ لیکن سپارٹا کے مقابلے میں ایتھنز نے اپنے گرد و نواح کی تمام ریاستوں کو ان کی رضامندی سے اپنے ساتھ شامل کرلیا اور پُرامن طریقوں سے اس سارے علاقے کو جس کا رقبہ ایک ہزار مربع میل تھا اپنی شہری ریاست کا حصہ بنالیا۔ آہستہ آہستہ ہر طبقے کے لوگوں کو پورے شہریوں کے حقوق دے دئے گئے۔ کچھ امیر لوگ صدر مقام میں آکر رہنے لگے لیکن اکثر لوگ اپنے گاؤں میں ہی رہتے رہے لیکن یہ سب ایتھنز کے باشندے سمجھے جاتے تھے۔ یہ چیز نہایت قابل تعریف ہے۔ اس طرح ایتھنز کے ہر طرف اُس کے اپنے شہری اور دوست موجود تھے۔

اور وہ آزادی سے ترقی کر سکتا تھا اور اپنی طاقت کو بڑھا سکتا تھا۔
ایتھنز کی ریاست پر نو آرچنز یا منتخب بڑے لیڈر حکومت کرتے تھے۔ ان کو شہریوں کی اسمبلی امراء کے چند خاندانوں میں سے چُنتی تھی۔ دولت کے لحاظ سے سوسائٹی چند جماعتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جب آرچنز کا چناؤ ہوتا تھا تو سب سے نچلی جماعت کے سوا سب لوگ چناؤ میں حصہ لیتے تھے۔ اس کے بعد حکمرانوں کو ملک کے قوانین کے مطابق حکومت کرنے کے لئے قسم کھانی پڑتی تھی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سب سے نچلی جماعت نے بھی حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ڈیڑھ سو سال تک تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آخرکار ایتھنز کے سب شہریوں کو حکومت میں حصہ لینے کا اختیار مل گیا اور اس طرح ایتھنز ایک حقیقی جمہوری ریاست بن گیا۔
ڈریکن سب سے پہلا آرچن تھا جس نے ۶۲۰ ق.م کے قریب ایتھنز کی ریاست کے لئے قوانین کا ایک ایسا مجموعہ تحریر کیا جس کے مطابق سب شہریوں پر یکساں طور پر حکومت ہو سکے۔ لیکن سپارٹا کے لائی کرگس کی طرح ڈریکن کے حالات بھی پوری طرح معلوم نہیں ہیں۔ اس کے قوانین میں اختصار کو بہت دخل ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ اُس کے قوانین سیاہی کی بجائے خون سے لکھے گئے تھے کیونکہ اُن کے مطابق تقریباً تمام چھوٹے بڑے جرائم کی سزا موت مقرر کی گئی تھی۔
۵۹۴ ق.م میں ایتھنز کے شہریوں نے ایک مالدار سردار سولن کو ایک سال کے لئے اپنا آرچن چُن لیا۔ یونان کی تاریخ میں یہ پہلا شخص ہے جس کے حالات کا ہمیں بخوبی علم ہے۔ سولن ایک سوداگر تھا۔ اِس لئے دور دراز سفر کے دوران میں اُسے دوسرے شہروں کے طرزِ حکومت کا مطالعہ کرنے کا موقع مل چکا تھا۔ اب اُس نے ایتھنز کی خدمت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ لوگوں

پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا جا چکا تھا اور ریاست میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اٹیکا میں ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے کسان تھے، جو اس قدر غریب تھے کہ وہ بہت زیادہ سود پر روپیہ قرض لیتے تھے اور اپنے کھیتوں کو بطور ضمانت رہن کردیتے تھے۔ ان رہن شدہ کھیتوں پر نشان کے طور پر پتھر لگادئے جاتے تھے اور جب تک قرضہ ادا نہ ہوتا تھا پتھر ہٹایا نہ جاتا تھا۔ اُن کو اپنی پیداوار کا نصف سے زیادہ حصہ اپنے قرضخواہوں کو دینا پڑتا تھا۔ بعض دفعہ وہ لوگ جن کے پاس کوئی زمین نہ ہوتی تھی، اپنے آپ کو اور اپنے کنبوں کو گروی رکھ دیتے تھے اور اگر ایک مقررہ وقت کے اندر قرضہ واپس ادا نہ کیا جاتا تو وہ غلام بن جاتے تھے اور اُنھیں وطن میں یا کہیں باہر فروخت کیا جا سکتا تھا۔

سولن تاریخ میں پہلا شخص ہے جس نے زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ اُس نے زمین اور افراد کو بطور ضمانت پیش کرنے کی ممانعت کردی۔ اُس نے غلاموں کو آزاد کردیا اور حکم دے دیا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو فروخت نہ کرے۔ وہ قرضے جو زمین کی ضمانت پر اس سے پہلے لئے جا چکے تھے اُن کو منسوخ کردیا گیا۔ سولن کے اعلان کے باعث ایتھنز غلاموں کی فراوانی سے بچ گیا۔

سولن نے ایتھنز کو سارے یونان کی تجارت اور تہذیب کا مرکز بنانے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے اُس نے ایتھنز کو ایک کھلا شہر قرار دیا اور باہر سے آنے والوں بالخصوص فنکاروں اور کاریگروں کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس غرض سے کہ ایتھنز کے سب لوگ سیاسی معاملات میں دلچسپی لے سکیں۔ اُس نے اسمبلی میں ووٹ دینے کا حق عام کردیا۔ ایسی عدالتیں قائم کیں جن میں شہری بطور جیوری کے بیٹھتے۔ اس کے بعد اُس نے وزن، سکہ اور ناپ کے پیمانوں کی اصلاح کی۔ اُس نے غریبوں، بوڑھوں اور بے گھر لوگوں کی امداد کے لئے مرکز قائم کئے۔ اُس

کی ان اصلاحات کی بدولت پہلی بار ریاست کا ہر فرد قبیلے، خاندان اور مذہب کی بندشوں سے آزاد ہوگیا۔ سولن کے قوانین لکڑی کی تختیوں پر لکھ کر ایسے مقامات پر نصب کردئے گئے جہاں ہر کوئی ان کو پڑھ سکتا تھا۔ ہر شہری نے اُن کی تعمیل کی قسم کھائی اور تاریکی کی دنیا میں ایتھنز کے پہاڑی قلعے پر روشنی چمکنے لگی۔ اگرچہ سولن مکمل جمہوریت نافذ نہ کرسکا لیکن اُس نے بنی نوع انسان کی کہانی میں ایک نئے باب کا آغاز ضرور کیا۔

بدقسمتی سے ایسے لوگ بھی تھے جو سولن کے قوانین کو پسند نہ کرتے تھے۔ اُس وقت ایتھنز کی ریاست کے لوگ تین گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ پہاڑی حصے کے رہنے والے، میدانی علاقوں کے رہنے والے اور ساحل سمندر کے رہنے والے۔ کوہستانی گروہ کا لیڈر پیسس ٹراٹس ایک بوالہوس سردار تھا۔ اُس نے ۵۶۰ ق۔م میں ایتھنز کے پہاڑی قلعے پر قبضہ کرلیا اور زبردستی اُن کا حاکم بن گیا۔ جس ناجائز طریقے سے اُس نے طاقت حاصل کی تھی اُس کی وجہ سے اُسے "ٹائرنٹ" یا ظالم کا خطاب دیا گیا۔ لیکن اس لفظ کے کئی معانی ہیں۔ اِس سے ایسا حکمران بھی مراد ہے، جو لوگوں کی رائے کے بغیر اور اُن کی مرضی کے خلاف اُن پر حکومت کرے۔ اس کا مطلب ایسا شخص بھی ہے جو بغیر کسی کے مشورے کے من مانی حکومت کرے۔ یونان کی بہت سی شہری ریاستیں کسی نہ کسی وقت اس قسم کے ٹائرنٹ یا ظالم حکمرانوں کے قبضے میں رہیں۔ ان میں سے بعض اچھے اور عقلمند حکمران تھے۔ پیسس ٹراٹس بھی ایک اچھا ٹائرنٹ تھا جو لوگوں کی بہتری کا خیال رکھتا تھا۔ وہ ایتھنز کے شہریوں کے آزادی کے جذبے سے آگاہ تھا، اِس لئے وہ لوگوں کے پسندیدہ حقوق کا احترام کرتا تھا۔ اس نے ایتھنز کو خوبصورت اور طاقتور بنانے کی کوشش کی۔ اُس نے ایتھنز کے پہاڑی قلعے کا بڑا دروازہ پروپیلا تعمیر کیا اور

اُسے مجسموں سے سجایا - انجنیئر بند باندھ کر پہاڑی چشموں سے شہر کے چوک تک پانی لے آئے۔ ایتھنز کے شہر کا مشہور جمنیزیم اور اکاڈیمی پیس ٹراٹس کے وقت میں ہی تعمیر ہوئے۔ ان چیزوں نے شہر کی آئندہ زندگی پر بڑا اثر ڈالا۔

دیہاتی زندگی اور کاشتکاری کی ہمت افزائی کی گئی اور تجارت کو ترقی دی گئی۔ اٹیکا کے سارے میدانی حصے میں زیتون اور انگور کے باغ لگائے گئے۔ ان کی وجہ سے ریاست کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوا۔ ایتھنز کی بستیاں ہیلسپونٹ تک پھیل گئیں اور ایتھنز کے جہاز بندرگاہ پیریس سے بحیرۂ ایجین کے مختلف حصوں میں اور ہیلسپونٹ تک سفر کرنے لگے۔ پیس ٹراٹس کے ماتحت ایتھنز ایک امیر اور باعزت ریاست بن گئی اور یونان کی تمام ریاستوں میں سے زیادہ اہم خیال کی جانے لگی۔ پیس ٹراٹس ۵۲۷ ق۔م میں فوت ہو گیا۔

۵۰۸ ق۔م کے قریب ایک اور سردار کلیس تھینز، ایتھنز کا حاکم ہوا۔ وہ بہت بڑا سیاست داں اور جمہوریت کا حامی ثابت ہوا۔ اُس نے پیس ٹراٹس اور سولن کے کارناموں میں اور اضافہ کیا جس کے باعث ایتھنز دنیا کی سب سے پہلی جمہوریت بن گئی۔ وہ ظالمانہ حکومت کو پسند نہیں کرتا تھا چنانچہ اس کے سدِ باب کے طور پر یہ حکم نافذ کیا کہ عوام کے مطالبے پر کسی شہری کو جلا وطن کیا جا سکتا ہے۔ سال میں ایک دفعہ ایتھنز کے شہری چھوٹے چھوٹے ٹھیکروں پر جن کو "اوسٹریکن" کہتے تھے اُس آدمی کا نام لکھ کر اُس کے خلاف ووٹ دیتے تھے جسے وہ اپنی ریاست کے لئے خطرناک سمجھتے تھے اور اُس شخص کو اُن کے ووٹوں سے جلا وطن کر دیا جاتا تھا۔ ریاست کے لئے سب سے زیادہ خطرے کا باعث بڑے بڑے مالدار امراء تھے جو کسی نہ کسی طرح حکومت کے شعبوں میں چوٹی پر پہنچ جاتے تھے۔ اس خطرے کو کم کرنے کے لئے اُس نے ایتھنز کے لوگوں

کے ان چار طبقوں کو ختم کر دیا جن میں سے ہر ایک رشتہ داری یا مذہب کی بنا پر قائم تھے۔ کلیس تھینز نے لوگوں کو دس محلوں میں تقسیم کر دیا جن کو "ڈیموئی" کہتے تھے۔ یہ تقسیم رشتہ داری اور مذہب کی بجائے جائے رہائش کے لحاظ سے کی گئی۔ اس طرح سب لوگوں کو بلا لحاظ دولت ثروت یا مرتبہ یکساں حقوق اور فرائض حاصل ہوگئے۔ معمولی سے معمولی شہری کا بھی حکومت میں مساوی حصہ تھا۔ اور اُن میں سے ہر ایک یہ جانتا تھا کہ وہ ریاست کی خدمت میں اونچے سے اونچے رتبے پر بھی پہنچ سکتا ہے۔ تعلیم اور ترقی کے مواقع بھی بہت زیادہ ہوگئے۔ ایتھنز آزاد شہریوں کی ایک ایسی ریاست بن گیا جو سارے یونان بلکہ پوری دنیا کے لئے ایک نمونہ تھی۔ تنگ دائرے میں بند اور الگ تھلگ رہنے کے بجائے ایتھنز کو ترقی کرنے کی آزادی تھی۔ چنانچہ ایتھنز قدیم دُنیا کا سب سے حیرت انگیز اور عظیم شہر بن گیا۔

یونان کی دستاویزی تاریخ پہلے اولمپک کھیلوں سے شروع ہوتی ہے۔ جن کی ابتداء ۷۷۶ ق۔م میں ہوئی۔ اُس کے بعد ان کھیلوں کے درمیان جن کی ابتداء درمیان کے ہر چار سال کے واقعات تاریخ وار قلمبند کئے جانے لگے۔

ساتویں صدی قبل مسیح کے شروع میں آیونین لوگ لیڈیا سے سکے لائے اس ہمسایہ ملک کے قدرتی ذرائع بہت وافر تھے۔ سکے کا رواج یونان میں بہت جلد پھیل گیا۔ اس کے نتائج اتنے دور رس نکلے کہ دُنیا کے طور طریقے ہی بدل گئے۔ یونان کے تاجر اپنے سکے دنیا کے دور دراز علاقوں میں لے جانے لگے سکوں کی وجہ سے مال کے تبادلے میں بڑی آسانی ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد ریاست نے اپنے سکے جاری کر دیئے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سیکڑوں ٹکسالوں کے بنے ہوئے سکے بازاروں میں گردش کرنے لگے۔ ان میں سے بعض سکے بہت خوبصورت

وضع کے تھے ۔ جو حکومتیں قیمتی دھاتوں کے مثلاً سونا یا چاندی کے سکے جاری کرتی تھیں وہ اُن کی قیمت کی ضامن ہوتی تھیں ۔

یونان کی تہذیب و تمدن کی ترقی کا ایک بڑا سبب یونانی حروفِ تہجی تھے، جو نویں صدی قبل مسیح کے شروع میں فونیقی حروفِ تہجی کے طرز پر وضع کئے گئے ۔ چوتھی صدی قبل مسیح تک پہنچتے پہنچتے آیونک بولی نے مختلف یونانی بولیوں کی جگہ لے لی ۔ چنانچہ آیونک جلد ہی قریب قریب تمام یونانی قوم کی زبان بن گئی ۔ لکھنے کے لئے مصر سے پیپرس (کاغذ) منگوایا گیا اور لکھنے کا فن عام ہوگیا ۔ اِس کی وجہ سے خیالات کے تبادلے میں تیزی سے اضافہ ہوا اور سائنس اور فلسفے کو بڑی ترقی ہوئی ۔ لوگوں کے خیالات وسیع ہوگئے ۔ فن اور ادب میں بھی بڑی تبدیلیاں ہوئیں ۔ اِس دور میں شاعری کو بھی بڑا فروغ ہوا اور سنہری عہد میں یہ اپنے پُورے عروج پر پہنچ گئی ۔

اب ایک اور نئی تحریک کا آغاز ہوا ۔ یہ نوآبادیاں قائم کرنے کی تحریک تھی چنانچہ ہر طرف نوآبادیاں قائم ہونے لگیں ۔ اُس کی بڑی وجہ آبادی کی کثرت تھی ۔ اگرچہ کسی حد تک سیاسی ہل چل، جنگ و جدل اور مزارعوں کی بے چینی بھی اس کی محرک بنی ۔ یونانیوں نے ایسے عجیب و غریب جہاز تیار کئے جن کے ذریعے کھلے سمندروں میں سفر کیا جا سکتا تھا ۔ اُن میں بیٹھ کر وہ دنیا کے اُن تمام حصّوں میں پہنچنے لگے جن کا علم تھا ۔ وہ بحری سفر کے ذریعے نئے مقامات پر پہنچنے لگے ۔ اُنھیں سیر و سیاحت اور نئی نئی جگہیں دیکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ وہ خشکی کی نسبت سمندر کو زیادہ اہم خیال کرتے تھے اور بحری بیڑے کو بری فوج پر ترجیح دیتے تھے ۔ ابتداء ہی سے اُن کے جہاز دو قسم کے ہوتے تھے ۔ تجارتی جہاز جو تجارت پیشہ افراد تجارت کی غرض سے بنواتے تھے اور وہ اُن کی

ذاتی ملکیت ہوتے تھے اور جنگی جہاز جو مختلف ریاستیں بنواتی تھیں۔ اُن کا سب سے عام جہاز "پنٹی کونٹر" کہلاتا تھا۔ یہ پچاس چپّوؤں کا باربرداری کا جہاز ہوتا تھا۔ وہ بیس چپّوؤں والی چھوٹی کشتیاں بھی تیار کرتے تھے۔ جن کے ذریعے قریب کے جزیروں کے درمیان آمد و رفت ہوتی تھی۔ یہ بحیرۂ ایجین کے ساحل کے قریب مچھلیاں پکڑنے اور اسفنج حاصل کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتی تھیں۔ گہرے رنگ کی ان کشتیوں پر ہومر کے زمانے کی علامتیں بنی ہوتی تھیں۔ اِس قسم کی کشتیاں آج بھی بحیرۂ ایجین میں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ یونانیوں کا سب سے بڑا اور مشہور جنگی جہاز "ٹرائریمز" کہلاتا تھا۔ اِس قسم کے جنگی جہازوں میں عام طور پر دو سو چپّو ہوتے تھے۔ چپّو چلانے والوں کے تین تین درجے ہوتے تھے۔ اِس جہاز کے سامنے تین کناروں والا کانسی کا ایک نیزہ بھی لگا ہوتا تھا جس کے ذریعے دشمن کے جہاز کو چیرا جا سکتا تھا۔ اِس جہاز میں فقط ایک بڑا مستول اور ایک بادبان ہوتا تھا۔ چرخی پر پھیرنے والا ایک اور مستول بھی ہوتا تھا جو جہاز کا رُخ بدلنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

جو لوگ دوسری جگہ آباد ہونے کے لئے جاتے وہ اپنے ہمراہ اپنے وطن کے ٹاؤن ہال سے متبرک آگ بھی لے جاتے تھے اور اُسے اپنے نئے گھروں کے چولھوں میں جلتی رکھتے تھے۔ یہی آگ اُن نئے شہروں کے ٹاؤن ہالوں میں بھی جلتی تھی۔ اس طرح اور بہت سے اور طریقوں سے وہ اپنے پُرانے شہروں سے اپنا رشتہ قائم رکھتے تھے۔ ہر نئی آبادی کی حکومت اُس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ نئی آبادیاں اور پُرانے شہروں کے درمیان تہذیب و تمدّن اور جذبات کا رشتہ قائم رہتا تھا۔ مگر دور دراز کی نوآبادیوں میں رہنے والے لوگ بھی اپنے آپ کو یونانی ہی سمجھتے تھے اور یونان کو اپنا وطن خیال کرتے تھے۔

گال یا موجودہ فرانس کے جنوبی ساحل پر نوشین لوگوں نے مارسیلیا کی

نوآبادی قائم کی - جسے اب مارسیلز کہتے ہیں - یہ جگہ جلد ہی مغربی دنیا کی بڑی تجارتی منڈی بن گئی - سپین اور بحیرہ روم کے بہت سے اور جزیروں پہ کئی اور نوآبادیاں بھی قائم کی گئیں - یونانی لوگ ان نئی نوآبادیوں میں زیتون اور انگور بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور آیونین قوانین اور آرٹمیس کا مذہب بھی - چنانچہ ان تمام نئے شہروں میں اس دیوتا کے مندر تعمیر کئے گئے - ساتویں صدی قبل مسیح کے وسط میں چالسس کے لوگوں نے موجودہ نیپلز کے قریب ایک آبادی قائم کی - رومیوں نے اسی نوآبادی کے لوگوں سے یونانی حروف تہجی اور لکھنے کا فن سیکھا، جو تھوڑی سی تبدیلی کے بعد یورپ کے تمام ملکوں میں استعمال ہونے لگا - ان ہی لوگوں سے رومیوں نے اپولو کا مذہب بھی سیکھا -

۷۳۰ ق-م کے قریب کورنتھ کا رہنے والا ایک شخص آرچیاس جو اس سے پہلے یونان کے مغربی ساحل پر کورسیرا (کورفو) میں ایک نئی آبادی قائم کرچکا تھا سسلی چلا گیا اور وہاں سیراکیوز کا شہر آباد کیا - جلد ہی سیراکیوز یورپ کا سب سے زیادہ آباد اور مضبوط شہر بن گیا - سپارٹا کے لوگوں نے جینا اور ایگری گینٹم کی بستیاں قائم کیں، جہاں سے وہ فونیقیوں کے سب سے مشہور شہر کارتھیج کی منڈیوں میں زیتون کے تیل اور شراب کا چاندی سے تبادلہ کیا کرتے تھے - اٹلی کے پشت پا میں سپارٹا کے لوگوں کی ایک اور بستی ٹارنیٹم تھی - جس کے ساتھ ایک عمدہ بندرگاہ بھی موجود تھی - اُس زمانے میں اٹلی کے جنوبی حصے میں اس قدر یونانی آباد ہوئے کہ اُسے میگنا گریشیا کا نام دیا گیا -

اب یونانی بحیرۂ روم کے کنارے کنارے دور تک پھیل چکے تھے - جب وہ مغرب کی طرف اور آگے بڑھے تو انھیں کارتھیج فونیقی اور اٹرسکن لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا - اُس زمانے میں کارتھیج خود بھی نئی آبادیاں قائم کررہا تھا اور

جنوبی اٹلی اور سسلی میں اپنی طاقت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ اس لئے یونانیوں اور کارتھیج والوں میں مقابلہ ناگزیر ہوگیا۔

لیکن اس وقت بڑا خطرہ مشرق سے تھا جہاں بہت قدیم اور طاقتور سلطنتیں موجود تھیں۔ یونان کے لئے مشرق کی طرف آگے بڑھنا ناممکن تھا۔

۵۵۰ ق۔م میں مغربی ایشیا کا سب سے بڑا ملک لیڈیا تھا۔ اس کا صدر مقام سارڈس تھا۔ وہاں کا بادشاہ کروسس کہلاتا تھا۔ یونان کے آیونیا کے بہت سے شہر اُس ریاست میں شامل تھے جن کو کروسس فتح کرچکا تھا۔ یہ بادشاہ بہت عقل مند، مہربان اور بڑا دولت مند تھا۔ لیڈیا کے لوگ بھی بڑے خوش اخلاق اور یونانیوں جیسے تھے۔ لیکن بعض باتوں میں وہ ایشیا کے لوگوں سے زیادہ قریب تھے۔ ایران کے بادشاہ سیرس نے لیڈیا پر حملہ کیا اور اُسے فتح کرلیا۔ سیرس تمام ایشیائے کوچک پر قابض ہوگیا اور اُس نے اسے ایرانی سلطنت کا ایک حصہ بنالیا۔ اس کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا کیمبیس ایران کے تخت پر بیٹھا لیکن وہ صرف سات برس حکمرانی کرسکا اس کے بعد اس کا ایک اور رشتہ دار ڈیریس یا دارا تخت نشین ہوا۔

ڈیریس ایک قابل حکمران، فوجی حکمت عملی کا ماہر اور اچھا منتظم تھا۔ اُس نے اپنی سلطنت کے مختلف حصّوں کو آپس میں ملانے کے لئے سڑکیں تعمیر کرائیں جن میں سے سب سے بڑی سڑک وہ تھی جو اس کے دارالسلطنت سوسا سے لیڈیا کے مغربی صدر مقام سارڈس تک جاتی تھی۔ یہ سڑک ایک ہزار پانچسو میل لمبی تھی۔ آہستہ آہستہ اُس کی سلطنت مغرب میں مشرقی بحر روم اور مشرق میں وسطی ایشیا تک پھیل گئی۔ دارا اب لاکھوں، کروڑوں انسانوں کا آقا تھا۔ اس وقت یونان میں سیکڑوں آزاد شہری، اور خودمختار ریاستیں مختلف باتوں میں ایک دوسرے کا

مقابلہ کرنے میں مصروف تھیں ان میں ایتھنز اور سپارٹا سب سے بڑی اور ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ ایتھنز کے طاقتور بحری بیڑے کی وجہ سے سپارٹا اور کورنتھ کی ریاستیں اُس سے حسد کرتی تھیں۔ لیکن ایرانی خطرہ اب بہت قریب پہنچ چکا تھا اور اس خطرے کی وجہ سے کچھ عرصے کے لئے ایتھنز اور سپارٹا کی ریاستیں متحد ہوگئیں۔

شہنشاہ دارا کے ماتحت آیونیا کے یونانی شہروں کو اپنا مذہب، اپنے قوانین اور رسم و رواج برتنے کی پوری آزادی تھی۔ ہر شہر کی ایک مقامی حکومت بھی موجود تھی اور لوگ اپنے معاملات کا خود انتظام کرتے تھے۔ لیکن اُن کے اوپر ایران کے بادشاہ کا مقرر کیا ہوا ایک حاکم بھی ہوتا تھا جو اس بات کی نگرانی کرتا تھا کہ شہر پورا خراج ادا کرتا رہے، وہاں کے لوگ ایرانی حکومت کے وفادار رہیں اور ضرورت پڑنے پر فوج اور بحری بیڑے میں خدمات انجام دیں۔ اِس طرز حکومت کو دوسرے علاقوں کے لوگ کافی پسند کرتے تھے لیکن آیونیا کے یونانی جو آزادی کے دیوانے تھے اسے سخت نفرت سے دیکھتے تھے۔ ۴۹۹ ق م میں انھوں نے ایران کے خلاف بغاوت کردی۔

اس بغاوت کا آغاز شہر ملیٹس سے ہوا۔ اس کے بعد ایک ایک کرکے دوسرے شہروں نے بھی ایرانی حکمرانوں کو نکال باہر کیا۔ اور پرانے یونانی شہروں سے امداد طلب کی گئی۔ سپارٹا نے مدد دینے سے انکار کردیا۔ لیکن ایتھنز نے بیس جہاز بھیجے اور الیوبا میں ایریٹریا کی چھوٹی ریاست نے پانچ جہاز روانہ کئے ان جہازوں کی مدد سے ایرانی سلطنت کے شمال مغربی صدر مقام سارڈس پر حملہ کیا گیا۔ قلعے کے سوا قریباً سارا شہر فتح ہوچکا تھا کہ ایک مکان کی گھاس پھوس کی چھت کو اتفاقاً آگ لگ گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ سارا شہر جل کر راکھ ہوگیا۔

اب محاصرہ اٹھالیا گیا اور ایتھنز اور اریٹریا کے لوگ اپنے شہروں کو واپس چلے گئے۔ لیکن سارڈس خاک ہوچکا تھا۔ ہیروڈوٹس ہمیں بتاتا ہے کہ اس خبر کا دارا پر کیا اثر ہوا؟ وہ لکھتا ہے کہ "ایران کا شہنشاہ آیونین لوگوں سے تو واقف تھا اور انھیں پوری پوری سزا دینے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا اور وہ بھی اس سزا سے بچنے کی کوئی اُمید نہ رکھتے تھے۔ لیکن وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ ایتھنز کے باشندے کون ہیں۔ جب اُسے اُن کے متعلق بتلایا گیا تو اُس نے اپنی کمان مانگی اور اس میں ایک تیر رکھ کر آسمان کی طرف چلادیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے دیوتا اور مزدو سے التجا کی کہ وہ اُسے انتقام لینے کی توفیق دے۔ تب اُس نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ وہ دن میں تین بار اُس سے کہا کرے کہ "میرے آقا ایتھنز کے باشندوں کو نہ بھولنا"۔

ڈیریس نے چار سال کے عرصے میں آیونیا کے تمام باغی شہروں کو فتح کرلیا۔ اُس نے ملیٹس کے شہر کو نہایت سخت سزا دی۔ مردوں کو قتل کردیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بناکر سوسا بھیج دیا گیا۔ اور شہر کو ہموار کردیا گیا۔ ملیٹس کا جو حشر ہوا اُسے دیکھ کر یونان کے لوگ بہت خوفزدہ ہوگئے۔ ایتھنز کو معلوم تھا کہ اس کے بعد اُس کی باری ہے۔

اُنھیں دنوں ایتھنز میں ایک بہت بڑے آدمی کو (۴۹۳ تا ۴۹۲ ق.م) آرچن چنا گیا۔ اُس کا نام تھیمس ٹاکلز تھا۔ یہ شخص ریاست کی حفاظت کے لئے مکمل جنگ کا حامی تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ سمندر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ایک بحری بیڑے کا تیار کرنا کس قدر ضروری ہے۔ اُس نے اس کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ جمہوریہ ایتھنز کی تمام جماعتیں اُس کی مدد پر آمادہ ہوگئیں۔ اِس وقت ایک بڑا قابل جرنیل ایتھنز واپس آیا۔ وہ ملتیاڈیز تھا جو ڈیریس کے تحت کام

کرچکا تھا اور اُس کی جنگی حکمت عملی سے خوب واقف تھا۔ اُسے جرنلوں کی جماعت میں شامل کرلیا گیا۔ آیونین بغاوت بہت مہنگی ثابت ہوئی تھی۔ لیکن اُس وقت یونان کے لوگوں کو تیاری کرنے سوچنے اور متحد ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ مگر اب کے زیادہ وقت نہ تھا کیونکہ ڈیریس اپنی ایرانی فوج کے ہمراہ حملے کے لئے روانہ ہوچکا تھا۔

یونان کو فتح کرنے کے لئے ایرانیوں نے ایک چھوٹی اور دو بڑی فوجیں روانہ کیں۔ پہلے حملے میں اُنھیں ناکامی ہوئی۔ اس موقع پر ڈیریس نے اپنے داماد ماڈونیس کے ماتحت دو سو جنگی جہاز روانہ کئے تھے۔ مگر جب یہ بحری بیڑہ موئٹ ایتھوس کے پاس سے گزر رہا تھا تو ایک زبردست طوفان آیا اور یہ سب کے سب جہاز تباہ ہوگئے۔

دو سال بعد ڈیریس نے پھر طاقت آزمائی کی ٹھانی۔ سب سے پہلے اُس نے اپنے پیغام بر، یونانی شہروں اور جزیروں میں بھیجے کہ وہ خود بخود اُس کی اطاعت قبول کرلیں اور بطور ثبوت کے اپنی ریاست کی تھوڑی سی مٹی اور پانی پیش کریں کچھ جزیروں اور چند شہروں نے اطاعت قبول کرلی لیکن ایتھنز اور سپارٹا نے انکار کردیا۔

سوار اور پیدل فوج کو لے کر ایرانیوں کے چھ سو جہاز بحیرۂ ایجین میں سے مغرب کی طرف ایریٹریا کی طرف بڑھے کیونکہ ایریٹریا نے بھی آیونین بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ چھ دن کے محاصرے کے بعد بعض یونانیوں نے شہر کے دروازے دشمن کے لئے کھول دیئے۔ ایرانیوں نے شہر کو لوٹنے کے بعد اُس کے مندروں کو آگ لگادی اور لوگوں کو غلام بناکر ڈیریس کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد یہ بحری بیڑا اٹیکا کے مشرقی ساحل پر میراتھان کی طرف بڑھا جو ایتھنز سے صرف بیس میل کے

فاصلے پر ہے۔ ایتھنز نے سپارٹا کو ایک ایلچی بھیجا۔ یہ سب سے تیز دوڑنے والا نوجوان فیڈیپائیڈز تھا جس نے ۱۴۰ میل کا سفر ۴۸ گھنٹوں میں دوڑ کر طے کیا اور ایتھنز کا پیغام سپارٹا تک پہنچا دیا۔ خط میں لکھا تھا کہ "سپارٹا کے باشندو! ایتھنز تمہاری مدد مانگتا ہے۔ انتظار کرنے میں بے کار وقت ضائع نہ کرنا کیونکہ ایک نہایت قدیم شہر عنقریب وحشی قوم کی غلامی میں آنے والا ہے" لیکن سپارٹا کے لوگ اُس وقت ایک مذہبی تہوار منا رہے تھے جس کے متبرک قوانین کے مطابق وہ پورے چاند سے پہلے حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے۔ اُنھوں نے لکھ کر بھیج دیا کہ ہم پورے چاند کے بعد جس قدر جلد ہو سکے گا پہنچیں گے۔ مگر بڑے بڑے واقعات پورے چاند کا انتظار نہیں کرتے۔ ایرانی بیڑا اس سے پہلے ہی میراتھان کی خلیج میں پہنچ چکا تھا۔ شہر ایتھنز کے گرد پناہ کے لئے کوئی دیوار بھی نہ تھی اور بچاؤ کا کوئی قدرتی ذریعہ بھی نہ تھا۔

۴۹۰ ق۔م میں ایک موسم گرما کے ابتدائی دنوں کی ایک دوپہر تھی جب گیارہ یونانی جرنیل میراتھان کے میدان کے قریب ایک پہاڑ کے دامن میں جہاں سے سمندر بھی دکھائی دیتا تھا مشورے کے لئے جمع ہوئے۔ ان جرنیلوں میں کیلیمیکس کمانڈرن چیف تھا۔ سوال یہ درپیش تھا کہ کیا دس ہزار آبادی کے شیدائی ڈیریس کے ایک لاکھ آزمودہ کار سپاہیوں کا مقابلہ کریں، جو نیچے میدان میں خیمے ڈالے ہوئے پڑے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ایتھنز بلکہ سارے یونان اور ایک لحاظ سے پورے یورپ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔

اس سوال کے جواب میں ملٹیاڈیس نے جواب دیا "ہاں۔ ایک ہزار بار ہاں" لیکن دوسرے جرنیل پس و پیش میں پڑ گئے۔

بوٹیا کے ایک ہزار سپاہیوں کے سوا باقی نو ہزار ایتھنز کے فوجیوں نے ایرانی

حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ وہ اپنے ارادے کے پکّے تھے۔ انھوں نے ہر قسم کی تیاری کی اور سمندر کے قریب کے میدان میں وہ ایک لمبی قطار میں پھیل گئے۔ اس کے بعد کیلیمیکس نے پھر ایک مجلس قائم کی۔ جرنیلوں کی جماعت میں اختلافِ رائے پیدا ہوگیا۔ پانچ فوراً لڑنا چاہتے تھے۔ پانچ انتظار کی رائے دیتے تھے۔ ملٹیاڈیس نے پھر ایک بار بہادرانہ حملہ پر زور دیا۔ اور کمانڈر چیف نے یہ بات مان لی۔ ملٹیاڈیس نے دشمن پر حملہ کرنے کے لئے اپنے سپاہیوں کو ایک لائن میں کھڑا کردیا۔ اُن کی یہ لائن تقریباً اسی قدر لمبی تھی جتنی کہ ایرانی سپاہیوں کی تھی۔ لیکن ایران کے سپاہیوں کی تعداد قلب میں بڑی مضبوط تھی مگر میمنہ اور میسرہ میں مضبوط نہ تھی۔ یونانی صف میں زیادہ مضبوط سپاہی میمنہ اور میسرہ میں رکھے گئے تھے اور قلب میں اُن کی تعداد بہت کم تھی۔

حملے کا اشارہ ہوا۔ اور یونانی فوجیں آگے بڑھنے لگیں۔ جب وہ زور سے چلّاتے ہوئے آگے دوڑے تو ایرانیوں نے خیال کیا کہ یونانی شاید پاگل ہوگئے ہیں۔ وہ بھی لڑائی میں شامل ہوگئے اور انھوں نے یونانیوں کے قلب لشکر کو فوراً توڑ دیا اور سپاہیوں کا پیچھا کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن اس وقت یونانی فوج کے دونوں بازو بڑی احتیاط سے چکّر کھاکر اُن کے پیچھے پل گئے۔ اور اس طرح دشمن کو اس کے جہازوں سے علیحدہ کردیا۔ انھوں نے ایرانی فوج کے قلب کو بالکل تباہ کردیا اور بہت سے ایرانی وہیں کھیت رہے۔ دوسرے سپاہی اپنے جہازوں کی طرف بھاگے مگر ایتھنز کے سپاہیوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ کئی جگہ انھیں دست بدست لڑنا پڑا۔ بہت سے ایرانی جہاز بھی ہاتھ آئے۔ اس طرح ایرانیوں کو مکمل شکست ہوئی۔ اُن کا بحری بیڑہ ایشیا کی طرف واپس چلا گیا۔ جب پُورا چاند ہوا تو سپارٹا کے دوہزار سپاہی ایتھنز آئے اور

میراتھانا میں میدانِ جنگ دیکھنے کے لئے بھی گئے۔ وہ ایتھنز کے سپاہیوں کی بہادری اور مستقل مزاجی کی تعریف کرتے ہوئے سپارٹا کو واپس چلے گئے۔ اس وقت ایتھنز کے سپاہیوں میں یونان کا مشہور شاعر ایس کلیس ایتھنز واپس آگیا اور اپنے المیہ ڈرامے لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

اگرچہ یہ کوئی بڑی شکست نہ تھی لیکن میراتھان کی لڑائی میں اس طرح ناکامی ہونے سے ایران کے شہنشاہ کے رعب اور دبدبے میں بڑا فرق آگیا اور اُس کے وقار کو بڑا دھکا لگا۔ چنانچہ اُس کی سلطنت میں جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگیں۔ لہٰذا دارا کے لئے یونان کو فتح کرنا نہایت ضروری تھا۔ اب اُس نے خشکی اور سمندر کے راستے فوج لے کر خود یونان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ خوش قسمتی سے اسی وقت مصر میں ایک بغاوت ہوگئی جس نے ایرانیوں کو دس سال تک مصروف رکھا۔ انھیں دس سال میں ایتھنز کے مستقبل کا فیصلہ ہو گیا۔ انھیں دنوں سنوین کی کانوں میں چاندی بہت زیادہ مقدار میں حاصل ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ روپیہ بطور منافع کے تمام شہریوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن تھیمس ٹاکلز نے ایتھنز کے لوگوں کو اس بات پر منالیا کہ یہ روپیہ بحری بیڑے کی تعمیر پر خرچ کیا جائے، کیونکہ اُسے یقین تھا کہ ایرانی دوبارہ ایتھنز پر حملہ کریں گے چنانچہ بحری بیڑہ ٹھیک وقت پر تیار کر لیا گیا۔

پھر ایسا ہوا کہ دارا کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد زرکسیز تخت پر بیٹھا جو ایک کمزور اور مغرور بادشاہ تھا۔ اُس نے اپنے باپ سے ورثے میں صرف ایک ہی چیز پائی تھی اور وہ تھی ایتھنز کے لوگوں سے انتقام لینے کی خواہش۔ زرکسیز اپنی لاتعداد فوج سے یونان پر چھاجانا چاہتا تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے باپ کی خواہش کو پورا کرنے کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ تھی

اُس نے بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاری شروع کی اور اپنی سلطنت کے ۴۶ باجگذار ملکوں کی مدد سے ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا۔ ایشیا سے ہیلسپونٹ تک جانے کے راستے پر سامانِ رسد کے بڑے بڑے ذخیرے قائم کئے گئے۔ کوہ ایتھوس کی اُس خاکنائے پر جہاں سمندر سخت طوفانی ہوتا ہے اور جہاں بارہ برس پہلے اُس کے باپ کے بہت سے جہاز تباہ ہو چکے تھے، زرکسیز نے ایک نہر کھدوائی اور اُس کے انجنیئروں نے ہیلسپونٹ پر کشتیوں کا ایک پُل تیار کیا تاکہ اُس کی فوج آسانی سے گزر سکے۔ آخرکار اُس کی تمام فوج سارڈس میں جمع ہوئی۔ ایرانی شہنشاہ سارڈس ہی میں تھا کہ خبر ملی کہ ہیلسپونٹ کا پُل طوفان سے تباہ ہوگیا ہے۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ زرکسیز نے غصے میں آکر حکم دیا کہ تمام انجنیئروں کے سر قلم کردئے جائیں اور سمندر پر لعنت بھیجی جائے اور تین سو بار کوڑے مارے جائیں۔ اس کے بعد اُس نے کشتیوں کا ایک نیا پُل بنوایا، جسے مضبوط رسّوں سے باندھا گیا اور اُس کے اوپر لکڑی کے تختے بچھائے گئے۔ اُس کے دونوں کناروں پر بڑی بڑی دیواریں بنادی گئیں تاکہ گھوڑے لہروں کی آواز سے نہ ڈریں۔

اس عرصے میں یونان کی تمام شہری ریاستوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس کورنتھ میں منعقد ہوئی۔ یونان کے لئے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ خیال تھا کہ زرکسیز موسمِ بہار کے شروع میں حملہ آور ہوگا۔ اُس کا مقابلہ کرنا ضروری تھا۔ لیکن اُس کا مقابلہ کہاں اور کیسے کیا جائے، اور کون مقابلہ کرے۔ یہ تھے وہ اہم مسائل جن پر غور کرنے کے لئے یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔

اس نازک موقعے پر ایتھنز اور سپارٹا آپس میں مل گئے اور یونان کی ریاستوں میں پہلی بار ملک کے مشترکہ دشمن کے مقابلے میں مل کر لڑنے کا خیال پیدا ہوا تھیمس ٹاکلز نے بحری اور بری فوج کی کمان سپارٹا کے حوالے کردی اور ایک جنگی

منصوبہ تیار کیا جس کے مطابق یونانی ریاستوں کا تین سو جنگی جہازوں کا بیڑا ایوبا کے شمال میں آرٹیمیشن کے مقام پر ایرانی بیڑے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوگیا اور سپارٹا کا بڑا کمانڈر لیونیڈاس خشکی کے راستے تھرموپلی کے درّے کی حفاظت پر متعین کیا گیا۔ سپارٹا اپنی تربیت یافتہ فوج کے ساتھ خشکی پر لڑائی میں پورا حصّہ لینے کے لئے تیار تھا۔

سمندر سے بچنے کے لئے زرکسیز نے اپنی فوجوں کو یونان کے شمالی ساحل کے ساتھ لانے کا فیصلہ کیا۔ اِس دوسالہ جنگ کی لمبی کہانی کو ہیروڈوٹس نے بہت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ ۴۸۰ ق-م کا ہے۔ جب تیاری مکمل ہوچکی تو زرکسیز سارڈس سے روانہ ہوا اور راستے میں بحیرۂ ایجین کے دوسری طرف کے ملکوں کے سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کرتا ہوا آگے بڑھا۔

جب ایرانی فوج ہیلسپونٹ پر پہنچی تو سمندر کو عبور کرنے سے پہلے زرکسیز نے اپنی فوجوں کا جائزہ لینے کے لئے وہاں تھوڑی دیر قیام کیا۔ اِس وقت وہ سنگِ مرمر کے ایک اونچے تخت پر بیٹھا تھا اور گردو پیش دور تک ایرانی فوج پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کے بحری بیڑے کے جہاز تعداد میں اس قدر زیادہ تھے کہ اُن سے سمندر کی ساری سطح ڈھکی ہوئی تھی۔ اگلے دن طلوعِ آفتاب کے وقت زرکسیز تختِ شاہی پر بیٹھا جو آبنائے کے بالکل کنارے رکھا گیا تھا اور سورج کی طرف رُخ کرکے سونے کے ایک پیالے میں سے تھوڑی سی شراب قربانی کے طور پر سمندر میں گرائی، اور خداوندِ شمس سے دعا مانگی کہ یونان کو سزا دینے کے راستے میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ اب اُس کی فوج کی لمبی قطار پُل پر سے گزرکر تھریس کے میدان کی طرف بڑھنے لگی۔ زرکسیز اپنی فوج کی گنتی کرنے کے لئے وہیں ٹھہر گیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اس کی فوج کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ سپاہیوں کو ایک ایک کرکے گننا ناممکن تھا

چنانچہ دس دس ہزار کے دستے بنائے گئے اور ان کو بادشاہ کے معائنے کے لئے پیش کیا گیا۔ اِس طرح ۱۷۰ دستے زرکسیز کے سامنے سے گزرے۔

مقدونیہ سے گزرکر ایرانی فوج جنوب کی طرف مڑی اور راستے میں فصلوں کو جلاتی اور شہروں کو تباہ و برباد کرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ ایرانی فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ راستے میں آنے والے دریاؤں کے پانی اُن کے پینے سے خشک ہوجاتے تھے۔ فوج کے آگے آگے ایرانی نقیب ہوتے تھے جو شہروں کو اطاعت قبول کرنے کی نشانی کے طور پر اُن سے تھوڑی سی مٹی اور پانی مانگتے تھے اور راستے میں آنے والے شہر ایک ایک کرکے اطاعت قبول کرتے جاتے تھے۔ اس طرح شمالی علاقے کی تمام رکاوٹیں ختم ہورہی تھیں۔ یہ حملہ آور فوج آخرکار اُس جگہ پہنچی جسے تھرموپلی کہتے ہیں۔ تھرموپلی کے معنی 'گرم دروازے' کے ہیں۔ یہ سمندر اور پہاڑ کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے، جسے یونان کا دروازہ کہا جاسکتا ہے۔ ایرانیوں نے وہاں لیونیڈاس کو سپارٹا کے تین سو نوجوانوں کے ساتھ راستے کی حفاظت کرتے ہوئے پایا۔ اُن کے پیچھے پیلوپونیس بوٹیا اور فوشیا کے پانچ ہزار سپاہی تھے۔

زرکسیز نے اپنے خیمے اُس جگہ نصب کئے جسے مالِس کہتے ہیں۔ اِس وقت دونوں فوجوں کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ زرکسیز کا خیال تھا کہ جب اُس کی فوجیں اور زیادہ تعداد میں وہاں جمع ہوجائیں گی تو یونانی خود ہی خوفزدہ ہوکر بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ اُس کی بے شمار فوج کے سپاہی چار دن تک اس تنگ راستے میں جمع ہوتے رہے۔ یونانیوں نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ ایران کے جاسوسوں نے خبر دی کہ سپارٹا کے سپاہی یونانی فوجوں میں سب سے آگے ہیں اور وہ ذرہ بھر بھی خوفزدہ یا مایوس نہیں معلوم ہوتے، اس کے برعکس وہ تفریحی کھیلوں میں مصروف ہیں، ورزش کرتے ہیں اور بڑی بے فکری سے اپنے لمبے بالوں میں کنگھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

جیسا کہ لڑائی سے پہلے ان کا قاعدہ تھا۔ زرکسیز کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی
اُس نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور کہا کہ یونانی سپاہیوں کو زندہ پکڑ کر
اُس کے سامنے لایا جائے۔ وہ خود اپنے تخت پر بیٹھ کر لڑائی کا تماشہ دیکھنے لگا
پورے دو دن تک وہ اپنے تخت پر بیٹھا یہ عجیب نظارہ دیکھتا رہا کہ یونانی اُس کی
فوج کے سپاہیوں کو پیچھے ڈھکیل رہے ہیں اور درّے پر بدستور یونانیوں کا قبضہ ہے۔
بادشاہ اس عرصے میں غصّے میں آکر تین بار اپنے تخت سے نیچے کودا لیکن کچھ حاصل
نہ ہوا۔ اس کے بعد افیالٹس نامی ایک یونانی ایرانیوں کے پاس پہنچا اور اُس نے اُن
کو، کوہ کیلن ڈرومن پر سے گزرنے والا پوشیدہ راستہ بتادیا۔ رات کے وقت لیونیڈاس
کو یہ اطلاع پہنچی کہ دشمن کی فوجیں اُن کے عقب میں جمع ہورہی ہیں۔ صبح کے
وقت اُس نے ایک ہزار فوشین، سات سو تھیسپین، تھیبنیز اور تین سو سپارٹا کے
نوجوانوں کے علاوہ سب کو رخصت کردیا۔ اس حالت میں کہ وہ سامنے اور پیچھے سے
دشمن کے حملے کا انتظار کررہے تھے، انھیں بتایا گیا کہ اب اُن کے لئے بچ کر نکلنے
کا کوئی راستہ نہیں ہے اور یہ کہ دشمن کی تعداد اِس قدر زیادہ ہے کہ جب وہ تیر
چلائیں گے تو سورج چھپ جائے گا اور آسمان تاریک ہوجائے گا، تو ان بہادروں نے
جواب میں کہا " یہ بہت اچھی بات ہے۔ ہم سائے میں لڑیں گے۔"

ایرانیوں نے آخرکار اُن کو گھیرلیا۔ اُن کے افسر اپنے سپاہیوں کو تازیانے مار
مار کر آگے بڑھنے کے لئے مجبور کر رہے تھے اور دوسری طرف اُن کا مقابلہ تھوڑے سے
آزاد اور نڈر سپاہی کر رہے تھے جو اپنی آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا فیصلہ
کرچکے تھے۔ لیونیڈاس مارا گیا۔ سپارٹا کے سپاہیوں نے اُسے کندھوں پر اُٹھالیا اور
پیچھے ہٹ کر اُسے اُس چھوٹی سی پہاڑی پر لے گئے جو اِس درّے کے ساتھ ہے
اب وہ یہاں کھڑے ہوگئے اور نہایت بہادری سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ درّے کی

حفاظت کے لئے دو جوانوں کے سوا کوئی زندہ نہ رہا۔ اس طرح انھوں نے اپنے ملک سے محبت اور فرض شناسی کا جو مظاہرہ کیا وہ تاریخ کی کتابوں میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

اب ایرانی بغیر کسی رکاوٹ کے بوشیا کے علاقے میں سے گزر کر ایتھنز کی طرف بڑھنے لگے۔ حملہ آوروں نے راستے کے تمام علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ شہر ایک ایک کر کے اُن کی اطاعت قبول کر رہے تھے اور اب ایتھنز سخت خطرے میں تھا۔ ایتھنز والوں نے اپنے سفیر ڈلیفی کے دارالاستخارہ میں بھیجے تو ان کو یہ جواب ملا کہ "لکڑی کی دیواروں پر بھروسہ کرو اور زمین کے آخری کنارے تک بھاگ جاؤ"۔ پھر بھی ایتھنز کے لوگ ہار ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ جب سپارٹا نے جو ایتھنز کی طرح مقابلے کے لئے تلا ہوا تھا یہ تجویز پیش کی کہ اُس کی فوجوں کو پیچھے ہٹ کر فقط پیلوپونیس کی حفاظت کرنے کی اجازت دی جائے تو بھی ایتھنز کے باشندے اپنے عزم پر مضبوطی سے قائم رہے۔ جب زرکسیز کے سفیر ایتھنز میں پہنچے اور انھوں نے شہریوں کے سامنے بہت نرم شرائط پیش کیں بشرطیکہ وہ اطاعت قبول کر لیں، تو بھی ایتھنز کے لوگ اپنی بات پر اڑے رہے اور انھوں نے جواب دیا کہ "زرکسیز سے جاکر کہہ دو کہ جب تک سورج اپنے محور پر گردش کرتا ہے، ایتھنز کے باشندے زرکسیز سے کوئی سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں"۔

ڈلیفی میں ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ زیوس ایک لکڑی کی دیوار پالاس ایتھینا کے لئے بھیج رہا ہے جو تماری اور تمہارے بچوں کی حفاظت کرے گی"۔ اس غیبی پیغام کی تعبیر پر کافی بحث ہوئی۔ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کے معنی جہاز ہیں۔ دوسرے اس کا مطلب اُس لکڑی کے جنگلے سے لیتے تھے جو ایتھنز کے قلعے کے گرد بنایا گیا تھا۔ لیکن تھیمس ٹاکلز ایتھنز واپس آگیا اور اُس

کی بات کو سب نے مان لیا - اُس نے کہا کہ غیبی آواز میں لکڑی کی دیواروں سے
صرف جہاز مراد ہیں - اُس نے لوگوں کو رائے دی کہ وہ جہازوں میں بیٹھ کر قریب
کے جزیرے سالامس میں اُتر جائیں - جب تک اُن کا بحری بیڑا دشمن کا مقابلہ
کرسکتا ہے، وہ اس جگہ حفاظت سے رہ سکتے ہیں -

یونانیوں کا بحری بیڑا جنگی سامان سے اچھی طرح لیس تھا اور اُس کے
بحری سپاہی بھی بہت ہوشیار تھے - وہ تعداد میں تو ایرانی بیڑے سے بہت چھوٹا تھا
لیکن کارکردگی میں ایرانیوں پر سبقت رکھتا تھا - دراصل ایتھنز کی تقدیر کا انحصار
اسی بیڑے پر تھا اور مہذب دنیا کا بچاؤ بھی -

ایرانی ایتھنز میں داخل ہوئے تو انھوں نے شہر کو بالکل خالی پایا - سوائے
اُن چند سورماؤں کے جنھوں نے لکڑی کے جنگلے میں پناہ لی تھی' وہاں کوئی نہ
تھا - اُن لوگوں پر جلتے ہوئے تیر چلائے گئے' اور جلدی سارے شہر میں شعلے
بھڑکنے لگے - زرکسیز نے اپنے دارالسلطنت سوسا کو پیغام بھیجا کہ سارڈس کی شکست
کا انتقام لے لیا گیا ہے - قریب ہی سالامس میں اپنے جہازوں میں بیٹھے
ہوئے ایتھنز کے لوگ اپنے مکانوں اور مندروں کے شعلے دیکھ سکتے تھے - اُن
کے سکاؤٹوں نے آکر خبر دی کہ ایرانی بیڑا قریب کی خلیج فیلران میں لنگر انداز ہے -

اب اس کے بعد تاریخ کا ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا -
یونان کی بری فوج خاکنائے میں مقیم تھی - فوج کی حفاظت کے لئے خاکنائے کے
ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہ عجلت ایک دیوار بنادی گئی تھی - اکثر بحری
کپتانوں کی یہ رائے تھی کہ یونانی بیڑے کو سالامس سے وہاں لے آیا جائے - کیونکہ
انھیں خطرہ تھا کہ وہاں ایرانی جہاز جو تعداد میں یونانی جہازوں سے کہیں زیادہ تھے'
یونانیوں کو گھیرے میں لے لیں گے - تھیمس ٹاکلز اس رائے سے متفق نہ تھا - وہ

جانتا تھا کہ یونانی جہاز جن میں دو تہائی کے قریب ایتھنز کے تھے، دشمن کے بیڑے سے اس تنگ سمندر میں قدرے کامیابی سے لڑ سکتے ہیں کیونکہ تنگ سمندر میں دشمن کے بڑے بڑے جہاز آزادی سے نقل و حرکت نہیں کرسکتے اور نہ ایسی جگہ میں ایرانی جہازوں کی کثرت کارگر ہوسکتی تھی۔ اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اگر بیڑا ہٹالیا گیا تو ایتھنز کے اُن پناہ گزینوں کے لئے جو پیچھے رہ جائیں گے، قتل و غارت اور غلامی کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ تھیمس ٹاکلز کا خیال تھا کہ سالامس کے تنگ سمندر میں یونانی بحری بیڑے کے لئے دشمن پر فتح پانے کا قوی امکان ہے اس کے برعکس خاکنائے کے قریب اُن کا بیڑا اکٹھا نہ رہ سکے گا اور انھیں یقیناً شکست ہوگی۔ چنانچہ اُس نے سپارٹا کے سپہ سالار یوری بائیڈیز کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سب بحری کپتانوں کو بلاکر اس معاملے پر بات چیت کرے۔ یوری بائیڈیز مان گیا۔ پیشتر اس کے کہ یہ سوال جنگی کونسل کے سامنے پیش ہو۔ تھیمس ٹاکلز نے تقریر شروع کردی اور اس بات پر زور دیا کہ سالامس کے تنگ سمندر میں لڑائی کی جائے۔ اُسے بار بار ٹوکا گیا لیکن وہ اپنی بات کہتا چلا گیا۔ یکایک یوریبائیڈیز سخت غصّے میں آگیا اور اس نے مارنے کے لئے اپنی چھڑی اُٹھائی۔ اُس وقت تھیمس ٹاکلز چلّایا "پہلے میری بات سُن لو اُس کے بعد تم چاہو تو مار سکتے ہو"۔ اُس نے کپتانوں کو متنبّہ کردیا کہ اگر تم سالامس میں ٹھہر کر لڑنے کے لئے تیّار نہ ہوگے تو ایتھنز کے لوگ اپنے جہازوں میں بیٹھ کر اٹلی چلے جائیں گے اور وہاں نیا وطن بنالیں گے۔ یہ سُن کر یوریبائیڈیز نے سالامس میں ٹھہرنے کی تجویز مان لی۔

اب یہ مسئلہ تھا کہ کس طرح زرکسیز کو اُس تنگ سمندر میں لڑنے پر اُکسایا جائے۔ تھیمس ٹاکلز نے یہ مسئلہ بھی بڑی آسانی سے حل کرلیا۔ اُس نے

ایک ایسا دوستانہ پیغام بھیجا، جس کا ایرانیوں کے ہاتھ میں پڑنا ناگزیر تھا۔ اس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یونانی بیڑا عنقریب سالامس سے بھاگنے والا ہے خط میں لکھا تھا کہ یونانی رات کے اندھیرے میں فرار کریں گے۔ یہ فرار خلیج کی مغربی سمت سے ہوگا۔ اب اگر ایرانیوں نے یہ راستہ روک لیا تو پورا یونانی بیڑا نرغے میں آجائے گا۔

زرکسیز اس چال میں پھنس گیا۔ اُسے اپنے بیڑے کے بےشمار جہازوں پر بڑا اعتماد تھا اور وہ فتح کے لئے بہت بے قرار تھا۔ اُس نے اپنے بیڑے کا ایک حصّہ خلیج کے مغربی دہانے کی طرف بھیج دیا اور باقی بیڑا خشکی اور سالامس کے جزیرہ نما کے درمیانی تنگ سمندر میں ایک جگہ جمع کردیا۔ اس طرح ایرانی بیڑا پیٹالیا کے چھوٹے سے جزیرے کی وجہ سے دو حصّوں میں بٹ گیا۔ زرکسیز اپنے نیزہ بازوں کے پہرے میں ایک پہاڑی پر تخت بچھاکر بیٹھ گیا، جہاں سے وہ آبنائے کا مشرقی حصّہ دیکھ سکتا تھا۔ اُس کے محرّر بھی اُس کے قریب ہی موجود تھے، تاکہ وہ اس عظیم فتح کے واقعات کو فوراً اپنے روزنامچوں میں درج کرلیں۔ مغرب میں بے شمار لوگ دوسروں کی نظر سے اوجھل انتظار میں کھڑے تھے۔ کیونکہ ان کی قسمت کا فیصلہ اس جنگ میں ہونے والا تھا۔ وہ ایتھنز کے ہزاروں پناہ گزین تھے، جو اپنی جان اور آبرو کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

صبح کا وقت تھا۔ ایرانی جنگی بیڑا اب یونانیوں کو اُس تنگ جگہ میں گھیرنے کے لئے آگے بڑھا۔ یونانی جنگی جہاز بھی لڑنے کے لئے آگے آئے۔ ایرانی جہازوں کی کثرت سے سالامس کی تنگ آبنائے بالکل بھر گئی اور اتنی جگہ بھی نہ رہی کہ وہ آزادی سے حرکت کرسکیں یا کوئی کارگزاری دکھاسکیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ پھنس گئے۔ اپنی زیادہ تعداد کی وجہ سے اُن میں سخت ابتری

پھیل گئی - پیشتر اس کے کہ وہ خلیج کے زیادہ کھلے حصّے میں جا سکتے، یونانی جہاز اُن پر جھپٹ پڑے - یونانی سپاہی ایرانی جہازوں پر چڑھ گئے اور انھیں آگ لگا دی - ایرانیوں کو اپنے جہازوں کی طرف بھاگنا پڑا جس سے اُن کا اور زیادہ نقصان ہوا - ایسے موقعے پر بڑے بڑے جہاز اور اُن کے ہتھیار سب بے کار ثابت ہوئے - انھیں دست بدست لڑنا پڑا - ایرانی جہاز آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو یونانی اُن پر آگ پھینکتے - زرکسیز کی آنکھوں کے سامنے اُس کے دوسو سے زیادہ جہاز غرق کر دیئے گئے - جو بچے رہے اُن میں آگ لگادی گئی -

شام ہوتے ہوتے لڑائی کا انجام ظاہر ہوگیا - یونانی سپاہی سر پر کفن باندھ کر لڑنے نکلے تھے - اب انھیں خود اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا، اگرچہ انھیں اس بات کی پوری توقع تھی کہ لڑائی ایک بار پھر ہوگی لیکن فوری خطرہ دور ہوچکا تھا - رات کی تاریکی میں ایرانی فوج کے بچے کھچے جہاز ہیلسپونٹ کی طرف بھاگ گئے - زرکسیز بھی اسی خشکی کے راستے جس سے آیا تھا وطن واپس روانہ ہوگیا اور اپنے داماد مارڈونیس کو ایک بڑی فوج کے ہمراہ تھسلی میں موسم سرما گزارنے کے لئے چھوڑ گیا - مارڈونیس کو ۴۷۹ ق-م میں بوٹیا کے علاقے میں پلیٹیا کی جنگ میں شکست ہوئی اور وہ مارا گیا - یہ فتح سپارٹا والوں کی مستقل مزاجی کے سبب حاصل ہوئی -

اس کے بعد زرکسیز نے یونان کو فتح کرنے کی دوبارہ کوشش نہیں کی - ایتھنز اور سپارٹا نے آخرکار تمام مغربی دُنیا کو بچالیا -

---

ساتواں باب

عہدِ زرّیں

(۴۷۹ ق۔م تا ۳۶۲ ق۔م)

ایران کے مقابلے میں اس قدر شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد یونانیوں کے دلوں میں اپنی قومی بڑائی کا ایک نیا احساس پیدا ہوگیا۔ اب انھیں آزادی کا اصل مفہوم معلوم ہوا۔ سپارٹا کو اس سے پہلے کبھی اِس قدر شہرت حاصل نہ ہوئی تھی۔ ایتھنز نے اُس وقت جبکہ اُسے صاف اپنی تباہی نظر آرہی تھی ہار ماننے سے انکار کردیا تھا اور نہایت غیر معمولی جرأت سے کام لے کر مقابلے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔ ملک کی آزادی کی خاطر لڑائی جاری رکھنے کے لئے اُس نے اپنے شہر کو بھی خیرباد کہہ دیا تھا۔ اُس مستقل مزاجی کی بدولت اُس کی بحری طاقت بدستور قائم رہی۔ اب ایران کو اپنے بچاؤ کی فکر تھی۔

اسی زمانے میں جنوبی اٹلی میں رہنے والے یونانیوں نے کارتھیج کے باشندوں اور ایٹرسکن لوگوں کو جو جنوبی اٹلی کی یونانی بستیوں کو لوٹنے کے ارادے سے آئے تھے شکست دی۔ اس طرح یونانی بحیرۂ روم میں سب سے زیادہ طاقتور قوم بن گئے

جب ایتھنز کے لوگ اپنے کنبوں کو لے کر اٹیکا میں واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ سارا ملک تباہ و برباد ہوچکا تھا، اور ایتھنز کھنڈروں میں تبدیل تھا۔ انھوں نے شہر کو دوبارہ تعمیر کرنا اور شہر کے گرد ایک دیوار بنانا شروع کیا۔

ایک دیوار کئی سال پہلے بھی شروع کی گئی تھی لیکن وہ ابھی ادھوری تھی کہ ایرانیوں کا حملہ ہوگیا۔

اہلِ ایتھنز کی خواہش تھی کہ پہلے کی نسبت اب کے زیادہ چوڑی اور مضبوط دیوار بنائی جائے۔ سپارٹا نے انھیں اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور سفیر روانہ کئے کہ وہ دیوار کی تعمیر روک دیں۔ اہلِ سپارٹا کو بظاہر یہ اندیشہ تھا کہ اگر ایرانیوں نے دوبارہ حملہ کرکے ایتھنز کو فتح کرلیا تو وہ اس فصیل بند شہر کو کہیں بطور قلعے کے استعمال نہ کریں۔ لیکن تھیمس ٹاکلز مخالفت کی وجہ سے بخوبی واقف تھا۔ اُس نے کام کو جلد ختم کرنے کے لئے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی دیوار کی تعمیر میں لگا دیا۔ یہاں تک کہ دیوار مکمل ہوگئی۔ اِس کام کو جس عجلت سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی اُس کا اندازہ اس دیوار کے باقی ماندہ حصّوں کو دیکھنے سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بنانے میں جو چیز بھی انھیں مل گئی اُسے استعمال کرلیا گیا۔ پتھر، ٹوٹے ہوئے ستون، جو چیز بھی ہاتھ آئی وہ دیوار میں لگادی گئی۔ شہر کو بندرگاہ کے ساتھ مستقل طور پر ملائے رکھنے کے لئے تھیمس ٹاکلز نے پیریس کی قلعہ بندی بھی شروع کردی۔ تینوں بندرگاہوں کے گرد مضبوط دیوار بنادی گئی۔ پانی میں بنی ہوئی مضبوط دیواریں بندرگاہ کے راستے کی حفاظت کرتی تھیں۔ شہر اور بندرگاہ کو دوسو گز چوڑے اور پانچ میل لمبے ایک راستے سے ملادیا گیا تھا اور اس کے ارد گرد پندرہ فٹ موٹی پتھر کی ایک دیوار بنائی گئی تھی۔

لیکن جونہی ان دیواروں کی تعمیر کا کام ختم ہوا تھیمس ٹاکلز کو جلا وطن کردیا گیا۔ اُس پر ایرانیوں کے ساتھ ساز باز رکھنے کا الزام لگایا گیا لیکن یہ تہمت ثابت نہ ہوسکی۔

شہر ایتھنز دوبارہ آباد ہوگیا ۔ اُس کے رہنے والے پھر حسب سابق زندگی بسر کرنے لگے اور اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے ۔ اب اُن کے جذبات اور خیالات پہلے سے بھی زیادہ بلند تھے، اور اُن کے دل میں ہر مشکل کام کو کرنے کا حوصلہ پیدا ہوچکا تھا ۔ ایشیائے کوچک کے ساحل اور جزیروں کے بہت سے شہر جو جہاز رانی کے بڑے ماہر تھے، اِس وقت تک ایرانی حکومت کے ماتحت تھے ۔ لیکن یونان کے ہاتھوں ایرانی شکست کے بعد انھوں نے ایرانی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے ایک اتحاد قائم کیا اور سپارٹا سے رہنمائی کی درخواست کی۔ لیکن یہ ریاست ہمیشہ محتاط رہتی تھی ۔ چنانچہ اُس نے اُن کی کوئی مدد نہ کی ۔ اُس وقت ایتھنز نے آگے بڑھ کر اُن کی قیادت قبول کی اور اپنی تمام طاقت اور ذرائع اِس مہم کے لئے استعمال کرنے شروع کردئے ۔

۴۷۸ ق۔م میں ڈیلاس کے جزیرے کو ڈیلین لیگ کا صدر مقام بنا دیا گیا ۔ یہ لیگ موجودہ زمانے کے اٹلانٹک پیکٹ سے زیادہ مختلف نہ تھی اور اس کے مقاصد بھی کچھ اسی قسم کے تھے ۔ اب یہ چھوٹا سا جزیرہ سارے آیونین یونانیوں کی مذہبی پرستش کا مرکز بھی بن گیا ۔ اس لیگ کی کونسل کے جلسے اسی جگہ ہوتے اور اس کا روپیہ اسی جگہ مندر میں جمع رکھا جاتا ۔ تمام ریاستوں کو ووٹ دینے کا مساوی حق حاصل تھا اور لیگ کے خزانے اور اُس کے بحری بیڑے میں بھی اس کا حصہ تھا ۔ ان میں ہر ایک ممبر ریاست ، ہر سال جہازوں اور نوجوانوں کی ایک مقررہ تعداد اپنی طرف سے پیش کرتی تھی اور اگر وہ چاہتے تو اس کے عوض روپیہ بھی ادا کرسکتے تھے ۔ ان میں سب سے بڑا بحری بیڑا ایتھنز کا تھا جس کے پاس اِس وقت دو سو جنگی جہاز تھے ۔

پھر ڈیلین لیگ کا صدر مقام ایتھنز ہوگیا اور اس اتحاد کو بھی تبدیل

کر کے ان ریاستوں کی ایک لیگ بنائی گئی جو ایتھنز کے ماتحت تھیں۔ بحری بیڑا بھی اُسی کے پاس رہا اور تمام خزانہ بھی اسی کے سپرد کردیا گیا۔ دولت کی فراوانی کے باعث لوگوں کو تفریح کا زیادہ موقع ملنے لگا اور انھوں نے معاشرتی فرائض کی طرف بھی زیادہ توجہ شروع کی۔ کارہائے نمایاں کا وقت آگیا تھا۔ خوش قسمتی سے یونان کو ایک مناسب شخص بھی مل گیا۔

یہ شخص پیرکلیز تھا جو ایک عظیم سیاستدان، عوام کا رہنما فنونِ لطیفہ کا سرپرست تھا۔ وہ اپنے عہد کے مقاصد اور مزاج کا بہترین نمائندہ تھا۔ وہ ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوا تھا لیکن جمہوریت کا حامی تھا۔ اُس نے تیس سال تک ایتھنز کی رہنمائی کی۔ ۴۶۱ ق۔م سے ۴۲۹ ق۔م تک (جبکہ اُس کا انتقال ہوا) اسمبلی میں اُس کی قیادت مسلم رہی اور کوئی اُس کا حریف نہ تھا۔ اُس نے ریاست کی معاشرتی زندگی کو ازسرِنو ترتیب دیا۔ یہاں تک کہ سب سے بڑی مذہبی عدالت کے اختیارات کو بھی کم کر دیا۔ اُس نے کونسل، اسمبلی اور تمام عدالتوں کی ہیئت بدل دی۔ آخرکار اُس نے ایک نیا آئین وضع کیا، اور اسمبلی سے ایک ایسا قانون پاس کرایا جس کے مطابق جیوری کے ممبروں اور تمام سول ملازمین کو تنخواہ ملنے لگی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ہر شہری حکومت کا کوئی نہ کوئی کام سر انجام دے۔

پیرکلیز نے سب سے پہلے یونانی شہری ریاستوں کی ایک کانگریس بلائی اور انھیں یہ رائے دی کہ آپس میں مل کر اُن مندروں، متبرک مقامات، اور یادگاروں کو درست کریں جو جنگ میں تباہ ہوچکی تھیں، تاکہ دیوتا یہ سمجھیں کہ وہ شکرگزاری کے طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔ جب دوسرے شہروں نے آپس میں مل کر کام کرنے سے انکار کردیا، تو اُس نے شہر ایتھنز کی تعمیر بطورِ خود

شروع کردی ۔ اس کام کے لئے اُس نے ڈیلین لیگ کے اُس خزانے کو استعمال کیا جو اس وقت ایکرو پولس یا ایتھنز کے متبرک قلعے میں جمع تھا۔ جن لوگوں نے اس بات پر اعتراض کیا اُن کو اُس نے یہ جواب دیا کہ ہمارے شہر کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں اور ہم ایتھنز کو سب سے زیادہ شاندار شہر بنانا چاہتے ہیں۔ اُسے خوبصورت چیزوں کا بڑا شوق تھا۔ اس کے اپنے گھر میں کئی بُت تراش، شاعر اور فلاسفر مقیم رہتے تھے ۔ اٹیکا کے طرز کی بُت تراشی کا بڑا ماہر فیاڈیاس اُس کا بڑا دوست تھا ۔ شہر ایتھنز کو دوبارہ تعمیر کرنے اور اسے ایک شاندار شہر بنانے کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا اُس کی نگرانی کا کام پیریکلیز نے اس بت تراش کے سپرد کر دیا۔

بیس سال کے عرصے میں ایکرو پولس کا ڈھلواں پہاڑ ایتھینا دیوی کے مندروں، یادگاروں اور دوسری عظیم الشان عمارتوں سے بھر گیا۔ مندر سفید سنگِ مرمر کے تھے اور ان کو شوخ رنگوں سے رنگا گیا تھا۔ اٹیکا کی روشن فضا میں یہ عمارتیں بے حد خوبصورت اور شاندار معلوم ہوتی ہوں گی اور بلند پہاڑوں اور نیلے سمندر کے ساتھ بڑی بھلی دکھائی دیتی ہوں گی۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایتھینا پرو ماچوس کا ایک بڑا مجسمہ بنایا گیا۔ اہلِ یونان کے عقیدے کے مطابق یہ دیوی جنگ کے موقع پر سب سے آگے ہوتی تھی۔ اس کا یہ مجسمہ اس قدر اونچا تھا کہ دیوی کی خود کی سنہری کلغی اور اس کے چمکتے ہوئے نیزے کی نوک اٹیکا کے جنوبی کنارے کے جہاز رانوں کو بھی دکھائی دیتی تھیں۔ چاندنی راتوں میں یہ مجسمہ روشنی کا مینار معلوم ہوتا تھا۔ اِس سے آگے دنیا کی نہایت مشہور عمارت تھی جسے پارتھینون کہتے ہیں۔ اس کے ارد گرد ڈورِک ستونوں کا ایک ایوان بنا تھا جس کی بلندی ۳۴ فٹ تھی۔ یہ سارا مندر سفید سنگ مرمر کا تھا۔

اور فیاڈیاس نے اسے مجسموں سے سجایا تھا۔ اُس کا شاہکار ایتھینا دیوی کا وہ مجسمہ تھا جو پارتھینون کے مندر میں رکھا تھا۔ ایتھنز کے باشندے اُسے ایتھینا دیوی کا حقیقی اوتار تصور کرتے تھے جو شہر کی حفاظت کے لئے وہاں کھڑا تھا۔

ایکروپولس کے مغرب میں وہ جگہ تھی جسے نِکس کہتے تھے۔ یہ ایک کھلے تھیٹر کی مانند تھی جسے پہاڑ کی چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ اس جگہ ہر مہینے ایک بار ایتھنز کی قانون ساز مجلس کا اجلاس ہوتا تھا۔ یہ اسمبلی جس میں شہر کے تمام لوگ شامل ہوتے تھے ریاست کی واحد آئین ساز جماعت تھی۔ یہ مجلس جس شہری کو چاہتی اُسے حکومت کے لئے چُن سکتی تھی۔ چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک شخص ایک مہم میں جرنیل منتخب ہوتا اور دوسری میں فقط معمولی سپاہی کی خدمات انجام دیتا کیونکہ جرنیل اور امیرالبحر سال بہ سال چُنے جاتے تھے۔ کسی کا دوبارہ چُنا جانا ممنوع نہ تھا بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ حکومت کرنا اور محکوم ہونا ایتھنز کی جمہوریت کا بنیادی تصور تھا۔

اگر کوئی شخص شہر میں مغرب کی طرف سے داخل ہوتا تو اُسے سب سے پہلے کاریگروں کے بازار میں سے گزرنا ہوتا جہاں برتن بنانے والوں، جوتے بنانے والوں، رسّے تیار کرنے والوں، دھوبی، ٹوکریاں بنانے والوں سے لے کر ڈھالے اور نیزے بنانے والوں اور سونے اور ہاتھی دانت پر کام کرنے والوں کی دکانیں تھیں۔ ان میں سے ہر شخص خود اپنا کاروبار کرتا تھا۔ صرف اس کے چند شاگرد اُس کی تھوڑی بہت مدد کرتے تھے۔ یونانی لوگ فن کو "ٹیکنی" کہا کرتے تھے۔ انگریزی کا لفظ ٹیکنیکل اسی سے نکلا ہے۔ عام طور پر ایک پیشے کے لوگ ایک ہی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا مذہب اور رسم و رواج بھی ایک جیسے ہوتے تھے اور وہ اکثر شہر کے ایک خاص حصے میں رہتے تھے۔

برتن بنانے والوں کے محلے کو سیرامیکس یا قبروں کا بازار کہتے تھے۔ برتن بنانے کی صنعت قدیم یونان کے ہر دور میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ کیونکہ ہر شہر میں ایسے برتن تیار ہوتے تھے جو برآمد کئے جاتے تھے۔ یہ خوبصورت برتن دنیا کے ہر حصے میں پہنچتے تھے۔ اس وقت ہمارے عجائب گھروں میں اٹیکا، کورنتھ اور میلواش کے بنے ہوئے آرائشی برتنوں سے زیادہ قیمتی شاید ہی کوئی اور چیز ہو۔ برتن بنانے والے کے ساتھ ایک اور مشہور فن کار ضرور ہوتا تھا، جو ان آرائشی برتنوں یا پھول دانوں پر نقش و نگار بناتا تھا۔ وہ عام طور پر ان برتنوں پر دیوی اور دیوتاؤں کی تصویریں یا یونان کی روز مرہ زندگی کے متعلق تصویریں بنایا کرتا تھا۔ سرخ مٹی کے برتنوں پر یہ تصویریں سیاہ اور سفید رنگ سے بنائی جاتی تھیں۔ ان دونوں قسم کے فن کاروں کو اپنے کام پر بڑا ناز تھا اور وہ اکثر اپنے برتنوں پر اپنا نام لکھا کرتے تھے۔ مثلاً "مجھے ایپیٹی موس نے بنایا" "مجھ پر ڈورس نے رنگ کیا" "مجھ پر ایگس نے تصویریں بنائیں" وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات ان برتنوں پر کچھ اور الفاظ بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں مثلاً "پیئو اور خوش رہو" یا "آپ کا جام صحت"۔ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ کوئی دو برتن ایک دوسرے سے ملتے نہ تھے۔

یونان میں بہت سے ناٹک گھر تھے۔ ایتھنز میں ڈایونیسس کا تھیٹر ڈرامے کے فن کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ یونانی زبان کے چوٹی کے ڈرامے سب سے پہلے اسی تھیٹر میں دکھائے جاتے تھے۔ اس تھیٹر پر کوئی چھت نہ تھی اور یہ تقریباً گول تھا جس میں ایکروپولس کی جنوبی ڈھلان میں چٹان کو کاٹ کر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ ڈایونیسس کے تہوار کے موقع پر تینوں دن ہر روز لوگ صبح سویرے اس تھیٹر میں جمع ہو جاتے تھے۔ اس میں پندرہ ہزار نشستیں تھیں۔ البتہ کمر کو سہارا دینے کے لئے کوئی ٹیک نہ ہوتی تھی، اور نشستیں تنگ اور سخت تھیں۔

کچھ چٹان کو کھود کر بنائی گئی تھیں اور دوسری پتھر سے تیار کی گئی تھیں۔ چنانچہ لوگ اپنے ساتھ دوسرے سامان کے علاوہ بیٹھنے کے لئے گدّے بھی لایا کرتے تھے۔ پہلی قطار مجسٹریٹوں، آرچنوں، مذہبی رہنماؤں اور دوسری ریاستوں کے سفیروں کے لئے مخصوص ہوتی تھی۔ مرکزی نشستوں پر ڈالونیسیس کا پروہت بیٹھتا تھا۔ ایتھنز کے اس تھیٹر میں بیٹھے ہوئے لوگ جنوب کی طرف چار پانچ میل تک کھلے میدان اور ساحل سمندر کو دیکھ سکتے تھے۔

کھیل دوپہر کے بعد ختم ہوتا تھا۔ اُس وقت تماشائی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ اور پھر اگلے دن صبح سویرے دوسرے ڈراموں کو دیکھنے کے لئے پہنچ جاتے تھے۔ درحقیقت یہ تہوار ڈراما نگاری اور اداکاری معیار جانچنے کے لئے ہوتا تھا چنانچہ بہترین ڈراما نویسوں اور اداکاروں کو انعام ملتا تھا۔ المیہ ڈرامے کے بعد ہمیشہ ایک طربیہ ڈرامہ دکھایا جاتا یا کوئی مزاحیہ کھیل پیش کیا جاتا۔ تہوار کے اختتام پر کھیلوں کا فیصلہ وہ جج کرتے جن کو سب شہریوں نے مل جل کر چُنا ہوتا تھا۔ اِس لحاظ سے یہ فیصلہ سارے شہریوں کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

یونان میں المیہ ڈرامہ کا موجد اور بانی تھیپس تھا۔ اسی بنا پر ڈرامے یا سٹیج سے تعلق رکھنے والوں کو " تھیپین کہتے ہیں۔ یہ مشہور ڈرامہ نویس ۵۳۵ ق۔م کے قریب گزرا ہے لیکن ڈرامے کا حقیقی موجد ایس کیلس تھا جو ۵۲۵ ق۔م اور ۴۵۶ ق۔م کے درمیان گزرا۔ اِس نے اپنے ڈراموں میں دوسرے ایکٹر کا اضافہ کیا۔ اکٹھے مل کر گائے جانے والے گانوں کی اہمیت کو کم کیا اور زیادہ زور مکالموں پر دیا۔ ڈرامہ میں کردار بہت کم ہوتے پھر بھی اُس نے آسیر پرومیتھیس جیسا عظیم ڈراما لکھا اور کھیلا۔ ایس کیلس میراتھان میں پیدل فوج کے ساتھ لڑ چکا تھا۔ اس کا طرزِ تحریر بہت پُر شوکت اور سنگلاخ تھا۔ اُس نے ستر ڈرامے لکھے اور تیرہ دفعہ

اعلیٰ ڈرامہ لکھنے کا انعام پایا۔ " پرومیتھیس " ایرانی " ایگا میمنان " اور " کوئے فورز " اس کے بہترین ڈرامے خیال کئے جاتے ہیں۔

یونان کا دوسرا عظیم ڈرامہ نویس سوفوکلیز ہے جو ۴۹۶ ق۔م اور ۴۰۶ ق۔م کے درمیان گزرا۔ وہ ایتھنز کا رہنے والا تھا۔ بعد کی جنگوں میں اُس نے فوج کی کمانداری بھی کی۔ اُس نے ڈراموں میں تیسرے ایکٹر کا اضافہ کیا اور رنگین پردوں کو رواج دیا۔ اُس کے طرزِ تحریر میں طمانیت اور سکون کا احساس ہوتا ہے اور اُس کی عبارت زیادہ تراشی ہوئی ہے۔ اُس کے بے شمار کھیلوں میں سے صرف سات ہم تک پہنچے ہیں اور ان میں سے 'اینٹی گونی' اور 'ایڈی پس ریکس' شاید سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ تیسرا ڈرامہ نویس یوری پیڈیز ہے جو ۴۸۰ ق۔م اور ۴۰۶ ق۔م کے درمیان گزرا۔ اسے یونان کا سب سے بڑا المیہ شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے تقریباً ۷۲ ڈرامے لکھے جن میں سے صرف ۱۸ ملتے ہیں۔ اس کے کئی ڈراموں میں واقعات بڑی تیزی سے رونما ہوتے ہیں اور ان میں انسانی دلچسپی اور زندگی کی عام باتوں کا زیادہ ذکر ہے۔ اُس کے مشہور ڈراموں میں میڈیا، دی ٹروجن وُومن، الیکٹرا اور الیسٹ ٹیز اور ایفی گینیا ہیں۔ یہ ڈرامے بےحد سنجیدہ اور فکر انگیز ہیں۔

ان کے بعد ایتھنز کا ایک اور بڑا مصنف آتا ہے جس کے ڈرامے انسان اور اس کی دنیا کی مختلف چیزوں، جس سوسائٹی میں وہ زندگی بسر کرتا تھا اُس کے مختلف پہلوؤں اور کھیل کود کے متعلق ہیں۔ یہ شخص اریسٹوفینز تھا جس نے طربیہ ڈرامے لکھے، کہا جاتا ہے کہ اُس نے ۵۴ ڈرامے لکھے لیکن ان میں سے صرف گیارہ اِس وقت تک موجود ہیں۔ یہ ڈرامے زیادہ تر طنزیہ ہیں جن میں اُس نے اپنے زمانے کے بڑے لوگوں کا مذاق اُڑایا ہے اور اُن پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ بعض ڈراموں میں حکومت کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں اور جنگ اور امن کے زمانے کے کچھ اہم مسئلوں

کا ذکر بھی ہے۔ اس کے ڈرامے نفاست اور بھونڈا پن ، حاضر جوابی اور بیہودگی کا مجموعہ ہیں۔ اُس کے ڈراموں میں سے "دی کلاؤڈز" "دی برڈز" "دی واسپز" اور "دی فراگز" زیادہ مشہور ہیں۔ یہ ڈرامے عام طور پر المیہ ڈراموں کے بعد دکھائے جاتے تھے اور ڈایونیسیس کا بڑا تہوار اُن پر ختم ہوجاتا تھا۔

یونان کے لوگ ابتدا ہی سے ورزشی کھیلوں کے بے حد دلدادہ تھے۔ آج ہم ورزشی کھیلوں میں جو اس قدر دلچسپی لیتے ہیں تو یہ اُنہی کی وجہ سے ہے۔ انگریزی لفظ اتھلیٹکس یونانی زبان کے لفظ "ایتھلان" سے نکلا ہے جس کے معنی مقابلہ یا وہ انعام ہے جو کھیل کے موقعے پر دیا جاتا تھا۔ اس قسم کے جسمانی کرتب اور کھیل یونانی نوجوان لڑکوں کی تعلیم کا حصہ تھے اور یونانیوں کی روز مرہ کی زندگی میں شامل تھے۔

امیر لوگ گھوڑے رکھتے تھے اور گھوڑدوڑوں میں حصہ لیتے تھے۔ عام طور پر گھوڑوں کو رتھوں میں جوت کر دوڑایا جاتا تھا۔ گھوڑوں کے پالنے اور انھیں تربیت دینے پر بے شمار روپیہ صرف کیا جاتا تھا۔ ہومر رتھوں کی ایک دوڑ کا حال بیان کرتا ہے جو ایکلیز کے دوست پٹروکلس کے جنازے پر ماتمی جلسے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ دو گھوڑوں یا چوکڑی کی دوڑیں عام تھیں اور قومی کھیلوں کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھیں۔ عورتوں کو ان کھیلوں میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی، انھیں دیکھنے کی بھی ممانعت تھی پھر بھی اس بات کا ذکر آتا ہے کہ بعض عورتیں رتھوں کی دوڑوں کے لئے گھوڑے رکھتی تھیں اور بعض اوقات انعام حاصل کرتی تھیں۔ بسا اوقات ایک دوڑ میں چالیس پارٹیاں حصہ لینے کے لئے اپنے نام دیتی تھیں۔ رتھ چلانے والے عام طور پر پیشہ ور ہوتے تھے۔ آج کل کی طرح اُس وقت بھی انعام گھوڑوں کے مالک کو ملتا تھا۔

جب شہروں کی آبادی بڑھی تو ہر جگہ لڑکوں کی تربیت کے لئے کھیل کے میدان تیار کئے گئے۔ اُن کو پالس ٹرایا یعنی اکھاڑہ کہتے تھے۔ لیکن شہر کے باہر

ایک گڑھا اور بڑی جمنیزیاؔ یا ورزش گاہ بھی ہوتی تھی ۔ یہ جگہ عام طور پر کسی ندی کے کنارے اور درختوں کے سائے میں بنائی جاتی تھی جہاں موسم گرما میں ٹھنڈک رہتی ۔ اس کے ارد گرد سڑکیں ہوتی تھیں، جن کے کناروں پر درخت ہوتے تھے ۔ میدان کے چاروں طرف بڑے بڑے ستونوں والے برآمدے بھی ہوتے تھے۔ اس جگہ عام شہری جسمانی ورزش کے لئے جمع ہوتے تھے ۔ اُن کے بڑے ہال کمروں میں بحث مباحثے بھی ہوا کرتے تھے ۔

یونانیوں کی دو کہاوتوں سے اُن کی طرزِ زندگی کے متعلق بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔ اُن کا پہلا زرّین اصول یہ تھا کہ کسی بات میں افراط نہ کی جائے اور دوسرا بڑا اصول یہ تھا " ہر بات میں اعتدال کا خیال رکھا جائے "۔ یہ لوگ خوبصورت اور توانا جسم کے بڑے قدردان تھے ۔ اُن کا خیال تھا کہ اچھا دل اور دماغ صرف صحت مند اور مضبوط جسم ہی کی بدولت حاصل ہو سکتا ہے ۔ اُن کے اس عقیدے کا اثر اُن کی روز مرّہ سے ظاہر ہوتا تھا ۔ اجتماعی کھیلوں اور تہواروں کے موقعوں پر بہترین ورزشی جسم کے نمونے پیش کئے جاتے تھے، اِس سے وہ خوبصورتی اور حُسن کا معیار قائم کرتے تھے ۔سارے یونان میں جسمانی طاقت کے مظاہرے کے بہت موقعے ملتے تھے۔ کیونکہ مذہبی تہواروں میں بھی دوڑیں اور جسمانی طاقت کے مقابلے ہوا کرتے تھے ۔ ہر شہر میں دیوتاؤں کے اعزاز میں خاص تہوار منائے جاتے تھے ۔ ان کے علاوہ بہت سے ایسے بڑے تہوار بھی تھے جن میں یونان کے سب حصّوں کے لوگ شامل ہونے کے لئے آتے تھے۔ ان میں سے سب سے مشہور اولمپک کھیل تھے ۔ جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انھیں بہادر ہیرکلیز نے شروع کیا تھا ۔ یہ کھیل پیلوپونیس کے مغربی ساحل پر ایلس میں اولمپیا کے مقام پر ہوا کرتے تھے ۔

ہر چوتھے سال پہلے پورے چاند کے موقعے پر یونان کے ہر شہر میں ایلچی

بھیجے جاتے اور تمام آزاد شہریوں کو اولمپیا آنے کی دعوت دی جاتی تاکہ وہ اُس تہوار میں حصّہ لے سکیں جو موسم کے آخر میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ ایلچی چاہے یونان، مصر، بحیرۂ اسود یا اٹلی جہاں بھی جاتے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی جاتی اور نہ صرف کھلاڑی سفر کی تیاری شروع کردیتے بلکہ اولمپیا کی مختلف رسوم میں تمام شہروں کے نمائندے بھی شرکت کرتے کیونکہ تمام شہریوں کے لئے وہاں جانا ناممکن تھا۔ ایلچی ایک عارضی صلح کا اعلان بھی کردیتے جس کی وجہ سے ہر قسم کی جنگیں اور رُک جاتیں، تاکہ اولمپیا تک خشکی اور سمندر کے راستے بغیر کسی خطرے کے سفر کیا جاسکے بڑی بڑی ریاستوں کی نمائندگی اُن کے سفیر کرتے جو بڑی شان و شوکت کے ساتھ وہاں پہنچتے۔

اولمپیا ایتھنز کے ایکروپولس یا ڈلفی کے اوریکل کی طرح ایک متبرک جگہ سمجھی جاتی تھی۔ کھیلوں کے مقابلے بڑے تہوار کا صرف ایک حصّہ ہوتے تھے۔ کھلاڑیوں کے رہنے کی عمارتیں اور مقابلوں کی جگہیں مثلاً سٹیڈین، پلیسٹرا، دی جمنیزم اور ہیوڈروم سب کی سب اُس متبرک دائرے کے باہر تھیں جن میں زیوس کا سنگ مرمر کا مندر سب سے شاندار تھا۔ اِس مندر میں فیاڈیاس کا بنایا ہوا اولمپس کے خداوند زیوس کا ایک شاندار مجسمہ بھی تھا جو اس فنکار کا سب سے بڑا شاہکار خیال کیا جاتا تھا اسے دیکھ کر لوگ کہتے تھے کہ زیوس دیوتا اس بُت تراش کو اپنی شکل دکھانے کے لئے خود زمین پر آیا ہوگا، یا فیاڈیاس آسمان پر گیا ہوگا اور اُس نے وہاں اپنی آنکھوں سے دیوتا کو دیکھا ہوگا۔

کھیل کے پہلے دن جج، تربیت دینے والے اُستاد اور سارے کھلاڑی مندر کے باہر ایک بڑی قربان گاہ کے سامنے قربانیاں پیش کرتے اور اس بات کی قسم کھاتے کہ وہ ان مقابلوں میں بغیر کسی تعصب کے نہایت منصفانہ طریقے سے حصّہ لیں گے۔

پھر تیسرے دن زیارت کرنے والوں، ججوں، پجاریوں، دوسری ریاستوں کے نمائندوں اور کھلاڑیوں کا ایک بڑا جلوس زیوس کی قربان گاہ پر پہنچتا، جہاں قربانی پیش کی جاتی اُس وقت متبرک درخت سے زیتون کی شاخیں توڑی جاتیں جن سے کھیلوں میں جیتنے والوں کے لئے تاج بنائے جاتے۔ پانچویں دن جیتنے والے کھلاڑی تاج پہنے ہوئے خود زیوس کے سامنے قربانیاں پیش کرتے۔

یونانی اولمپک کی زیتون کی شاخوں کو غیر معمولی اہمیت دیتے اور بیش بہا شے تصور کرتے تھے۔ کسی کھلاڑی کے لئے اِس شاخِ زیتون کا حاصل کرلینا زندگی کا نہایت قابلِ فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی کھلاڑی تین کھیلوں میں جیت جاتا تو اُس کا ایک مجسمہ مستقل طور پر اولمپیا میں نصب کر دیا جاتا۔ ان کھیلوں میں جیت کو ایسے طریقوں سے منایا جاتا تھا جو ان جوشیلے اور باکمال لوگوں کے شایانِ شان تھا۔ بت تراش جیتنے والوں کے مجسمے بناتے اور شاعر اُن کی تعریف میں قصیدے لکھتے لیکن ان کھلاڑیوں کے علاوہ اولمپیا میں مشہور تاریخ داں، شاعر اور فلسفی اپنی تصنیفات کے ٹکڑے بھی پڑھ کر سناتے تھے۔ اور خطیب لوگ سامعین کے سامنے تقریریں کرتے تھے۔ تھیمس ٹاکلیز اور اُس کے بعد افلاطون اور دوسرے بڑے بڑے فلسفی اولمپیا کے تیوہار میں شریک ہوتے تھے۔

پانچویں صدی قبل مسیح میں مہذب دُنیا دراصل عبارت تھی یونان سے۔ اِس میں بحیرۂ روم کے گرد و نواح کی آزاد شہری ریاستیں اور وہ سینکڑوں نوآبادیاں بھی شامل تھیں، جو بحیرۂ اسود سے ایشیائے کوچک کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب میں مصر تک اور مغرب میں اٹلی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اِس خطے سے باہر دوسری تہذیبیں بھی موجود تھیں، لیکن اُن میں سے بعض مردہ ہوچکی تھیں اور بعض دم توڑ رہی تھیں۔ اِس چھوٹی سی دنیا میں ایتھنز سب سے بڑی بحری طاقت تھا اور سپارٹا کا شمار بڑی بری

طاقتوں میں ہوتا تھا۔ ان دونوں کے گرد و نواح کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی ان کے ساتھ شامل تھیں۔ ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان قدیم زمانے کی سب سے لمبی اور نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ یہ جنگ ۴۳۱ ق م سے لے کر ۴۰۴ ق م تک تقریباً تیس سال جاری رہی۔ اس میں قریب قریب تمام یونانی ریاستوں نے حصہ لیا اور اس کے خاتمے پر یونانی دنیا تقریباً تباہ ہوگئی۔ اسے پیلو پونیسین جنگ کہتے ہیں۔ عظیم مؤرخ تھوسی ڈائیڈز نے جو ایتھنز کا جرنیل بھی رہ چکا تھا، اس جنگ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور نہایت مفصل طریقے سے اس کے سب حالات بیان کئے ہیں۔ جب جنگ شروع ہوئی تو سپارٹا کی بری فوج ناقابلِ تسخیر خیال کی جاتی تھی اور ایتھنز کی بحری طاقت اپنے پورے عروج پر تھی۔ سارا یونان نہایت شاندار اور مہذب ملک تھا۔ ان دونوں بڑی ریاستوں اور دوسری چھوٹی ریاستوں کا ایک مضبوط اور پائدار کانفیڈریشن قائم کرنے کی خواہش موجود تھی تاکہ سارا یونان ایک پُرامن ملک بن جائے۔ لیکن اس اتحاد کے بجائے ہوا یہ کہ یکایک یونان کے ہر حصے میں جنگ چھڑ گئی جو تھوڑے تھوڑے وقفوں کے ساتھ مدت تک جاری رہی۔ اس جنگ کی چنگاریاں سارے یونان، بحر ایجین کے تمام علاقوں، باسفورس کے گردونواح بوٹیا، ایشیائے کوچک، اٹلی، سسلی، پیلوپونیس کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ شمال مغربی یونان میں اور ایتھنز اور سپارٹا کے ارد گرد ہر جگہ پھیل گئیں۔ مگر اس خوفناک جنگ کی وجہ کیا تھی۔ اُس زمانے کا مورخ تھیوسی ڈائیڈز لکھتا ہے کہ جب کسی ملک کو بہت زیادہ طاقت حاصل ہوجائے، یا وہ بڑا دولتمند ہوجائے تو اُس کے دل میں اور زیادہ طاقتور اور پہلے سے زیادہ دولتمند بننے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ طاقت اور دولت کا لالچ کبھی ختم نہیں ہوگا اور آخرکار اس کا نتیجہ جنگ ہوگا چنانچہ یونان میں بھی اُس وقت جنگ کا سبب سوائے طاقت اور دولت حاصل کرنے کے کچھ اور نہ تھا۔

زیادہ طاقت نے ان لوگوں کو بگاڑ دیا تھا۔

اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ کس طرح بیس پچیس سال کے اندر ڈیلیس کا اتحاد ترقی کرتے ہوئے ایتھنز کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس سے سپارٹا کے دل میں خطرہ، حسد اور دشمنی پیدا ہوئی۔ اور جب ایتھنز نے اُن تجارتی راستوں پر بھی قابو پالیا جو جنوب میں خاکنائے کی طرف جاتے تھے اور اس کے بعد اُن بندرگاہوں پر بھی قبضہ کرلیا جو پہلے کورنتھ، ایجینا اور دوسرے شہروں کے پاس تھیں تو ان کے درمیان تجارتی رقابت بھی پیدا ہوگئی اور سپارٹا کے لوگ ایتھنز کے سخت مخالف ہو گئے۔

سپارٹا بھی یونان کی بڑی ریاستوں میں سے تھا لیکن اب اسے یہ محسوس ہورہا تھا کہ اُس کی یہ عظمت قائم نہیں رہ سکتی اور اُس کی تجارت اور اثر و رسوخ خطرے میں ہے۔ اُسے یہ بھی نظر آرہا تھا کہ وہ یونانی شہر جو ایک وقت میں بالکل آزاد تھے اب ایتھنز کے قبضے میں آتے جارہے ہیں اور اُن کی آزادی ختم ہورہی ہے چنانچہ سپارٹا نے چپکے چپکے ایک سازش شروع کی اور ڈیلین لیگ کو بغاوت کے لئے اُبھارا۔ اُس نے یونان کی آزادی کے حامی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس بات کا اعلان کیا کہ وہ تمام شہروں کو مکمل آزادی دلانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اُس کی اس کوشش سے ڈیلین لیگ ایتھنز کی سلطنت سے علیحدہ نہ ہوئی۔ اس پر سپارٹا نے خشکی کی مختلف ریاستوں کو اپنے ساتھ شامل کرکے ایک اور اتحاد قائم کیا جس کو پیلوپونیشین لیگ کا نام دیا گیا۔

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ پریکلیز نے فوراً محسوس کرلیا کہ یونان کا امن سخت خطرے میں ہے۔ اُس نے تمام ریاستوں کو اپنے نمائندے بھیجنے اور انھیں ایتھنز میں ایک اسمبلی قائم کرنے کے لئے کہا۔ لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ پلوٹارک لکھتا ہے

کہ سپارٹا کی مخالفت کی وجہ سے کسی شہر کے نمائندے اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ یونان کی مختلف ریاستوں کے درمیان اب اس قدر بد اعتمادی اور خوف پیدا ہوچکا تھا کہ وہ لوگ جو اس سے پہلے اپنے عمل اور اپنی گفتگو میں بالکل آزاد تھے اب آزادی کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے ڈرتے تھے۔ کسی ملک کے لئے اس سے زیادہ بدنصیبی کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ آخرکار پرکلیز نے حالات کا پوری طرح سے جائزہ لینے کے بعد جنگ کی تیاری شروع کردی۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ آزادی ہمیشہ لڑکر حاصل کی جاتی ہے۔ آزادی کی حفاظت نہایت ضروری ہے اور اگر آزادی چھن جائے تو اسے پھر لڑکر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ابھی ملک کی دو بڑی طاقتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے بجائے ایک دوسرے کی حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھیں اور موقع کی منتظر تھیں کہ نوآبادیوں میں باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ ۴۳۳ ق۔م میں یونان کے مغربی ساحل کے پاس کا ایک جزیرہ کورسیرا اپنی مادرِ وطن شہر کورنتھ کے ساتھ دست و گریباں ہوگیا جو سپارٹا کا طرفدار تھا۔ اس نے ایتھنز سے امداد طلب کی۔ یہ واقعہ ایک ایسی چنگاری تھا جس سے سارے یونان میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی کیونکہ جب ایتھنز نے کورسیرا کو امداد بھیجی تو کورنتھ نے سپارٹا سے مدد کی درخواست کی۔ اس لڑائی میں ایتھنز کو فتح ہوئی لیکن اس کے بعد ہی اس قسم کی ایک اور لڑائی پوٹیڈیا میں چھڑ گئی۔ اس دفعہ پھر ایتھنز کو فتح حاصل ہوئی اور کورنتھ کی فوج کو شکست اٹھانی پڑی۔ اس شکست کی وجہ سے کورنتھ ایتھنز کا جانی دشمن ہوگیا کیونکہ ایتھنز نے جنوب میں خاکنائے کی طرف جانے والے دروں پر بھی قبضہ کرلیا تھا اور بندرگاہیں اور تجارتی راستے بھی کورنتھ سے چھین لئے تھے۔ کورنتھ نے سپارٹا سے درخواست کی کہ وہ ایتھنز کے خلاف جنگ کا اعلان کردے۔ چنانچہ سپارٹا کے طرفداروں

کی ایک کانفرنس سپارٹا میں منعقد ہوئی۔ اس وقت سپارٹا کے عقلمند کمانڈر آرچیڈاموس نے سمجھایا کہ انھیں یہ غلط فہمی نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اس جنگ کو بہت جلد جیت لیں گے۔ اس کے برعکس اُس کا خیال تھا کہ یہ جنگ بہت عرصے تک جاری رہے گی اور ان کے بعد اگلی نسل یہ لڑائی ورثے میں پائے گی۔

بالآخر بحث اور مباحثہ کے بعد پیلو پونیسین لیگ کے ممبروں نے لڑائی کا فیصلہ کرلیا۔ لیگ کے تمام ممبر سپارٹا کے طرفدار تھے جن میں کورنتھ میگارا بیٹیا کے علاوہ سارا بوٹیا بھی شامل تھا۔ سپارٹا کے پاس اپنی بھی ایک بڑی فوج تھی جسے نہایت عمدہ تربیت دی گئی تھی اور وہ دنیا کی بہترین فوج خیال کی جاتی تھی۔ وہ یقیناً ہر ریاست کو شکست دے سکتی تھی۔ ایتھنز کے بھی کچھ طرفدار تھے، اُن کی لیگ نے جنگ کے خیال سے ایک بہت بڑی رقم بھی الگ رکھ دی تھی۔ ایتھنز کے پاس کوئی ایسی بری فوج نہ تھی جو دشمن کی فوج کا مقابلہ کرسکتی۔ لیکن اُن کی بحری طاقت بڑی مضبوط تھی۔ ایتھنز نے اپنی بندرگاہ کی قلعہ بندی بھی ایسی مضبوطی سے کی تھی کہ سپارٹا اور اس کے ساتھی ایتھنز کو فتح کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاسکتے تھے۔

اب یونان کی سب سے بڑی بری طاقت اور سب سے بڑی بحری طاقت کا مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں فریق یورپ کی لیڈری کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ واقعہ ۴۳۱ ق۔م کا ہے۔ موسم گرما کا آغاز تھا اور فصلیں پک چکی تھیں۔ آخرکار لڑائی شروع ہوگئی سپارٹا کی فوجوں نے سب سے پہلے اٹیکا پر حملہ کیا اور وہ فصلوں اور پھلوں کے باغات کو تباہ کرتی ہوئی آگے بڑھیں۔ پرکلیز کے کہنے پر تمام دیہاتی ایتھنز میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس طرح وہ خود تو دشمن کی زد سے بچ گئے لیکن ان کے کھیت اور باغ محفوظ نہ رہ سکے سپارٹا کی فوجوں نے انھیں باقاعدہ طور پر تباہ و برباد کردیا۔ سپارٹا کی فوجیں ایتھنز سے چھ میل کے فاصلے تک پہنچ گئیں۔ جب وہ ایتھنز کے

گرد و نواح کے علاقے کو تباہ کر رہی تھیں تو ایتھنز کے لوگ جو شہر کی حفاظت کے لئے وہاں موجود تھے انھیں یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ سپارٹا کے لوگ صرف یہ چاہتے تھے کہ ایتھنز والے اُن کی حرکتوں سے مشتعل ہوکر لڑنے کے لئے باہر نکل آئیں۔ انہیں اس بات کا پُورا یقین تھا کہ ایتھنز کے سپاہی خشکی پر ہرگز ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اُن کا یہ خیال بالکل درست تھا۔ ایتھنز کے لوگ انھیں یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر غصّے کی وجہ سے اپنے آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ خاص طور پر نوجوان تو اس بات کے لئے سخت بے تاب تھے کہ اُنھیں اجازت دی جائے کہ وہ آگے بڑھ کر سپارٹا کے سپاہیوں کا مقابلہ کریں اور ملک کو تباہی سے بچائیں۔ اگر اُن کو میدانِ جنگ میں نکل کر لڑنے کی اجازت دے دی جاتی تو ایتھنز کی جمہوری حکومت خطرے میں پڑ جاتی۔ نوجوان سپاہی پیرکلیز کی شکایت کرتے ہوئے سُنائی دیتے تھے کیونکہ وہ انھیں آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔

پیرکلیز سارے معاملے کو پوری طرح سمجھتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ خشکی کی کوئی فوج میدانِ جنگ میں سپارٹا کی فوج کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ چونکہ سمندر پر ایتھنز کے بحری بیڑے کا قبضہ ہے اس لئے شہر کو خوراک اور دوسری ضروریات کی چیزیں آسانی سے فراہم ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ لڑائی کو لمبا کیا جائے اور براہِ راست لڑنے سے گریز کیا جائے۔ اِس حکمتِ عملی کے لئے اچھی رہنمائی، ضبط اور تحمل اور سب سے زیادہ وقت کی ضرورت تھی۔ صرف اسی طریقے پر عمل کرنے سے ایتھنز کو بچایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے بڑی سختی سے لوگوں کو لڑنے سے باز رکھا۔ البتہ خشکی پر لڑنے کے بجائے اُس نے پیلوپونیسس کے ساحل پر واقع دشمن کے شہروں پر بار بار حملے کرکے انھیں پریشان کرنے کے لئے ایک سو جنگی جہاز روانہ کردئے گئے۔ یہ جنگ کئی سال تک اسی طرح جاری رہی۔

سپارٹا والوں کا سامانِ جنگ ختم ہوگیا اور وہ موسم سرما کے شروع ہونے سے پہلے اپنے وطن واپس چلے گئے۔ ایک سال میں جس قدر لوگ جنگ میں کام آئے تھے اُن کا ایک مشترکہ جنازہ پڑھا گیا۔ اُن کی ہڈیاں ایتھنز لائی گئیں اور انھیں دس گاڑیوں میں رکھ کر ان کا ایک جلوس نکالا گیا۔ ان میں چادر سے ڈھکا ہوا ایک خالی تابوت بھی شامل تھا جو اُس "نامعلوم سپاہی" کا جنازہ تھا جس کی ہڈیاں نہ مل سکی تھیں۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازے کی تقریر بھی ہوئی، جو اب تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے اور مرنے والوں کی عظمت کی گواہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ تقریر پرکلیز کی ہے جس میں اُس نے نہایت عمدہ الفاظ میں ایتھنز کی تعریف کی ہے۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ یونان کی دوسری ریاستیں ایتھنز سے سبق سیکھ سکتی ہیں۔ یہ شہر آزاد لوگوں کا گہوارہ ہے اور اس کے رہنے والے عقل اور حُسن کی پرستش کرتے ہیں۔ جب ایتھنز کے بہادر اور نڈر لوگوں کو عمل کی دعوت دی گئی تو وہ بے خوف آگے بڑھے اور آزادی کے لئے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ وہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک نہ بھولنے والی یاد چھوڑ گئے ہیں۔

اگلے موسم بہار میں سپارٹا والوں نے پھر اٹیکا پر یلغار کی اور ایتھنز کے بحری بیڑے نے بھی سپارٹا کے ساحلی شہروں پر حملے کئے۔ لیکن موسم گرما کے ختم ہونے سے پہلے اُنھیں ایک اور خوفناک دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ طاعون کی بیماری تھی، جو ایتھنز جیسے گنجان شہر میں بہت تیزی سے پھیل گئی۔ بظاہر کسی خاص وجہ کے بغیر لوگ نہایت تیز بخار میں مبتلا ہوکر دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ شہر کے مختلف حصّوں میں مُردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ شہر کے فوّاروں کے گرد شہریوں کا ہجوم رہتا۔ وہ اپنی پیاس بجھانے وہیں آتے۔ شہر کے تقریباً ایک تہائی لوگ اِس مہلک مرض کا شکار ہوگئے۔ اب ایتھنز کے لوگ بڑے خلوص سے سپارٹا کے ساتھ صلح کرنا چاہتے تھے لیکن یہ ممکن نہیں

تھا۔ اِس مصیبت اور مایوسی میں وہ پرکلیز کے مخالف ہوگئے اور اپنی تباہی اور بربادی کا الزام اُس پر دھرنے لگے۔ چنانچہ اُس کو جرمانے کی سزا دی گئی اور عہدے سے برطرف کردیا گیا۔

اب ایسے لیڈر نمودار ہوئے جنھوں نے اپنی تقریروں سے عوام کے ادنے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی۔ کلیون ایسا ہی ایک لیڈر تھا۔ وہ بڑا سنگدل اور چالاک انسان تھا اور اسمبلی کے پلیٹ فارم سے جوش دلانے والی تقریروں کے باعث اور اپنے بازاری طرزِ عمل کی وجہ سے کافی بدنام تھا۔ ۴۲۵ ق۔م میں ایتھنز کے بیڑے نے ایک بحری جنگ میں سپارٹا کے مغرب میں ایک جزیرہ نما جسے پیلوس کہتے تھے نہایت عجیب طریقے سے فتح کرلیا اور وہاں سپارٹا کے ۴۲۰ سپاہیوں کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ اِس واقعہ سے سارا یونان حیران رہ گیا۔ سپارٹا کے لوگوں کو اس سے اس قدر مایوسی ہوئی کہ انھوں نے صلح اور دوستی کے لئے اپنے سفیر ایتھنز بھیجے لیکن کلیون اور اُس کی پارٹی نے جو جنگ چاہتے تھے اُن کی پیشکش ٹھکرادی۔ کلیون نے ایسی شرائط پیش کیں کہ سپارٹا کے سفیر مایوس ہوکر واپس چلے گئے۔ اگر اِس وقت ایتھنز میں عقلمند لیڈر اور سمجھدار لوگ برسرِ اقتدار ہوتے تو یقیناً یونان کی کہانی اس سے مختلف طریقے سے لکھی جاتی۔ لیکن کلیون جنگ پسند تھا۔ اب انقلاب اور خانہ جنگی کی آگ سارے ملک میں اِس طرح پھیل گئی کہ اُس پر کسی کا قابو نہ رہا۔ دونوں بڑے مخالف فریقوں کے طرفدار قریب اور دُور کی تمام ریاستوں اور نوآبادیوں پر حملے کرکے اُنھیں خانہ جنگی کے لئے مجبور کررہے تھے۔

آخرکار دس سال کی لگاتار جنگ کے بعد سپارٹا کے کمانڈر براسیڈاس اور کلیون دونوں کے میدانِ جنگ میں مارے جانے پر تھوڑے عرصے کے لئے لڑائی ختم گئی۔ تمام فوجیں اس لمبی اور خونریز جنگ سے تنگ آچکی تھیں جس کا انجام نظر نہ آتا تھا۔

آخر کار دس سال کی لگا تار جنگ کے بعد سپارٹا کے کمانڈر براسیڈاس اور کلیون دونوں کے میدانِ جنگ میں مارے جانے پر تھوڑے عرصے کے لئے لڑائی ختم گئی۔ تمام فوجیں اس لمبی اور خونریز جنگ سے تنگ آچکی تھیں جس کا انجام نظر نہ آتا تھا۔

اب یونانی المیہ کی جائے وقوع بدل جاتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ نئی یونانی آبادیاں قائم ہوگئی تھیں اور بہت سے نئے شہر آباد ہوگئے تھے۔ مشرق میں جنگ لگاتار جاری تھی۔ لیکن مغرب میں نسبتاً امن ہونے کی وجہ سے سسلی اور اٹلی کی نوآبادیاں بہت مالدار ہوگئی تھیں۔ ان میں سب سے امیر اور طاقتور سیراکوز کا شہر تھا جو کورنتھ والوں کی نوآبادی تھا۔ وہاں کے حاکم عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے اُن کے دربار میں مشاہیر کا جمگھٹا لگا رہتا جو دور دور سے وہاں آتے اور سرفراز ہوتے۔ ایتھنز کا ایسکی لس اور تھیبز کا پنڈار بھی انھیں میں شامل تھے۔ سیراکوز مغرب کا ایتھنز کہلاتا تھا۔

لیکن غرور اور طاقت کے گھمنڈ میں سیراکوز بھی کورنتھ کا حلیف بن کر عرصے تک ایتھنز کے خلاف لڑتا رہا اور دوسروں کو بھی ایتھنز کے طرفدار شہروں سے لڑنے کے لئے مدد دیتا رہا۔ سیراکوز کے متکبرانہ طرزِ عمل کی وجہ سے اُس کے بہت سے دشمن پیدا ہوگئے جن ریاستوں پر اُس نے قبضہ کرلیا تھا وہ اُس کے ظالمانہ برتاؤ اور اپنی آزادی کے چھن جانے کی وجہ سے اُس سے سخت نفرت کرنے لگیں ایتھنز جو ان میں سے بعض ریاستوں سے چار سو میل سے بھی زیادہ دور تھا ان کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا اور اسے بھی سیراکوز کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خطرہ محسوس ہورہا تھا۔ ایتھنز اب ان ریاستوں سے آسانی سے اناج درآمد نہ کرسکتا تھا اور اُس کی اپنی بحری طاقت کو بھی سیراکوز کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔

ایتھنز میں اب مختلف سیاسی پارٹیاں برسراقتدار آنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں، اور ہر شخص اِس ریاست کا لیڈر بننے کا خواہش مند تھا۔ اس وقت ایک خوش پوش اور نہایت چالاک شخص ایلسی بائیڈیز نے تمام طاقت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اُس کا سب سے بڑا مخالف جرنیل نیسیاس تھا جو ایک امن پسند، معتدل مزاج مذہب کا پابند اور بڑا ایماندار شخص تھا اور اُس کی خوبیوں کی وجہ سے لوگ اُس کی ان خوبیوں کی وجہ سے لوگ اُس کی عزت کرتے تھے۔ لیکن اُس میں وہ طاقت اور فیصلہ کرنے کی قوت نہ تھی جو اِس خطرے کے وقت ضروری تھی۔ ان حالات میں اب اُسے ایک ایسے شخص کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا جو ہر لحاظ سے اُس کی ضد تھا۔ ایلسی بائیڈیز ایک نوجوان، امیر، خوبصورت اور ذہین شخص تھا۔ اُس کے گرد وپیش اکثر ایسے خوشامدی جمع رہتے تھے، جن کی جھوٹی تعریفوں سے اُس کو اس بات کا یقین ہوچکا تھا کہ ملک کو اِس وقت اُسی کی ضرورت ہے، اور وہ پریکلیز سے بھی بڑا ثابت ہوگا۔ وہ سقراط کا بڑا دوست تھا اور اُس کی تعلیم کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ لیکن سقراط کی نصیحتوں کے باوجود وہ اپنے خیالات کو تبدیل نہ کرسکا۔ اُس کی خوش بیانی اور ٹھاٹھ باٹھ سے متاثر ہوکر ایتھنز کے اکثر لوگ اُس کی ہر بات کو ماننے کے لئے تیار ہوجاتے تھے۔ اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے اُس سے ان کی ریاست کا بھلا نہیں ہوگا اور نہ اُنھیں امن کی زندگی حاصل ہوگی۔ اُس نے مغربی علاقوں پر قبضہ کرنے کا ایک بہت بڑا منصوبہ بنایا۔ وہ کارتھیج، اٹلی اور افریقہ کے ساحلی علاقوں کو فتح کرکے ایتھنز کی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا اور خود اس بڑی سلطنت کا حکمران بننے کا آرزومند تھا۔ ۴۱۶ ق۔م میں ایتھنز کی طرفدار ایک ریاست سیجیٹا اور سیراکوز کی حامی ریاست سیلینس کے درمیان جھگڑا شروع ہوگیا۔ سیجیٹا نے مدد کے لئے ایتھنز کو اپنے سفیر روانہ کئے۔ ایلسی بائیڈیز اسی موقعے کا منتظر تھا۔ اگرچہ سسلی اس موجودہ جنگ کے دائرے

سے بالکل باہر تھا لیکن ایلسی بائیڈیز کا خیال تھا کہ اگر ایتھنز سسلی کو فتح کرلے تو اس سے لڑائی کا رنگ بدل سکتا ہے۔

اب ایلسی بائیڈیز کو اپنی مرضی کے مطابق قدم اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ اس نے مغرب میں ایک عظیم سلطنت قائم کرنے کا ایسا نقشہ اسمبلی کے سامنے کھینچا کہ سب لوگ اُس سے بہت متاثر ہوئے اور اُنھوں نے اپنی طرف دار ریاست کی مدد کرنے کے بہانے وہاں ایک مہم بھیجنے کی منظوری دے دی۔ نیاس جو ایک دانشمند اور متحمل مزاج لیڈر تھا اس مہم کے خلاف تھا۔ اُس نے ایتھنز کے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی اور خبردار کیا کہ ایسی جنگ میں حصہ لینا جس سے اُن کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اُن کے لئے فائدہ مند نہ ہوگا۔ لیکن اُس کی رائے کی کسی نے کچھ پروا نہ کی۔

سسلی پہنچنے کے بعد ایلسی بائیڈیز اور نیاس کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوگئے اور وہ متفقہ طور پر کوئی فیصلہ نہ کرسکے۔ اس کی وجہ سے اُن کا بہت سا سامانِ جنگ ضائع ہوگیا، اُن کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور سسلی کے رہنے والے یونانی بھی انھیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ عین اس وقت جب ایلسی بائیڈیز کی یہ تجویز مان لی گئی کہ اُس جزیرے کے سب سے بڑے شہر اور سپارٹا کے طرفدار سیراکوز پر حملہ کیا جائے تو ایلسی بائیڈیز کو خود وطن واپس جانا پڑا۔ اُس کے دشمنوں نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھایا اور اس پر غداری کا الزام لگاکر اُسے ایتھنز واپس آنے کا حکم دیا تھا۔ بہرحال ایتھنز کا بحری بیڑا سیراکوز کے قریب پہنچ گیا اور اُس کی فوج خشکی پر اُتر کر شہر کی طرف جنوب سے شمال کو بڑھنے لگی۔ اب سیراکوز کے باشندے سخت مایوسی کی حالت میں تھے کیونکہ وہ ان کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے اور ایتھنز کا بحری بیڑا آہستہ آہستہ اُن کی بڑی بندرگاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

لیکن جلد ہی حالات کا رُخ بدل گیا۔ ایتھنز کی فوج نے سوچنے میں بہت سا قیمتی وقت ضائع کردیا۔ آخرکار نیسیاس نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ایلسی بائیڈیز کو ایتھنز واپس جاتے وقت جب یہ معلوم ہوا کہ وہی لوگ جو پہلے اُس سے عقیدت رکھتے تھے اب اُسے قتل کی سزا دینے والے ہیں، تو وہ جہاز میں بیٹھ کر سپارٹا بھاگ گیا اور ایتھنز والوں کے تمام منصوبے سپارٹا والوں کو بتادیئے۔ اب سپارٹا کی فوج نے اٹیکا پر حملہ کیا اور ایتھنز کے گردو نواح کا تمام علاقہ تباہ کردیا اور سپارٹا کا ایک قابل جرنیل گیلی پوز ایک فوج کے ساتھ سیراکوز روانہ ہوگیا۔

گیلی پوز کی آمد سے سیراکوز کی لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ ایتھنز والوں کو اپنے بچاؤ کی فکر ہوگئی۔ رات کی تاریکی میں سیراکوز کے اسّی جنگی جہاز ایتھنز کے بحری بیڑے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ خشکی کی ایک فوج نے تین قلعوں پر جن میں ایتھنز کا سامان رسد جمع تھا قبضہ کرلیا۔ ایتھنز والوں کو دونوں طرف سے گھیر لیا گیا۔ وہ شمال اور جنوب دونوں طرف سے کٹ گئے، اور سیراکوز کی فوجیں بڑی بندرگاہ میں داخل ہونے کے دونوں راستوں پر قابض ہوگئیں۔ جب نیسیاس نے دیکھا کہ اُس کا بحری بیڑا دشمن کے جال میں پھنس گیا ہے تو اُس نے یورش کرکے اس پھندے سے نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن ایتھنز کی فوج کو قدم قدم پر شکست اُٹھانی پڑی اور اس کے ۴۲ ہزار سپاہیوں کو بھاگنا پڑا۔ ان کے جہاز تباہ ہوچکے تھے اس لئے انھوں نے خشکی کے راستے واپس جانے کی کوشش کی۔ راستے میں دشمن اُن پر بار بار حملے کرتا تھا اس طرح ان کی بڑی تعداد تباہ ہوگئی اور صرف چند سپاہی واپس پہنچ سکے۔

اس خونریز خانہ جنگی کو شروع ہوئے ۲۵ سال گزر چکے تھے۔ اِس عرصے میں ایتھنز میں بھی کئی انقلاب آئے لیکن شہر ایتھنز کی زندگی بدستور جاری تھی۔ اُن کے کھیل اور تہوار اُسی طرح ہوتے تھے جس طرز زندگی کے لئے وہ یہ لڑائی لڑ رہے تھے۔

اُس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی - اب بھی تمام اہم باتیں اسمبلی ہی میں طے ہوتی تھیں - جرنیلوں کو چُنا جاتا تھا، لوگوں کو جلا وطنی کی سزائیں دی جاتی تھیں - فوجوں اور جہازوں کو باہر بھیجنے کے احکام جاری ہوتے تھے، دور دراز سے آنے والی رپورٹوں پر بحث ہوتی تھی اور نئے جہاز بنائے جاتے تھے - شہر کی اس سیاسی زندگی کے پہلو بہ پہلو اُن کی علمی اور فنی زندگی بھی اسی طرح سے جاری تھی - اب بھی سوفوکلیز کو انسانی زندگی کے اہم مسائل پر غور کرنے کا موقع ملتا تھا اور یوری پائیڈیز اپنی تحریروں میں انسانی فتوحات کی بے ثباتی اور انتقام اور جنگ کی برائیاں بیان کرتا تھا - سقراط بھی اس وقت ایتھنز میں تھا - وہ اپنے ملک کی خاطر لڑائیوں میں حصہ لیتا اور واپس آکر ایتھنز کے بازاروں میں چکّر لگاتا، اور اپنی گفتگو سننے والوں کو بتاتا کہ روحانی نیکی سب سے بڑی نیکی ہے، اور تمام انسان ایک جیسے اور رتبے میں برابر ہیں -

انھیں دنوں سپارٹا نے ایران کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا اور دونوں نے مل کر ایتھنز کی طرفدار شمالی ریاستوں اور بحیرۂ اسود کی نوآبادیوں سے آنے والی غذائی رسد کو روکنے کے لئے دو سو بحری جہازوں کا ایک بیڑا ایشیائے کوچک کے ساحل کی طرف روانہ کیا - ایتھنز والوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے باقی ماندہ جہازوں کی مدد سے اپنی خوراک کے راستوں کو کھُلا رکھنے کے لئے ایک سو اسی جہاز اُس طرف روانہ کئے - زینوفون جس نے تھیوسی ڈی ڈیز کی نامکمل تاریخ کو مکمل کیا اس آخری افسوسناک لڑائی کا حال نہایت عمدہ طریقے سے بیان کرتا ہے - کئی دنوں کی شاطرانہ کوشش کے بعد آخرکار سپارٹا والے ایتھنز کے جہازوں کو ہیلیپونٹ کے قریب ایک ایسی جگہ پر لے آئے جہاں وہ دشمن پر اپنی مرضی کے مطابق حملہ کرسکتے تھے - اس بحری لڑائی میں انھوں نے ایتھنز کے سب جہاز تباہ کر دئیے -

سمندر اور خشکی دونوں جگہ اس طرح شکست کھانے کے بعد ایتھنز صلح کی

درخواست کرنے پر مجبور ہوگیا۔ سپارٹا اور اُس کے ساتھیوں نے نہایت کڑی شرطیں پیش کیں۔ انھوں نے ایتھنز والوں کو مجبور کیا کہ وہ شہر کی فصیلیں گرادیں اور صرف بارہ بحری جہاز رکھیں اور سپارٹا کو اپنا لیڈر مانیں۔ چونکہ اب اُن کے سب جہاز تباہ ہوچکے تھے، سامانِ جنگ ختم ہوچکا تھا اور انھیں کوئی دوسرا مدد دینے والا موجود نہ تھا۔ اس لئے ایتھنز والوں کو یہ شرائط منظور کرنی پڑیں۔ ایتھنز کی دیواریں گرادی گئیں اور اس کے ساتھ ہی قدیم یونان کا خاتمہ ہوگیا۔

طویل اور تباہ کُن جنگ کی وجہ سے ایک ایک کرکے یونان کی سب ریاستوں کی طاقت ختم ہوتی گئی۔ پیلوپونیشین جنگ نے ایتھنز کی عظمت کو خاک میں ملادیا اس کے دس سال بعد کورنتھین جنگ نے جو ۳۹۵ ق.م سے ۳۸۷ ق.م تک جاری رہی، کورنتھ کو تباہ کر دیا اس کے بعد سپارٹا کی قوت جو تھوڑے عرصے تک ہی قائم رہ سکی ۳۷۹ ق.م میں لیوکٹرا کی لڑائی میں تھیبز سے شکست کھانے کے بعد بالکل ختم ہوگئی۔ خود تھیبز بھی زیادہ عرصے تک بچ نہ سکا۔

لگاتار جنگ کی وجہ سے سارا ملک کمزور ہوگیا اور جب ایک نئی اور طاقتور ریاست نے جو شمالی سرحد کے قریب آہستہ آہستہ اُبھر رہی تھی مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کے تحت للکارا تو یونان کی شہری ریاستیں اُس کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ خوش قسمتی سے مقدونیہ کے لوگ بھی اُن کے اپنے بھائی بند ہی تھے۔

ایتھنز کی تباہی کے ساتھ جمہوریت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ایتھنز کے سب سے عقلمند اور عظیم سیاستداں پریکلیز کو معلوم تھا، اور اُس نے ایک بار کہا تھا کہ "ہم کو دشمن کی چالاکیوں کی نسبت اپنی غلطیوں سے زیادہ خطرہ ہے۔" اُس کی یہ بات آخرکار سچ ثابت ہوئی۔

اب تھوڑی دیر کے لئے جنگوں اور سلطنتوں کے واقعات کو چھوڑ کر سائنس اور

فلسفے کی کہانی کا مطالعہ کیا جائے ۔ فلاسفی ایک یونانی لفظ ہے جو دو لفظوں "فیلا" اور "سوفی" کا مجموعہ ہے ۔ اس میں فیلا کے معنی ہیں "میں محبّت کرتا ہوں" اور سوفی کے معنی ہیں "عقل" ۔ اِس طرح اس پورے لفظ کے معانی یہ ہوئے کہ "میں عقل سے محبت کرتا ہوں" ۔ انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ جن کا تعلق تعلیم سے ہے، یونانی زبان سے حاصل کئے گئے ہیں ۔ اِسی طرح ہمارے افکارِ عالیہ ایتھنز کے عقلمند لوگوں ہی سے ورثے میں آئے ہیں ۔ وہ تین شخص جنھوں نے بنی نوع انسان کے خیالات پر بہت گہرا اثر ڈالا سقراط، افلاطون اور ارسطو ہیں ۔ جب بھی کوئی شخص علم طبعیات، علم حیات، فلسفہ، سیاست، جمالیات یا فنونِ لطیفہ کا مطالعہ کرنا چاہے تو اُسے سب سے پہلے ڈیموکریٹس، یوکلڈ اور ارشمیدس وغیرہ یونانی فلاسفروں کے خیالات معلوم کرنے ہوں گے ۔

یونانی مفکروں کے خیالات میں یہ کائنات عقل اور منطق کے عین مطابق ہے ۔ وہ ایک خاص شکل و صورت رکھتی ہے، دیکھی جاسکتی ہے اور انسان اسے سمجھ سکتا ہے اور تمام مجرّدات اور کلیات حقیقت کے مشاہدے سے اخذ کئے جاتے ہیں ۔ ہر وہ چیز جو خلافِ عقل ہے دھوکہ اور وہم ہے ۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن سے دُنیا کے متعلق ایک خاص نظریہ حاصل ہوتا ہے اور وہ بنیادی تصوّر پیدا ہوتا ہے جس پر سائنس کی اصولی ترقی کا انحصار ہے ۔ یونانی فلسفہ خارجی دنیا کے اسباب و علل کی تحقیق سے شروع ہوتا ہے اور اسے بیرونی دُنیا سے بے حد دلچسپی ہے ۔ پھر یہ فلسفہ بتدریج دروں بینی کی طرف مائل ہوتا ہے اور انسان اور اُس کی فطرت کا مطالعہ شروع ہو جاتا ہے ۔ یہاں سے علم و ادب کا آغاز ہوتا ہے ۔ یونانی فلاسفر سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ قدرت کیا چیز ہے، اور پھر یہ کہ انسان کیا ہے یا یوں سمجھئے کہ انسان کیا ہے، اور اس کے بعد قدرت کیا چیز ہے ۔ اس طرح بیرونی

دنیا میں دلچسپی لینے کے بعد جب انسان کا مطالعہ شروع کیا جائے تو بہت سے اور نئے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ علم الاخلاق، مذہب اور علم نفسیات اِسی غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ قدرت، انسان اور کائنات کے متعلق یہ فلسفیانہ بحث جو قدیم یونانیوں نے شروع کی، ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے تک بازنطینی دور میں جاری رہی اور اس وقت موجودہ زمانے میں بھی یہ مسائل اُسی طرح زیرِ بحث ہیں۔

اس وقت جبکہ پُورے یونان میں لوگ سچائی اور حقیقت کی تلاش میں مصروف تھے اور ہر جگہ آزادی اور انفرادیت کو ترقی ہو رہی تھی تو ایتھنز دنیا کی ایک بڑی طاقت بن رہا تھا۔ یہ پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط کا زمانہ ہے جسے روشن خیالی کا دور کہا جا سکتا ہے۔

یونانی ریاستوں کی مالی حالت بہتر ہوجانے اور جمہوری حکومتیں قائم ہوجانے سے خیالات اور عمل کی آزادی بڑھ گئی اور طاقت، دولت، تہذیب اور شہرت حاصل کرنے کی کوشش ہونے لگی اور تعلیم کی طرف بھی زیادہ توجہ دی جانے لگی مذہب، اخلاق اور سائنس کے متعلق پُرانے خیالات پر نکتہ چینی ہونے لگی۔ اِس وقت تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ایتھنز کی اجتماعی زندگی میں فنکاروں کے لئے یہ بڑا اچھا موقع تھا، چنانچہ ایشائے کوچک اور جنوبی اٹلی سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ایتھنز پہنچ گئی جنہوں نے تعلیم دینا اپنا پیشہ بنالیا تھا۔ ان کو "سوفسٹ" یا عقل سکھلانے والے کہا جاتا تھا۔ شروع میں سوفسٹ کا لفظ فقط عقلمند اور ہنرمند لوگوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کے معنوں میں کچھ تبدیلی آگئی چونکہ بعض سوفسٹ تعلیم دینے یا ہنر سکھلانے کا معاوضہ لیتے تھے اور ان میں سے بعض کا علم بھی پختہ نہ تھا اور اُن کے خیالات بھی عجیب و غریب تھے اِس لئے رفتہ رفتہ یہ لفظ حقارت کے طور پر استعمال ہونے

لگا۔ سوفسٹ لوگ گرائمر سے، علم نجوم تک ہر قسم کے مضامین پڑھاتے تھے۔ لیکن خطابت
اور فنِ تقریر سب سے زیادہ اہم مضمون سمجھا جاتا تھا اور اس کے سکھلانے پر زیادہ
زور دیا جاتا تھا، کیونکہ فصاحت اور خوش کلامی ایک کامیاب زندگی کے لئے نہایت
ضروری چیز سمجھی جاتی تھی۔ عام طور پر سوفسٹ اساتذہ بہت سطحی تعلیم دیتے تھے۔ وہ
عمدہ الفاظ اور شستہ زبان سے اپنی تقریر کو پُر اثر بنانے کا طریقہ سکھلاتے تھے
مثلاً یہ کہ عدالت میں جیوری کے جذبات کو کیسے اُبھارا جا سکتا ہے، اور سامعین کو کس
طرح اپنی خوش بیانی سے جوش میں لایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی سکھلاتے تھے کہ کس
طرح ایک خاص نکتے کو جس میں سچائی ہو یا نہ ہو، اپنے زوردار الفاظ اور دلیلوں
سے سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ارسٹو فینز نے ان لوگوں کے طرزِ تعلیم پر نکتہ چینی کرتے
ہوئے ایک جگہ کہا ہے کہ اُن کی تعلیم یہ سکھلاتی تھی کہ کس طرح بدترین چیز کو بہترین
چیز بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں میں جو سوفسٹوں کی علمیت اور اُن کی تعلیم پر
اعتراض کرتے تھے سب سے ممتاز شخصیت سقراط کی تھی اور سقراط کی کہانی اس طرح ہے
سقراط ۴۶۹ قبل مسیح میں ایتھنز کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔
اُس نے پہلے سنگتراشی کا پیشہ اختیار کیا لیکن جلد ہی یہ پیشہ ترک کر دیا، اور پھر
دوسروں سے سوال کرکے مکالمے کے ذریعہ حقیقت تک پہنچنے کا مشغلہ اختیار کر لیا۔ وہ
ایک پست قد اور مضبوط جسم کا بدصورت آدمی تھا۔ چپٹی ناک، چھوٹی آنکھیں،
بڑا سا مُنہ اور موٹے موٹے ہونٹ۔ یہ بزرگ فلسفہ دان موٹے جھوٹے لباس پہنتا
تھا اور اُسے اپنی ظاہرہ شکل و صورت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن جوں ہی وہ
گفتگو شروع کرتا تو سننے والے اُس کی ظاہرہ شکل و صورت کو بھول جاتے۔ وہ
بہت نکتہ رس اور باریک بیں تھا اور دوسرے کی دلیل میں جو غلطی ہوتی اُسے فوراً
پکڑ لیتا تھا اور نہایت ہوشیاری سے گفتگو کرتا ہوا معاملے کی تہ تک پہنچ جاتا۔ وہ

نیکی، رحمدلی اور خوش اخلاقی کا مجسمہ تھا۔

سقراط جرح کرنے کا بڑا ماہر تھا۔ لیکن وہ اِس بحث و تمحیص کا کوئی معاوضہ نہ لیتا اور انتہائی عزت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ پھر بھی وہ سچائی کی تلاش میں رہتا اور ان مسئلوں کے متعلق بحث کرتا رہتا جن سے انسان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اگرچہ ہم تک اُس کی کوئی تحریر نہیں پہنچی ہے لیکن وہ اپنے عہد کے مختلف الخیال مفکروں کی تعلیم کا سرچشمہ تھا۔ ایک بار اُس کا ایک دوست چیریفون ڈیلفی کے دارالاستخارہ میں پہنچا اور وہاں یہ سوال کیا کہ "کوئی شخص سقراط سے زیادہ عقلمند ہے؟" تو اُسے جواب ملا کہ کوئی شخص سقراط سے زیادہ عقلمند نہیں"۔ جب یہ بات سقراط کو معلوم ہوئی تو اُس نے کہا غیبی آواز کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ جو میری طرح یہ بات جانتے ہیں کہ اُن کا علم بے حد حقیر ہے وہ زیادہ عقلمند ہیں۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا" یہ الفاظ اُس شخص کے ہیں جو اپنے زمانے کے علمی اور اخلاقی خیالات کو ٹھیک راستے پر لایا جس نے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کی۔ اتفاقیہ باتوں کو ضروری چیزوں سے علیحدہ کیا۔ اور انسان کو سیدھے راستے پر لگایا اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ ہر چیز کی اصلیت کو دیکھ سکے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ شخص جو انسانی غور و فکر کی تاریخ میں اتنا بلند مرتبہ رکھتا ہے، اور جو بعد میں آنے والے مفکروں کے ایک اہم سلسلے کا بانی تھا نہایت واضح الفاظ میں یہ کہتا تھا کہ "میں کچھ نہیں جانتا"۔ اُس کا فلسفہ اور اس کے خیالات دو ہزار برس تک انسانی افکار پر حاوی رہے اور مغربی تہذیب کا تفکر آج بھی اُس کے زیرِ اثر ہے۔

سقراط کو ایتھنز سے بڑی محبت تھی اور سوائے اس کے کہ وہ کچھ عرصے کے لئے فوج میں شامل ہوکر باہر گیا اُس نے اپنی تمام زندگی ایتھنز ہی میں بسر کی۔ اُس

نے ڈلیان میں پوٹیڈیا کی لڑائی میں حصّہ لیا، جہاں اُس نے مشہور مورخ زینوفون کی جان بچائی۔ ۴۰۶ ق-م میں اُسے سینیٹ کا ممبر بنا دیا گیا اور کئی اور اعزاز بھی عطا ہوئے۔ وہ ملکی فرائض کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی دیتا رہا۔ اُس کا معمول یہ تھا کہ وہ شہر چوک یا کسی بڑی ورزش گاہ میں چلا جاتا۔ وہاں لوگ اُس کے گرد جمع ہوجاتے اور گفتگو چھڑ جاتی۔ وہ ہر چیز کے متعلق سوال کیا کرتا تھا۔ "خوشی کیا چیز ہے؟" "انسان زندگی میں خوشی کیسے حاصل کرسکتا ہے؟" اچھی زندگی کسے کہتے ہیں؟" بہادری سچائی، دلیری کیا چیزیں ہیں؟ دوستی کیا ہے؟ انصاف، پاکیزگی کیا چیزیں ہیں؟ شریف اور رذیل کن کو کہتے ہیں؟ خوبصورتی اور بدصورتی کیا چیزیں ہیں؟" اس طرح سوالات کرتے ہوئے وہ اپنے سُننے والوں کو ہر بات کی تہ تک لے جاتا اور ہر معاملے کی اصلیت معلوم کرنے میں اُن کی رہنمائی کرتا۔ وہ انھیں اپنے دلائل پر بھروسہ کرنا سکھلاتا۔ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ مختلف معاملات پر فقط بحث کیا کرتا تھا۔ اُس نے انھیں کبھی باقاعدہ تعلیم یا لیکچر نہیں دئے اور نہ ان میں سے کسی کو اپنے خیالات اور اعتقادات ماننے کے لئے مجبور کیا۔

سقراط تیس سال تک اس طرح مختلف چیزوں کی اصلیت اور حقیقت معلوم کرنے میں ایتھنز کے لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا۔ اس کے پیروؤں میں نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی جو اس کی دانائی اور واضح دلیلوں کی بڑی قدر کرتی تھی، اور انھیں اس کی پرمغز باتیں سُننے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ وہ سقراط کے دل لبھانے والے مکالموں اور اُس کی پُرلطف باتوں کی وجہ سے اُس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو سقراط کو ریاست کے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ اُن کا دعوٰے تھا کہ اُس کے بعض شاگردوں نے ایتھنز کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اس غرض کے لئے وہ غدار السی بائیڈیز اور ظالم کریٹیاس کی مثالیں پیش کرتے تھے۔

اکثر نوجوانوں کے والدین کو یہ شکایت تھی کہ ان کے بیٹے ورزش گاہ میں سقراط کی باتیں سُننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی سقراط کے مخالف ہوگئے جن کے عقائد پر سقراط کی دلیلوں سے زد پڑتی تھی۔

۳۹۹ ق-م میں ایتھنز کے ایک شہری نے سقراط پر کفر کا الزام لگایا۔ اسمبلی میں اُس پر یہ الزام لگایا کہ وہ نئے دیوتا اور نئے خیالات کی تبلیغ کرتا ہے۔ اِس جرم کی سزا موت تجویز ہوئی۔ وہ بہت آسانی سے بچ کر بھاگ سکتا تھا لیکن اُس نے ایتھنز کے ۵۰۱ شہریوں کے سامنے اپنے مقدمے کے لئے حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا جیسا کہ قاعدہ تھا اُس نے جیوری کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اُس نے ایک اندرونی آواز کا ذکر کیا اور وہ خدمات گنوائیں جو اُس نے جنگ اور امن کے زمانے میں ایتھنز کے لئے سرانجام دی تھیں۔ اُس کا کہنا تھا کہ اُس نے کبھی حصولِ دولت کی کوشش نہیں کی اور نہ جاہ و ثروت کی فکر کی، بلکہ ہمیشہ عقل، سچائی اور دل و دماغ کی تکمیل کے لئے کوشش کرتا رہا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ جنگ کے زمانے میں اُس نے اپنے فرائض کو سرانجام دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ لہٰذا ایک سچے آدمی کے لئے موت کے خوف سے راہِ فرار اختیار کرلینا بڑی عجیب اور مضحکہ خیز بات ہوگی۔ کیونکہ اُس نے وہی کچھ کیا جو حقیقت اور حُسن کی تلاش میں خدا کی طرف سے اُسے حکم ملا تھا۔ اُس نے اپنی لمبی تقریر ان الفاظ پر ختم کی: "اگر مجھے ان سچائیوں کے لئے کئی بار بھی مرنا پڑے تو میں اپنے طریقوں کو نہ چھوڑوں گا۔ اور میں یہ آپ پر اور خدا پر چھوڑتا ہوں کہ میرے مقدمے کا جو فیصلہ چاہے کریں۔ جو فیصلہ بھی ہوگا میں سمجھوں گا کہ خدا آپ کے لئے اور میرے لئے یہی بہتر سمجھتا ہے۔"

اسمبلی نے ساٹھ ممبروں کی اکثریت سے اُس کو موت کی سزا دے دی۔ اُسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنے لئے قانون کے مطابق کوئی اور سزا بھی تجویز کرسکتا ہے۔

سقراط نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے جلا وطنی یا جرمانے کی سزا کو بھی نہ مانا کیونکہ وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا تھا۔ کیا سچائی کی تعلیم دینا یا حقیقت کی تلاش کرنا جرم تھا۔ اُس کے بہت سے دوست اور شاگرد قیدخانے میں اُس سے ملنے گئے۔ جس روز اُسے موت کی سزا دی جانی تھی، وہ سب صبح سویرے اُس کے پاس پہنچ گئے۔ اُس روز ان کا روحانی باپ، ایک دانا اور بزرگ آدمی، ہمدرد اور صلاح کار اور سچا دوست اُن سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہونے والا تھا۔ اگر وہ اس کی مدد کرتے تو کیا وہ بھاگنے کے لئے تیار تھا؟ نہیں وہ اُن کی یہ خواہش ہرگز قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسے مرنے کا بھی کوئی رنج نہ تھا۔ وہ موت کو روح کا دوسری دنیا کا سفر تصوّر کرتا تھا۔ اُس زمانے میں ایتھنز میں موت کی سزا زہر پلا کر دی جاتی تھی۔ اُس نے پہلے دعا کی اور پھر زہر کا پیالہ پی لیا۔ اور اِس دنیا سے کوچ کر گیا۔ قدیم یونان کی سب سے عظیم ہستی اور اس زمانے کے سب سے عقلمند انسان کا انجام یہ تھا جو ہوا۔

اس وقت جبکہ سقراط ایتھنز کے لوگوں کے دل و دماغ کی تربیت اور اُن کی بھلائی کے کاموں میں مصروف تھا ایک اور بڑے آدمی نے انسانی جسم اور صحت کی بہتری کے لئے بہت کچھ کیا۔ اُس نے اپنی تمام زندگی اس کام میں صرف کر دی۔ یہ شخص ہپوکریٹیز تھا، جسے طب کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ وہ عمر میں سقراط سے نو سال چھوٹا تھا اور ایک چھوٹے سے جزیرے کوس میں پیدا ہوا تھا جو اس زمانے میں طب کا بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا۔ اُسے ایتھنز میں طاعون کی روک کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ وہ سکول اور ہسپتال جو اُس نے قائم کئے کئی صدی بعد بطلیموس کے ماتحت طب کے بہت بڑے مرکز شمار ہوتے تھے۔ ہپوکریٹیز قدیم زمانے کا پہلا ڈاکٹر تھا جس نے اپنے پیشے پر اسی طرح عمل کیا جس طرح آج کل کے ڈاکٹر عمل کرتے ہیں۔

اُس نے اپنے فن کو سائنس کے اصولوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی۔ جھوٹے ڈاکٹروں کی طرح صرف اندازے سے کام کرنے سے گریز کیا اور اخلاق کا ایک بہت اونچا معیار قائم کیا، جس کی تقلید آج بھی دنیا کے تمام اچھے ڈاکٹر کرتے ہیں۔ انھیں آج بھی اپنے پیشے کی ابتدا کرتے وقت ہپوکریٹیز کے نام کی قسم کھانی پڑتی ہے۔

سقراط کا سب سے بڑا پیرو اور اُس کا سب سے زیادہ وفادار شاگرد افلاطون تھا۔ وہ ایک امیر گھرانے کا نوجوان تھا اور جب سقراط کو موت کی سزا دی گئی تو اُس کی عمر صرف ۲۳ سال تھی۔ افلاطون نے اپنی باقی ماندہ زندگی سقراط کے مکالمیں کو لکھنے اور ان کی تعلیم دینے میں صرف کی۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے مصر اور اٹلی کا سفر کیا اور کچھ عرصے کے لئے سیراکوز کے ظالم بادشاہ ڈایونیسیس اول کے دربار میں بھی رہا۔ یہ بادشاہ بعد میں افلاطون کا دشمن بن گیا۔ اور بطور ایک جنگی قیدی کے اُسے غلام بناکر بیچ دیا۔ لیکن آج کل ان واقعات کی صحت سے انکار کیا جاتا ہے۔ سقراط صرف شہر کے چوک میں لوگوں سے مکالمے اور بحث کیا کرتا تھا لیکن افلاطون نے اپنے تعلیمی کام کے لئے ایتھنز کے قریب ایک پُرسکون جگہ چُنی جہاں درختوں کا سایہ تھا، اور چشمے کا پانی موجود تھا۔ یہی وہ مشہور اکاڈمی ہے جہاں وہ لوگوں کو حساب، فلسفہ اور دوسرے علوم کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس کا تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو عام طور پر اعلیٰ جماعت کے طلبا، کو تعلیم دینے میں اِس وقت بھی استعمال ہوتا ہے۔ طلبا، اُس کی نگرانی اور اُس کی رہنمائی میں خود تحقیق کا کام کرتے تھے۔ افلاطون کے مرنے کے بعد اُس کے شاگردوں نے اکاڈمی کو جاری رکھا اور تقریباً ایک ہزار برس تک وہ ایک بڑا علمی مرکز رہا۔

ایمرسن افلاطون کی تعریف میں کہتا ہے کہ وہ ایک ایسے راستے پر گامزن ہے جس کا کوئی کنارا نہیں۔ یہ راستہ ساری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ افلاطون نے

اپنی زندگی میں بہت غور و فکر کیا اور اپنے خیالات کو متعدد کتابوں میں قلمبند کیا۔ اس کی کتابیں طرزِ حکومت، تعلیم، انسان کے دل و دماغ، نیکی اور سچائی کی اصلیت اور مختلف چیزوں کے اسباب کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ سقراط نے قدرت کے مطالعہ کی نسبت انسانی دل و دماغ اور روح کے مطالعہ پر زیادہ زور دیا تھا۔ افلاطون نے اپنے استاد کے اس کام کو جاری رکھا۔ اُس نے بتایا کہ جسے سقراط "مقدس روح" کہتا ہے وہ زندگی کا آخری مرکز ہے۔ اِس لحاظ سے اُس کا فلسفہ استدلالی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے مطابق دنیا کو ایک حقیقی دنیا تسلیم کرنا پڑتا ہے اور کائنات، علم اور دوسری تمام چیزوں کو عقلی طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ اِس بات کا قائل ہے کہ یہ کائنات حقیقتاً استدلالی اور عقلی کائنات ہے اور وہ اسے ایک روحانی نظام بھی مانتا تھا۔ وہ اپنی بڑی کتاب "ری پبلک" میں ایک مکمل ریاست کا تصور پیش کرتا ہے۔ دوسری بڑی کتاب "ٹائیس" میں اُس نے وقت، کائنات، مادّے کے اصولوں اور دنیا کی اصلیت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور قدرت کے آغاز کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ افلاطون نے اپنی تحریروں کے ذریعے ایک نصب العین کی اہمیت اور اُس کی ظاہری قدر و قیمت کو بڑے مدلّل طریقے سے واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کا ہونا انسانی فطرت کا ایک بہت بڑا تقاضا ہے۔

افلاطون کی اکاڈیمی کے طلباء میں اُس کا ایک ہونہار شاگرد تھا جو خالص منطق کا بہت بڑا اُستاد ثابت ہوا۔ وہ مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کے درباری حکیم کا بیٹا ارسطو تھا۔ ارسطو سترہ سال کی عمر میں افلاطون کی اکاڈمی میں داخل ہوا اور بطور ایک شاگرد، اور بعد میں بطور ایک ٹیچر کے بیس سال تک وہاں رہا۔ ۳۴۲ ق۔م میں بادشاہ فلپ نے اُسے اپنے بیٹے سکندر کی تعلیم کی نگرانی کے لئے بلالیا۔ سات سال بعد وہ پھر ایتھنز چلا آیا۔ اور اپنا ایک سکول قائم کیا۔ ارسطو بڑے بلند کردار کا مالک تھا

اُس نے اپنی کتاب علم الاخلاق میں قواعد اور اصولوں کے اس یونانی نصب العین کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو خود اس کی ذات میں موجود تھا۔ وہ سچائی سے بہت محبت کرتا تھا اور ہر بات میں اُس کا فیصلہ منصفانہ اور دانائی سے بھرپور ہوتا تھا۔ وہ اپنے دلائل پیش کرنے میں کبھی اپنے ذاتی اغراض کو مدنظر نہ رکھتا تھا۔ انسانی غور و فکر کی تاریخ میں وہ ایک بہت بڑی شخصیت ہے۔ اُس کی زیادہ اہم تصانیف میں منطق، علم الاخلاق، فنِ خطابت، سیاسیات، طبعیات اور علم مابعد الطبعیات کی کتابیں شامل ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں اُس کی گم شدہ کتاب "دی کانسٹی ٹیوشن آف ایتھنز" یعنی ایتھنز کا آئین بھی دریافت ہوگئی۔

آٹھواں باب

اسکندری دُنیا

(۳۳۶ ق.م تا ۳۱ ق-م)

یونان کی شمالی سرحد کے ساتھ ایک نئی طاقت، مقدونیہ ترقی کررہی تھی اُس کے دانا بادشاہ فلپ نے یونانی ریاستوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس کے ماتحت متحد ہوجائیں۔ اُس وقت ایتھنز میں بھی کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو یہ چاہتے تھے کہ تمام شہری ریاستیں فلپ کے ماتحت اکٹھی ہوکر ایران کے خلاف جنگ کریں لیکن مشہور مقرّر ڈیماس تھینز نے اپنی تقریروں میں مقدونیہ پر بہت شدّت سے حملے کئے اور ان کے لئے وحشی قوم کا لفظ استعمال کیا۔ اُس کی تقریروں کا وہ مجموعہ جو اُس نے اس موقعے پر مقدونیہ کے خلاف کیں "دی فیلپکس" کہلاتی ہیں۔ اُس کی رائے پر عمل کرتے ہوئے شہری ریاستوں نے مقدونیہ کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ مگر ۳۳۸ ق-م میں چیرونیہ کی جنگ میں اُن سب کو شکست ہوئی۔ اب فلپ تمام یونان کا لیڈر بن گیا اور اس نے ایران سے آیونین شہروں کو آزادی دلانے کا ایک پروگرام بنایا۔ اِس کے دو سال بعد جبکہ وہ اس مہم پر روانہ ہونے کے لئے تیار تھا یکایک اُس نے وفات پائی اور اس کا نوجوان بیٹا سکندر تخت پر بیٹھا۔

سکندر اُن چند نہایت عجیب وغریب نوجوانوں میں سے ہے جو اِس دنیا میں آئے

لڑکپن سے ہی اُسے زندگی کے مختلف راز معلوم کرنے کا شوق تھا۔ وہ اُفق سے پرے کے شہروں کے متعلق خواب دیکھا کرتا تھا اور زمین کی شکل معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے دل میں بڑی خواہش تھی کہ وہ معلوم کرے کہ یونان کے مشرق اور مغرب میں کون سے ممالک ہیں۔ ایسی عمر میں جبکہ ایک لڑکے کے دل و دماغ پر دوسروں کے خیالات کا بہت گہرا اثر ہوسکتا ہے اُس کے باپ نے ارسطو کو ایتھنز سے بلاکر اس کا اتالیق بنادیا۔ محل کے باغ کی سرسبز روشوں اور ڈھلواں چبوتروں پر یہ خوبصورت نوجوان اُس مشہور فلاسفر اور علم منطق کے ماہر کے ساتھ چہل قدمی کرتا دکھائی دیتا۔ وہ اپنے اتالیق سے طرح طرح کے سوال کرتا اور اُسے بتاتا کہ وہ کیوں ایلیڈ کو اِس قدر پسند کرتا ہے اور ایسکلیز کیوں اسے اتنا عزیز ہے۔ گو وہ ابھی چودہ سال کا تھا لیکن اپنے اُستاد کے ساتھ بڑی دلچسپی سے مابعدالطبعیات کے گہرے مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔ ارسطو نے ہومر کا ایک نیا نسخہ شہزادے کو دیا۔ جس پر اُس کے اپنے ہاتھ کا حاشیہ لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ سکندر نے تمام لڑائیوں میں اس کتاب کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایلیڈ کی کتاب اور اپنا خنجر سرہانے رکھ کر سویا کرتا تھا۔ ارسطو نے اس نوجوان کے دل میں قدرت کے مطالعہ، سائنس حکمت اور ادب کا شوق پیدا کر دیا۔

مقدونیہ کی ریاست سکندر کے لئے بہت چھوٹی تھی۔ اپنے باپ کے مرنے کے بعد جبکہ اُس کی عمر بیس سال تھی وہ کورنتھ کی طرف بڑھا، جہاں سپارٹا کے سوا تمام ریاستوں نے اُسے اپنا لیڈر مان لیا اور اُس کے باپ کی فوج بھی اُس کی وفاداری کا دم بھرنے لگی۔

تھریس کے وحشی قبیلوں اور شمال کی دوسری قوموں کو فتح کرنے کے لئے جنھوں نے اُس کے خلاف بغاوت کی تھی۔ وہ نیٹاس کی وادی میں سے گزر کر ہیمس کی

پہاڑی رکاوٹ اور دریائے اِسٹر (موجودہ ڈینیوب) کے کنارے پر پہنچ گیا۔ ڈینیوب سے آگے یورپ کا وہ علاقہ تھا جو اس وقت بالکل تاریکی میں تھا۔ وہ یہاں رات کے وقت پہنچا اور صبح ہونے پر دریا کے دوسری طرف نظر دوڑا کر دیکھنے لگا۔ لیکن اُسے وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے اُس کے دل میں اُسے فتح کرنے کا شوق پیدا ہوتا۔ صرف جانوروں کی کھالیں پہنے ہوئے کچھ وحشی لوگ دکھائی دیئے جو شاید کیلٹ یا گال قوم کے لوگ تھے۔ سکندر نے ایک بار پھر غور سے اُس طرف دیکھا اور وہاں سے واپس ہوگیا۔ اس طرح مزید ایک ہزار برس کے لئے یہ علاقہ تاریکی کے پردے میں چھپا رہا۔

وہ شمال مغربی علاقے کو فتح کررہا تھا کہ جنوبی شہروں میں یہ خبر پھیل گئی کہ سکندر مرگیا ہے۔ پھر کیا تھا ایران کے روپے کی وجہ سے تھیبز نے مقدونیہ کی فوج پر حملہ کردیا۔ اور دوسری ریاستیں بھی بغاوت کے لئے تیار ہوگئیں۔ سکندر کی فوجیں اس تیزی سے تھیبز کی دیواروں کے سامنے پہنچ گئیں، کہ اس سے پہلے کبھی کوئی فوج اس قدر فاصلہ طے کرنے کے بعد اتنی جلدی نہیں پہنچ سکی۔ اور تھیبز فتح ہوگیا۔ پنڈار کے گھر اور مندروں کو چھوڑ کر باقی تمام شہر زمین کے برابر کردیا گیا۔ تھیبز کے اِس طرح تباہ ہونے سے دوسرے یونانی شہر خوفزدہ ہوگئے اور اُنھوں نے مقابلے کا خیال چھوڑ دیا۔ لیکن سکندر نے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔

اس کے بعد سکندر ساری دنیا کی فتح کے لئے روانہ ہوگیا۔ چونکہ اُس کے زمانے میں یہی خیال کیا جاتا تھا کہ دنیا کا بیشتر حصہ مشرق میں ہے، اِس لئے وہ اسی طرف آگے بڑھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ کیا وہ ایرانی سلطنت کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا؟ اُسے شاید یہ معلوم نہ تھا کہ یہ سلطنت کس قدر

بڑی اور کتنی طاقتور ہے اُسے اس کے متعلق تھوڑا سا اندازہ تھا۔ لیکن اسے اس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ یہ سلطنت حقیقت میں کتنی بڑی ہے۔ یہ نوجوان شہزادہ اپنے آپ کو زیوس کا بیٹا اور ایک ناقابلِ تسخیر دیوتا سمجھتا تھا۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب وہ اپنے لوہے سے منڈھی ہوئی کشتی میں سے کود کر باسفورس کے دوسرے ساحل پر اُترا تو اُس کی شکل وشباہت کیسی تھی؛ اُس کا رنگ سانولا تھا لیکن بڑا خوبصورت تھا۔ وہ نہ زیادہ قد آور تھا اور نہ اُس کا جسم زیادہ بھاری تھا۔ اُس کی آنکھیں بڑی تیز تھیں اور وہ اپنے کو تھوڑا سا ایک طرف جھکائے رکھتا تھا وہ اپنے عزیز گھوڑے بوسی فیلس کی سواری کیا کرتا تھا اور لڑائی میں رسالے کے ساتھ لڑتا تھا۔ اُس کا پسندیدہ ہتھیار ایک ہلکی تلوار تھی جس کی دھار اُسترے کی طرح تیز ہوتی تھی۔ جب وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا تو یہ فوج کے لئے حملے کی نشانی ہوا کرتی تھی۔ حفاظت کے لئے زرہ بکتر کے طور پر وہ صرف ایک روئی دار کوٹ اور لوہے کی خود پہنتا تھا جو چاندی کی طرح چمکتی تھی۔

خشکی پر اُترنے کے بعد وہ سب سے پہلے ٹرائے پہنچا اور اپنے جدِ اعلیٰ ایکلیز کی قبر پر قربانی پیش کی۔ اس کے بعد وہ ایران کی سلطنت کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ اُس وقت ایران کا بادشاہ دارا سوم تھا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ لیکن اُس دارا اوّل کی مانند نہ تھا جس نے ڈیڑھ صدی پہلے یونان پر حملہ کیا تھا۔ اُس کی سلطنت دریائے نیل سے دریائے سندھ تک، سمرقند سے شہر بابل تک اور بحیرۂ خضر سے بحرِ قلزم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کی سلطنت میں اسیریا، مصر، بابل، لیڈیا، فرگیز، آرمینیز، یہودی، ہبریکنیز، پارتھینیز اور بکٹرینیز کے لوگ شامل تھے۔ اور ان کی دولت، ان کے صدر مقام، اور ان کے دیوتا سب ایرانیوں کے ماتحت تھے۔ انتہائی شمال میں تھریس کا علاقہ اور ایشیائے کوچک کے ساتھ آیونین

شہر بھی اس کے قبضے میں تھے - ایران کے شہنشاہ اپنی سلطنت کی دور اُفتادہ سرحدوں سے دریائے نیل ، دریائے سندھ اور دریائے ڈینیوب کا پانی منگواکر ایک سونے کے برتن میں رکھتے تھے - یہ برتن سوسا میں بادشاہ کے محل میں رہتا تھا اور اُن کے قبضے کی نشانی تصوّر کیا جاتا تھا - دارا بادشاہوں کا بادشاہ تھا - اُس کی دولت کا کوئی حساب نہ تھا اور اس کے پاس بہت بڑی فوج بھی تھی - اس کے مقابلے میں سکندر کے پاس کیا تھا - وہ صرف چالیس ہزار تربیت یافتہ سپاہیوں کی ایک فوج کے سوا اور کچھ نہ رکھتا تھا - لیکن اُسے اپنے آپ پر ایک عجیب وغریب بھروسہ تھا اور اُسے اپنی فتح کا بھی پُورا یقین تھا -

سکندر نے شروع میں بڑے بڑے آیونین شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور یہاں اُسے گرینیکس کے مقام پر بہت بڑی فتح حاصل ہوئی اور وہ گورڈیم کے شہر میں پہنچا - اس جگہ مندر میں ایک قدیم زمانے کا رتھ رکھا ہوا تھا جس کا جوا درخت کے ریشوں کے رسّے سے ایک نہایت پیچیدہ گانٹھ کی شکل میں بندھا ہوا تھا - غیبی آواز نے یہ بتایا تھا کہ جو شخص اس گانٹھ کو کھولے گا وہ دُنیا پر حکومت کرے گا - سکندر نے اپنی تلوار کو میان سے نکالا اور ایک ہی جھٹکے میں گرہ کاٹ دی -

جنوب کی طرف بڑھتا ہوا وہ دو پہاڑوں کے درمیان اُس تنگ درّے میں پہنچا جسے سلیشین گیٹس کہتے ہیں - اور اس کی محافظ فوج کو وہاں سے بھگا دیا - دارا نے ملک شام میں داخل ہونے والے راستے کے قریب ایک بہت بڑی فوج جمع کی یہ دونوں فوجیں الیس کے میدان میں دریا کے دونوں طرف ایک دوسرے کے سامنے پڑی ہوئی تھیں - اگرچہ سکندر کی اپنی فوج دشمن کی فوج کا صرف بیسواں حصہ تھی، لیکن اُس نے ایسی چالاکی سے کام لیا کہ ایرانی فوج بہت تھوڑی سی جگہ میں جمع ہوگئی - جو اتنی بڑی تعداد کے لئے مناسب نہ تھا - اب سکندر نے رات کے وقت اس فوج کے ایک پہلو پر

پر حملہ کر دیا - اگر وہ درمیان میں حملہ کرتا تو دشمن کی فوج بڑی آسانی سے اُسے نرغے میں لے لیتی - صبح ہونے تک ایرانی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے ، اور ہر طرف میلوں تک بھاگتے ہوئے سپاہی اور شہری نظر آتے تھے - جب یہ خبر پھیلی کہ دارا بھاگ گیا ہے تو ایرانی فوج بھی فرار ہوگئی -

دارا اپنے پیچھے بہت سا مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگا جسے سکندر نے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا لیکن اُس نے دارا کا خیمہ ، اُس کا رتھ اور اُس کا تاج اپنے لئے رکھ لیا - پلوٹارک لکھتا ہے کہ "جب سکندر اُس بڑے خیمے میں پہنچا جس میں ریشم سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے تو وہاں قسم قسم کے برتن شیشیاں ، جس اور سونے کے بنے ہوئے عجیب و غریب آرائشی ظروف ، پھولدان ، بلوریں حمام ، میناکاری والے عود دان جن میں سے ابھی تک بھی دھواں نکل رہا تھا ، دیکھے - ہر چیز اُسی طرح قاعدے سے رکھی ہوئی تھی - وہ دسترخوان جس پر ایران کے بڑے بڑے سرداروں نے رات کا کھانا کھایا تھا اُسی طرح بچھا ہوا تھا - یہ دیکھ کر سکندر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور اُس نے کہا کہ " بادشاہ ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جو یہاں دکھائی دیتی ہے ." جب اُس نے پاس والے خیمے سے رونے کی آواز سُنی اور اُسے بتلایا گیا کہ اُس میں بادشاہ کی ماں اور اُس کا کنبہ ہے تو سکندر نے اُنھیں یہ پیغام بھیجا " دارا ابھی تک زندہ ہے اور آپ کو اور ایران کے لوگوں کو کسی بات کا خطرہ نہیں ہے -"

سکندر نے دارا کا پیچھا نہیں کیا بلکہ جنوب کی طرف ملک شام کے راستے سے ٹائیر کی طرف بڑھا ، جہاں ایک بہت بڑا فونیقی بحری بیڑا اطاعت کرنے سے انکار کر رہا تھا - ٹائیر خشکی سے تھوڑی دُور ایک جزیرے پر ایک بڑا بحری اڈا تھا جس کے گرد حفاظت کے لئے دو میل لمبی پتھر کی دیواریں بنائی گئی تھیں - اِس کے فتح ہو جانے سے سکندر کی فوجیں بلا خوف مصر اور عراق کو جا سکتی تھیں - اِس شہر کا سات ماہ تک

محاصرہ کرنا پڑا ۔ لیکن آخرکار وہ تباہ کر دیا گیا ۔

ملک شام اور فلسطین فتح کرنے کے بعد سکندر مصر پہنچا ۔ وہ تمام قوموں کے دیوتاؤں کی عزت کرتا تھا ۔ اور جب اُن کے مندروں اور خانقاہوں کے پاس سے گزرتا تو اُنھیں قربانیاں پیش کی جاتیں ۔ مصر ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھا لیکن اُس نے فوراً سکندر کی اطاعت قبول کر لی اور اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا ۔ سکندر نے مصر کو بہت زیادہ پسند کیا ۔ یہاں جب وہ سیر کے لئے دریائے نیل کے ڈیلٹے کے قریب گیا ۔ تو اُسے وہاں ماہی گیروں کے ایک گاؤں کی جائے وقوع اس قدر پسند آئی کہ اُس نے حکم دے دیا کہ بغیر کسی تاخیر کے وہاں گلیاں اور بازار بنادئے جائیں ۔ اور مقدونیہ کی طرز کا ایک شہر تعمیر کیا جائے ۔ اس نے اِس شہر کو اپنا نام دیا ۔ سکندر صرف لوٹ مار کے لئے اور دولت حاصل کرنے کے لئے فتوحات نہیں کرتا تھا ۔ اُس کی فوج کے پیچھے پیچھے سوداگروں ، سائنسدانوں اور عالموں کی ایک اور فوج ہوا کرتی تھی ۔ تمام اہم مقامات پر وہ اتنی دیر ضرور ٹھہرتا تھا کہ کوئی شہر ، قصبہ یا منڈی قائم کی جا سکے ۔

سال بھر آرام کرنے کے بعد اُس نے مقدونیہ کی فوج کو شمال مشرق میں دریائے فرات اور دجلہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا ۔ ایران کے بادشاہ نے اب ایک اور فوج اکٹھی کر لی تھی ۔ جس کے ساتھ سکندر کو اربیلا کی خوفناک جنگ لڑنی پڑی ۔ یونانیوں نے ایرانی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا اور ۳۳۱ ق.م میں سکندر فاتحانہ طور پر دارا کے تین بڑے مقامات بابل ، سوسا اور پرسیپولس میں داخل ہوا ۔

سکندر یونانی تہذیب اور یونانی رسم و رواج سے بڑی محبت رکھتا تھا اور اسے دنیا میں پھیلانا چاہتا تھا ۔ اُسے دوست بنانے کا ڈھب بھی خوب آتا تھا وہ جس ملک کو فتح کرتا وہاں کے قوانین اور مذہب کا احترام کرتا اور حکومت

وہاں کے لیڈروں کو سونپ دیتا۔ وہ یونانیوں، مصریوں، ایرانیوں اور دوسری قوموں کو ملاکر ساری دنیا کی ایک ریاست قائم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب اُس نے اپنی فوج کی کمی کو پُورا کرنے کے لئے کچھ غیر ملکی لوگوں کو بھرتی کیا تو اُس کے بعض اپنے سپاہیوں نے اسے پسند نہ کیا بلکہ بعضوں پر بغاوت کا شبہ بھی ہوا۔ وہ اپنے افسروں اور خیرخواہوں کی رائے کے خلاف مشرق کی طرف بڑھتا گیا۔ وہ اس کے مقصد کو نہیں سمجھ سکتے تھے اِس لئے انھوں نے اسے دیوانہ خیال کیا۔

۳۲۸ ق۔م میں سکندر نے برف سے ڈھکے ہوئے کوہ ہندوکش کو عبور کرلیا۔ اور دریائے سندھ کی شمالی وادی میں پہنچ گیا۔ ایک سال سے کم عرصے میں وہ اپنی ساری کی ساری فوج کو درۂ خیبر اور پہاڑوں کی اُس بھول بھلیاں میں سے جہاں پٹھانوں کے باپ دادا رہتے تھے صحیح سالم نکال لایا۔ دریائے سندھ[۵] کے کنارے اُسے مہاراجہ پورس سے لڑنا پڑا جو پلوٹارک کے بیان کے مطابق تقریباً سات فٹ لمبا تھا اور ایک بڑے بھاری ہاتھی پر سواری کرتا تھا۔ پورس بڑا بہادر راجہ تھا۔ چنانچہ لڑائی میں سکندر نے اُس پر بڑی مشکل سے فتح حاصل کی۔ اتفاقاً میدانِ جنگ کے قریب ہی سکندر کا گھوڑا بیوسی فیلس مرگیا اور سکندر نے اُس کی یاد میں وہاں بیوسی فیلا نامی ایک شہر آباد کیا۔ اب سکندر شمالی ہندوستان میں دریائے بیاس کے کنارے پر پہنچ گیا۔ وہ اس زمانے کے نقشے کے مطابق دو ہزار میل سے زیادہ دور نکل آیا تھا۔

سکندر صرف دنیا کو فتح کرنے ہی نہیں نکلا تھا بلکہ وہ اُسے دریافت بھی کرنا چاہتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر ممکن ہوسکے تو تمام ملکوں کو دنیا کی ایک بڑی ریاست میں متحد کیا جائے۔ ایک ٹیلے پر کھڑے ہوکر اُس نے دریا کے دوسری طرف نظر دوڑائی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اِس سے آگے دریائے گنگا بہتا ہے۔ وہ اُسے دریافت

---

[۵] یہ لڑائی در اصل دریائے جہلم کے کنارے پر ہوئی۔

کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا اِس کا پانی اُس بڑے سمندر میں گرتا ہے جو ساری دنیا کے گرد چکر کھاتا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ سرزمین کیسی ہے؟ وہاں کے آدمی، جانور، پودے کس طرح کے ہیں؟ اور وہاں کن کن چیزوں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ کیا وہاں بڑے بڑے شہر بھی آباد ہیں؟

مگر اس جگہ پہنچ کر اس کے سپاہیوں نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ تقریباً آٹھ برس سے اپنے ملک سے دُور لڑائیوں میں مصروف تھے اور اب تھک چکے تھے۔ وہ پہاڑوں اور ویران میدانوں میں بھوکے پیاسے سفر کرتے کرتے تنگ آ چکے تھے۔ انھیں اس سفر میں کئی جگہ سخت بیماریاں بھی جھیلنی پڑی تھیں اور راستے میں بعض جگہ نئے شہر بھی بنانے پڑے تھے۔ خود سکندر بھی بے چین اور پریشان تھا۔ اُس نے دریائے بیاس سے پرے دوسری طرف تاریکی میں دیکھا اور وہاں سے واپس ہوگیا۔ اُس کی فوج جنوبی بلوچستان کے راستے واپس ہوئی لیکن وہ خود تھوڑی سی فوج کے ساتھ دریائے سندھ کے راستے ساحل تک پہنچا اور باقی سفر سمندر کے ذریعے طے کیا۔ شہر بابل میں پہنچ کر سکندر بخار میں مبتلا ہوگیا اور اُس سے جانبر نہ ہوسکا۔ یہ ۳۲۳ ق م کا موسم گرما تھا اور اُس وقت اس کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔

اس عجیب و غریب انسان کی موت کے بعد دُنیا پھر کبھی وہ دنیا نہ ہوسکی۔ اس نے تمام مغربی ایشیا میں یونانی تہذیب کے بیج بو دیئے جن کا آئندہ آنے والی تہذیبوں اور قوموں کے خیالات اور رسم و رواج پر گہرا اثر پڑا۔ اُس کے بعد آنے والے حکمران اس وسیع سلطنت کو سنبھال نہ سکے اور اگرچہ رومن، عرب، تاتاری اور عثمانی فاتح انھیں علاقوں سے گزرے لیکن ان میں سے کوئی یونانی تہذیب کے اثر کو زائل نہ کرسکا، اور نہ ان لوگوں کو ختم کرسکا جو یونانی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ دنیا کے اس وسیع خطے میں یونانی اثرات آج بھی ملتے ہیں۔

سکندر کی فتوحات اور یونانی دنیا کے رومن سلطنت میں شامل ہونے کے درمیان کا زمانہ ہیلے نیسٹک عہد کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں یونانی تہذیب کا اثر دوسری تہذیبوں پر بہت زیادہ رہا۔ بحیرۂ ایجین سے دُور مقدونیہ کے بادشاہوں کے آباد کئے ہوئے بین الاقوامی شہر اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اسکندریہ، انطاکیہ پرگامس، ایفےسس اور رہوڈس یونانی تہذیب کے اہم مرکز تھے۔

ان سب میں ممتاز اسکندریہ کا غیر معمولی شہر تھا وہاں کی تہذیب قدرے یونانی، قدرے مصری اور قدرے مشرقی تھی۔ یہ شہر اپنے عالموں، اپنے بڑے کتب خانے اور اپنے سامانِ عیش و راحت کے لئے ساری دنیا میں مشہور تھا۔ پھر بھی وہ خاص یونان کا حصہ کبھی نہیں رہا۔

نواں باب

تین سلطنتیں

(۳۱ ق۔م سے ۱۸۲۱ء تک)

(۱)

یونان کے برعکس روم سلطنت سازی اور تنظیم کی پوری پوری صلاحیت رکھتا تھا اپنی جمہوریت کے ابتدائی زمانے ہی سے رومیوں نے نہ صرف عمدہ سڑکیں تعمیر کرنے میں دانشمندی کا ثبوت دیا، بلکہ اپنی سلطنت کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے مطابق عمدہ قوانین بھی وضع کیے۔ جلد ہی ساری رومن سلطنت ایک رومی قانون کے ماتحت آگئی یہی قوانین بعد میں یورپ کے بہت سے ملکوں کے قانونی نظام کی بنیاد ثابت ہوئے۔

لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ یونانیوں نے ایک ایسا تمدنی اتحاد حاصل کرلیا تھا جو سیاسی اتحاد سے کہیں زیادہ پائیدار تھا۔ اسی کی بدولت یونانی آج بھی متحد ہیں۔ فکر و نظر کے ہر شعبے میں یونانی دوسروں کے معلم اور نمونہ تھے۔ وہ پہلے اُستاد تھے جنھوں نے یورپ کی تہذیب و تمدن کا ڈھانچہ تیار کیا۔ رومن شاعر ہوریس نے کہا ہے "یونان نے اپنے غیر مہذب فاتحوں کو اپنا محکوم بنالیا۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ فتح یونان کی ہوئی"۔

رومن حکومت کے پہلے دور میں یونان کو خوب لوٹا اور برباد کیا گیا۔ جب روم میں سلطنت قائم ہوئی تو یونان کو بھی اس کا ایک اہم حصّہ بنادیا گیا اور

یونان بھی رومی سلطنت میں شریک ہوگیا۔ رومی شہنشاہ نے کورنتھ کو اس کی تباہی کے پورے ایک سو سال بعد دوبارہ تعمیر کیا۔ اس سے ایک صدی پہلے میومیس نے اسے تباہ کرنے کے بعد اس کے کھنڈروں کے ارد گرد میلوں تک نمک بچھادیا تھا۔ شہنشاہ آگسٹس اور اس کے بعد آنے والے دوسرے حکمرانوں نے یونانی مندروں کو بھی دوبارہ تعمیر کرایا۔ ایتھنز پھر ایک اہم شہر بن گیا۔ زیارت کرنے والے، سیاح، سرکاری افسر اور علماء وہاں پھر بڑی تعداد میں جانے لگے۔

آگسٹس کے عہدِ حکومت میں حضرت عیسیٰ فلسطین میں پیدا ہو چکے تھے مگر جب آگسٹس نے انتقال کیا تو روم میں کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا، کہ حضرت عیسیٰ ساری دنیا میں ایک نیا دور لانے والے ہیں۔ رفتہ رفتہ حضرت عیسیٰ کے پیروؤں کی تعداد بڑھنے لگی۔ خدا کا وہ پیغام جس کی نظر میں سب انسان ایک تھے، لوگوں کے لئے رحمت کا باعث تھا۔ بہت سے یہودیوں اور یونانیوں نے یہ نیا مذہب اختیار کر لیا۔ ان میں ایک شخص پال نامی تھا جو ایشیائے کوچک میں ٹارسس کے مقام پر اُسی وقت پیدا ہوا تھا، جبکہ حضرت عیسیٰ بیت لحم میں پیدا ہوئے۔ ٹارسس تہذیب کا بڑا مرکز تھا اور چونکہ پال ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوا تھا اس لئے اُسے اعلیٰ تعلیم ملی تھی۔ وہ یونانی زبان نہایت عمدہ بولتا اور لکھتا تھا۔

پہلی صدی کے آخری حصے میں حضرت عیسیٰ کو "کرسٹوز" کا نام بھی دیا گیا۔ یونانیوں نے حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو قبول کر لیا اور ان کے پیرووں کو کرسچین کا لقب دیا گیا۔ ان لوگوں میں جنھوں نے یہ نیا مذہب قبول کیا یونان کے بعض علماء بھی تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ انھوں نے عیسائی مذہب کے اصولوں میں یونانی فلسفے کو بھی شامل کر دیا۔ اب اس نئے مذہب کی تبلیغ کے لئے یونانی زبان استعمال کی جانے لگی۔ انجیل کے چار حصّوں میں سے تین سب سے پہلے

یونانی زبان میں لکھے گئے اور چوتھا جو پہلے شاید آرامی زبان میں لکھا گیا تھا اُسے بھی جلد ہی یونانی زبان میں منتقل کر لیا گیا۔

تیسری صدی تک عیسائی مذہب سلطنت روما کے تمام حصّوں میں پھیل گیا بعض علاقوں میں تو آبادی کا نصف حصّہ اِس نئے مذہب کا پیرو ہوچکا تھا۔ عیسائی نہایت منظم تھے اور ان کے بشپوں کی مجلسیں تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ان لوگوں کو مذہب کے بانی کہتے ہیں۔ رومن طبعاً روادار لوگ تھے، لیکن جب کبھی عیسائی دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ لڑتے تو اُس وقت حکومت کے ساتھ بھی اُن کا جھگڑا ہوجاتا۔ ابتدائی عیسائی اپنے عقیدے کی حد تک بڑے جنگ جو اور کٹر تھے اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ لہٰذا رومن سلطنت کے افسروں کو اُن کے جھگڑوں میں مداخلت کرنی پڑتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کے اکثر حصوں میں عیسائیوں پر ظلم ہونے لگا۔ شہنشاہ ڈیسیس کے ماتحت ۲۴۹ء میں پہلی بار اُن پر بڑے پیمانے پر ظلم ہوا اور اس کے ایک سال بعد ان پر مزید سختیاں کی گئیں۔ لیکن ان لوگوں پر ان مظالم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عیسائی مرد اور عورتیں ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے لیکن حضرت عیسیٰ کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی گئی اور وہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوتے گئے۔ جو لوگ مارے جاتے تھے اُنھیں شہیدوں کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اُن کی قربانیوں کی وجہ سے نئے مذہب کو اور زیادہ فروغ ہوا۔ ۳۰۲ء میں ڈایوکلیٹین کے ماتحت عیسائیوں پر آخری بار اور بہت زیادہ ظلم ہوا۔ وہ انھیں ہر قسم کی ایذائیں پہنچا کر اُن کا بالکل خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔

ڈایوکلیٹین کے عہد حکومت کے آخر نصف میں برطانیہ اور فرانس کا رومی حاکم کونسٹینشس تھا۔ اُس نے کوشش سے ان علاقوں کو خوشحال اور پر امن بنایا تھا اور عیسائیوں پر ظلم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اُس کے بیٹے کونسٹنٹائن نے اپنی جوانی

کے ایام رومن سلطنت کے دوسرے کنارے پر نیکو میڈیا کے دربار میں گزارے تھے۔ وہاں اُس نے یہ سیکھا کہ سلطنت کا انتظام کیسے کیا جاتا ہے، اور باہر سے انھیں کن کن چیزوں کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ عیسائیوں پر ظلم وستم کرنے سے سلطنت اندر سے کھوکھلی ہورہی ہے۔ وہ ایک سمجھدار، بہادر اور بلند خیال نوجوان تھا۔ ۳۰۵ء میں ڈایوکلیٹین کی تخت سے دستبرداری کے بعد وہ فوراً دربار سے روانہ ہوگیا اور گھوڑے پر سوار ہوکر یورپ پہنچا۔ بولون میں اُسے اُس کا باپ ملا جو اب شہنشاہ آگسٹس تھا۔ دونوں سمندر کو عبور کرکے برطانیہ میں فوج کے صدر مقام یارک پہنچے۔ ایک سال بعد اُس کا باپ مرگیا۔ اور برطانیہ میں مقیم رومن فوج نے آگسٹس کی جگہ اُس کے نوجوان بیٹے کو آگسٹس تسلیم کرلیا۔ لیکن رومی تخت وتاج کے اور دعویدار بھی موجود تھے، لہٰذا اُسے تخت حاصل کرنے کے لئے دشمنوں کی فوجوں سے لڑنا پڑا۔ ۳۱۲ء میں وہ سب کو شکست دینے کے بعد شہنشاہ بن گیا۔ کونسٹنٹائن روم کے شہر کو پسند نہ کرتا تھا۔ ۳۳۰ء میں اُس نے اپنا دارالسلطنت تبدیل کردیا اور سلطنت کے دوسرے کنارے پر یونان کے شمال مشرقی کونے میں بحیرۂ اسود اور بحیرۂ مارمورا کے درمیان نیا دارالسلطنت بنایا۔ اس کی جائے وقوع نہایت عمدہ تھی اور یورپ اور ایشیا کے تمام راستے یہاں ملتے تھے۔ اُس وقت یہاں ایک قدیم یونانی شہر آباد تھا جسے بازنطین کہتے تھے۔ کانسٹنٹائن نے اس کا نام کانسٹنٹی نوپل یا قسطنطنیہ رکھ دیا، اور وہاں بہت سی شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ کانسٹنٹائن شان و شوکت کا بہت دلدادہ تھا۔ لیکن اُسے امن، اتفاق اور ایک مضبوط حکومت قائم کرنے کا بھی بڑا خیال تھا۔ اُس نے حوصلے سے کام لے کر عیسائیت کو شاہی مذہب بنالیا اور نئے مذہب کی مدد سے اپنی سلطنت کو تقویت دینے کی کوشش کی۔ اُس نے بہت سے گرجے تعمیر کرائے اور عیسائی مذہب کے مختلف مسائل پر غور وخوض کرنے کے لئے بہت سی مجلسیں قائم

کیں۔ ان چیزوں سے عیسائی مذہب کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور ان خطروں کے باوجود جو سلطنت کے اردگرد منڈلا رہے تھے لوگ متحد رہے۔

چوتھی اور پانچویں صدی میں یورپ پر متواتر حملے ہوئے، چنانچہ یہ دور مغربی تاریخ کا نہایت تاریک اور افراتفری کا عہد خیال کیا جاتا ہے۔ ابھی وسطی اور مغربی یورپ پر ٹیوٹن قوموں کا حملہ ختم ہی ہوا تھا کہ نامعلوم اسباب کی بنا پر یکایک بحر کیسپین کی جانب سے ایشیائی قوموں کے حملوں پر حملے شروع ہوگئے ان ایشیائی قبیلوں کو مجموعی طور پر ہُن کہتے ہیں جن کی نسلیں وسطِ ایشیا، ایران اور ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان حملہ آوروں کی فوجیں سب سے خوفناک اور تباہ کن تھیں۔ اس نے پہلے اپنی فوجیں جرمنی میں بلیک فارسٹ کے ایک سرے پر جمع کیں پھر ۴۵۱ء میں اُس نے کشتیوں کے پُل کے ذریعے دریائے رائن کو عبور کیا۔ اِس علاقے کو تباہ و برباد کرنے کے بعد وہ روم کی طرف بڑھا۔ وہ بلا روک ٹوک بڑھ رہا تھا۔ مگر روم کے سفیر اُسے راستے میں ملے اور اُسے بہت سا روپیہ اور مال و دولت دے کر واپس کردیا۔

پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں رومن ریاست کی حدیں اتنی سُکڑ گئی تھیں کہ کوئی شخص بھی اس کی سرحد کو نہایت آسانی سے پیدل عبور کر سکتا تھا۔ رومن اقتدار جو صرف وسطی گال (فرانس) اور اٹلی تک محدود ہوگیا تھا، تیزی سے گھٹتا جا رہا تھا۔ اگلے پچاس سال میں یہ علاقے بھی مختلف جرمن قبیلوں کے قبضے میں آگئے۔ یہ کوئی اچانک حملہ نہ تھا بلکہ ایک لمبے ڈرامے کا آخری ایکٹ تھا۔ ہزاروں جرمن گھریلو ملازموں کی حیثیت سے رومن سلطنت میں داخل ہوئے تھے۔ کچھ جرمن بطور غلام روم لائے گئے اور ان میں سے کچھ رومن فوج میں داخل ہوگئے۔ وینڈل قوم کے حملہ آوروں کے ہاتھوں روم کی تباہی کے بعد اٹلی میں اکثر رومن سپاہی جرمن نسل ہی

تعلق رکھتے تھے۔ اب انھوں نے بادشاہ گری شروع کی۔ چنانچہ اس دور کے نام نہاد رومن شہنشاہ جرمن فوجوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتے تھے۔ ۴۷۶ء میں جب کٹھ پتلی شہنشاہ رُمولس تخت سے "دستبردار" ہوگیا تو رومن شہنشاہوں کا یہ لمبا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد ۴۹۳ء میں گوتھ قوم کے لیڈر تھیوڈرک نے پہلی مشرقی گوتھک حکومت قائم کی اور مغربی رومن سلطنت پر حکومت کرنے لگا۔

(۲)

مشرق کی رومن سلطنت جس کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا مغرب کی رومن سلطنت کے خاتمے کے بعد ایک ہزار برس تک رہی۔ بعض مورخ اسے مشرقی رومن سلطنت کہتے ہیں لیکن یہ کسی صورت میں بھی رومن سلطنت نہ تھی۔ سیاسی لحاظ سے تو ہم اسے رومن کہہ سکتے ہیں کیونکہ چند صدیوں تک روم نے اس پر حکومت کی لیکن اس وقت بھی وہاں یونانی زبان اور یونانی مذہب رائج تھا، اور اس سلطنت کا مزاج یونانی اور مشرقی تھا۔ روم کی جگہ قسطنطنیہ نے لے لی تھی اور قسطنطنیہ کی تہذیب عیسائی مذہب کے مطابق تھی، کیونکہ یونانی تہذیب نے عیسائیت کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا۔ مشرقی رومن سلطنت کا آہستہ آہستہ یونانی بازنطینی سلطنت میں تبدیل ہوجانا دنیا کی تاریخ کا ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ ہے۔ اس سے یونانی دل و دماغ کی قوت اور اُن کی تہذیب کی پائداری بھی ثابت ہوتی ہے۔ بازنطینی سلطنت یورپ اور وسط ایشیا کے ریگستانوں کی طرف سے آنے والی وحشی قوموں کے پے درپے حملوں کے درمیان ایک قلعے کی دیوار کی طرح حائل تھی۔ یورپ کی نہایت تاریک صدیوں میں بازنطینی سلطنت سے دنیا کے دور دراز علاقوں تک روشنی پہنچتی تھی۔

بازنطینی تہذیب ہر لحاظ سے ایک شہری تہذیب تھی۔ مشرق ہمیشہ بارونق، دولتمند اور ایسے بڑے شہروں کے لئے مشہور رہا ہے، جہاں عیش و آرام کے سامان موجود ہوں اور

جنھیں دشمن آسانی سے فتح نہ کرسکتا ہو۔ قسطنطنیہ میں یہ سب باتیں موجود تھیں۔ وہاں پرانی علمی روایات کو بھی محفوظ رکھا گیا تھا۔ فوجی لحاظ سے اُس کی جائے وقوع بہت اہم تھی۔ اُس وقت یہ شہر یونانی، ایشائی اور رومن تین دنیاؤں کا مرکز تھا۔ اُس کی آبادی بہت جلد دس لاکھ تک پہنچ گئی۔ اُس کی کھلی منڈیوں اور بازاروں میں ہر قوم اور ملک کے سوداگر نظر آتے تھے۔ چونکہ یہ شہر شمال، جنوب اور مشرق میں پانی سے گھرا ہوا تھا اس لئے اس پر خشکی کے راستے صرف مغرب کی طرف سے حملہ ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس سمت کو مضبوط دیواروں اور برجوں سے محفوظ کیا گیا تھا۔ دیواروں کی لمبائی چار میل تھی۔ شہر کے قریب کی ان دیواروں کے علاوہ ایک بیرونی دیوار بھی بنائی گئی تھی۔ بعض جگہ یہ دیوار دو سو فٹ چوڑی اور ایک سو فٹ تک بلند تھی۔ سیڑھیوں کی طرح اس کے کئی حصے تھے جن پر کھڑے ہوکر دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ اِن دیواروں پر ہر وقت فوجی سپاہی بڑی تعداد میں پہرہ دیتے رہتے تھے۔ وہ حملہ کرنے والے دشمن پر تیر، بڑے بڑے پتھر اور آگ برساکر اُسے منٹوں میں تباہ کرسکتے تھے۔ قسطنطنیہ ہر لحاظ سے ایک ناقابلِ تسخیر شہر تھا اور اگرچہ وحشی قوموں نے کئی بار اس کا محاصرہ کیا لیکن ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک کوئی اسے حملہ کرکے فتح نہ کرسکا۔ یہاں تک ۷۱۷ء میں جب مسلمہ عرب فوج لے کر یہاں پہنچا تو اُسے بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ ان تمام حملہ آوروں کو پیچھے کی طرف دھکیلتا رہا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک اسلام یورپ میں داخل نہ ہوسکا۔ اس کی وجہ سے یورپ کی بہت سی چھوٹی اور کمزور ریاستوں کو تہذیب و تمدن میں اور سیاسی لحاظ سے ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔ عربوں کی شکست کے بعد یورپ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

وہ یونانی بازنطینی تہذیب جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا قدیم یونانی تہذیب کی وارث تھی، لیکن قدیم یونانی تہذیب سے قدرے مختلف بھی تھی۔ زمانے کے حالات کے ساتھ

اس تہذیب میں بھی فرق آچکا تھا۔ عیسائی مذہب کو اختیار کرلینے کے باعث اُن کے فنون، خیالات اور طرزِ زندگی میں بہت تبدیلی آچکی تھی۔ قدیم روایات اور تجربے کی وجہ سے قسطنطنیہ میں بہت سے یونانی فنکار، شاعر، بزرگ اور اولیا پیدا ہوئے جنھوں نے بازنطینی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ اُس زمانے کے بعض نہایت عمدہ گرجا گھر آج بھی استعمال ہورہے ہیں۔ ان میں سب سے عمدہ گرجا ایا صوفیا ہے جو قسطنطنیہ میں واقع ہے، اور اب بطور عجائب گھر کے استعمال ہوتا ہے۔ اِس گرجا گھر کا گنبد بہت بڑا اور اونچا ہے۔ اس میں سنگِ مرمر بہت استعمال کیا گیا ہے اور دیواروں پر نہایت عمدہ نقاشی کا کام موجود ہے۔ اس زمانے کے اکثر گرجا گھروں میں یونانی بازنطینی فنکاروں نے دیواروں پر ایسی عمدہ تصویریں بنائی ہیں جو خوبصورتی کے لحاظ سے بے مثل ہیں۔ ایتھنز کے قریب ڈیلفنی کا گرجا، ڈیلفی کے پاس سینٹ لیوک کی خانقاہ، چیوس کے جزیرے پر نیا مونی اور سپارٹا کے قریب کا ویران متبرک شہر مسٹرا، جہاں چودھویں صدی کے بہت سے خوبصورت محلات اور گرجے جن کی دیواروں پر عجیب و غریب تصویریں اور بزرگوں کے مجسمے بنے ہوئے ہیں، یونان کی سیر کرنے والوں کو حیران کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اِس شاندار طرزِ تعمیر اور نقاشی کی عمدہ مثالیں راوینا، شمالی اٹلی میں وینس اور اٹلی میں سینالو اور مونزیل میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں

بازنطینی عیسائی مذہب رکھتے تھے اِس لئے ان کے آرٹ کی طرح ہی اُن کے خیالات پر بھی عیسائیت کا غلبہ ہے۔ بنیادی طور پر بازنطینی فلاسفر اور عالم بھی اسی قسم کے سوالات اور مسائل پر غور کیا کرتے تھے جن پر سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے قدیم یونانی فلاسفر غور کرتے رہتے تھے۔ مثلاً کائنات کا آغاز کیسے ہوا؟ دنیا کس طرح پیدا کی گئی؟ خدا اور انسان کے درمیان کیا تعلق ہے؟ خدا اور کائنات کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ انسان کی اندرونی زندگی میں کیا باتیں پوشیدہ ہیں؟ وہ

ان مسائل پر عیسائی مذہب کی روشنی میں غور کرتے تھے۔ وہ پوری طرح آزاد خیال نہ تھے اس لئے ان کو مذہبی علماء کہا جاسکتا ہے وہ حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی تعلیم کے مطابق ہر چیز کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مغربی ممالک کے لوگ صرف سینٹ آگسٹائن اور سینٹ تھامس ایکویناس سے ہی زیادہ مانوس ہیں اور وہ بازنطینی مذہبی علماء ڈایونیسین اریوپاگیٹیز، سینٹ میکسموس دی کنفیسر، سینٹ سیمیان دی نیگر اور سینٹ گریگری پالاماس کو بہت کم جانتے ہیں۔ یہاں اُن میں سے صرف چار کے نام دئے گئے ہیں ورنہ ایسے مذہبی علماء کی ایک بہت بڑی جماعت ہے جس طرح بازنطینی فنکاروں نے نہایت عمدہ نقاشی اور تصویریں بنائیں، اسی طرح بازنطینی مذہبی علماء نے عیسائی مذہب کے خیالات کو نہایت عمدہ طریقے سے پیش کیا۔

۱۴۵۳ء کے موسم بہار میں عثمانی فرمانروا سلطان محمد ثانی محاصرہ کرنے والے ایک بہت بڑے بحری بیڑے کے ساتھ اڑھائی لاکھ فوج لے کر قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ بیرونی دنیا سے اس طرح بالکل علیحدہ ہوجانے کے بعد اِس گھرے ہوئے شہر کے سات ہزار سپاہیوں نے دشمن کا مقابلہ بڑی بہادری سے کیا۔ شہر کی دیواریں بہت اونچی اور نہایت مضبوط تھیں اور وہ بڑی شجاعت سے لڑتے رہے۔ اُن کا تیرہ جنگی جہازوں کا بحری بیڑا پوری طرح مسلح تھا۔ اِس لئے ابتدائی حملوں اور بمباریوں کا جواب نہایت جوش سے دیا گیا۔ آخرکار سلطان نے خشکی اور سمندر دونوں طرف سے بیک وقت یلغار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اُس کے نقیبوں نے پکار پکار کر اعلان کیا کہ یہ حملہ ۲۸ مئی کو ہوگا۔ اس بڑے حملے کے موقعے پر بگل بجے اور شہر کے ارد گرد آسمان آگ سے چمک اُٹھا۔ صبح کے وقت حملہ آور فوج نے شہر کی دیواروں پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن بہت سے مارے گئے۔ اس کے بعد دو گھنٹے تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دیواریں بہت مضبوط تھیں اور شہر کی حفاظت کرنے والے سپاہی بڑے بہادر تھے۔ اس کے بعد تاریخ کا ایک نہایت

مشہور واقعہ رُونما ہُوا - شہر پناہ کا وہ مشہور دروازہ جو کیرکوپورٹا یا بالسریوں کی لکڑی والا دروازہ کہلاتا تھا عرصے سے بند تھا - اِس کے متعلق یہ پیش گوئی تھی کہ شہر کو فتح کرنے والے اِس میں سے گزر کر اندر داخل ہوں گے - اُس وقت محصور فوج اس پھاٹک سے نکل کر ترکوں پر حملہ کرنا چاہتی تھی - اِس وجہ سے اُسے کھولا گیا تھا اور اتفاق سے یہ بغیر کسی حفاظت کے کھُلا پڑا تھا - ترکوں کا ایک دستہ شہر کے ارد گرد چکر لگاتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور اسے کھُلا دیکھ کر اندر داخل ہوگیا - شہر پناہ کی حفاظت کرنے والے فوراً اس طرف بڑھے تاکہ اِس دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی جائے - اِس وقت بہت سے لوگوں نے شور مچا دیا " ترک ! ترک شہر میں داخل ہوگئے ہیں " یہ سُن کر شہریوں میں خوف و ہراس پھیل گیا -

اِس عرصے میں محمد ثانی نے اِس دروازے کے قریب افرا تفری اور ابتری دیکھ کر اپنے سپاہیوں کو دیواروں پر چڑھنے کے لئے اُبھارا اور وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگئے - اِس وقت شہنشاہ کانسٹنٹائن اپنے مرے ہوئے سپاہیوں میں اکیلا کھڑا تھا - کہتے ہیں کہ اُس نے چلا کر کہا " کیا کوئی عیسائی میرے قریب نہیں ہے جو میرا سر قلم کردے " - کسی نے اُس کی آواز نہ سُنی کیونکہ تمام سپاہی اُس کے پاس مرے پڑے تھے - ایک ترک سپاہی نے اپنی تلوار سے اُس پر حملہ کیا اور وہ گر کر اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ مل گیا -

قسطنطنیہ کے فتح ہوجانے کے بعد اکثر یونانی باشندے مغربی یورپ کی طرف بھاگ گئے - اِس واقعہ کے سالوں بعد تک یونانی تارکانِ وطن یورپ کے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے کے لئے پہنچتے رہے - ان لوگوں میں بہت سے عالم، اُستاد، آرٹسٹ اور فنکار بھی شامل تھے جو اپنے مسوّدوں اور اپنے فن اور علم کی دولت کو لے کر قسطنطنیہ سے نکلے تھے - ان میں سے بہت سے فلورنس، وینس اور اٹلی

کے دوسرے شہروں میں آباد ہو گئے۔

پندرھویں صدی نئی روشنی کا زمانہ تھا۔ اس نشاۃ ثانیہ میں یونانیوں کا بہت سا حصہ ہے۔ قسطنطنیہ کے تعلیم یافتہ لوگ یونانی علم و ادب سے مالا مال تھے جب وہ اپنے شہر کے فتح ہو جانے کے بعد یہاں سے لے کر یورپ کے دوسرے شہروں میں لائے۔

(۳)

ظاہر ہے کہ سب یونانی قسطنطنیہ چھوڑ کر نہیں گئے۔ عام لوگوں کی بہت بڑی تعداد اپنے آباؤ و اجداد کی زمینوں ہی پر آباد رہی۔ اُن سے ہتھیار چھین لیے گئے اور اُن کی حیثیت چاکروں کی سی رہ گئی۔ ۱۴۵۶ء میں ترکوں نے ایتھنز کو بھی فتح کر لیا۔ پارتھینان کے مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ صدی کے آخر تک چند پیلو پونیشین اور وینیشین صوبوں کے سوا سارا یونان ترکوں کے ماتحت آچکا تھا۔ چنانچہ یونان کو متعدد اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ایک پر ایک پاشا یا بے حکمراں بنا دیا۔ وہ اپنے معاملات میں سوائے سلطان کے کسی اور کے سامنے جواب دہ نہ تھا۔

عثمانی فرمانرواؤں نے اپنی محکوم رعایا کی ذہنی ترقی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ آہستہ آہستہ یونان میں تاریکی چھا گئی۔ جزیرہ نما بلقان کے لوگوں نے چار صدیوں تک ترکوں کی محکومی میں زندگی بسر کی۔ اُنیسویں صدی میں جب انگلستان کا مشہور شاعر لارڈ بائرن یونان کی سیر کے لیے آیا تو اُس نے کہا "یہ یونان ہے لیکن اس وقت زندہ یونان نہیں ہے"۔ پھر یونانیوں کی ایک بڑی جماعت بھاگ کر پہاڑوں میں چلی گئی۔ یہ وہ مشہور وطن پرست سپاہی تھے جو تاریخ میں کلفٹنز کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ عرصے تک ترک حکومت کے خلاف لڑتے رہے۔ یہ لوگ دور افتادہ پہاڑی حصوں میں اکٹھے ہو کر مشورے کرتے، غاروں میں رہتے اور اکثر رات کی تاریکیوں میں شب خوں مارتے۔ وہ ترک فوجوں کا مقابلہ بھی

کرتے - اور ان کے کیمپوں پر حملے کرتے - بعض دفعہ پہاڑی دروں میں اُن کے ساتھ ترک فوجوں کی لڑائیاں بھی ہوتیں - جہاں وہ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے - انھوں نے ترک حکومت کو بہت پریشان کیا اور اُنھیں باغی قرار دیا گیا - جب آزادی کی جد و جہد شروع ہوئی تو وہ سب سے آگے تھے - یونان کے پہاڑ اور غار کلفٹ جیسے سورماؤں سے آباد تھے -

ترکوں کے قبضے کے باوجود یونانیوں کی طرزِ معاشرت ، اُن کے رسم و رواج اُن کی زبان اور اُن کا مذہب بہر حال زندہ رہا - اُن کی دعاؤں کی کتابیں اب بھی اُن کی مادری زبان میں ہوتی تھیں - اور وہ اب بھی اپنے بزرگوں کے تہواروں کے موقعوں پر اُسی طرح جشن مناتے اور ناچتے تھے - اب اُن کی زندگی میں مذہب کو پہلے سے بھی زیادہ اہمیت حاصل تھی - سال میں جتنے مذہبی تہوار اور دوسرے متبرک دن آتے وہ ان موقعوں پر پرانی رسوم کو ادا کرتے - اب مذہب ہی ایک ایسی چیز تھا جس کے ذریعے وہ اپنی تاریخی اور تہذیبی روایات کو زندہ رکھ سکتے تھے اور آنے والی نسلوں تک کو پہنچا سکتے تھے - اُن میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا - اگر اور کتابیں نہ مل سکتی تھیں تو بھی گرجوں میں انجیلوں اور مذہبی گیتوں کی کتابیں موجود ہوتی تھیں - یونان کی مختلف خانقاہوں میں خاص طور پر شمالی یونان میں کوہِ ایتھوس کی خانقاہوں کی آبادی میں اعلیٰ پایہ کے آرٹسٹ اور فن کار گرجوں اور خانقاہوں کے طعام خانوں کی دیواروں پر تصویریں بناتے رہے اور بزرگ لوگ مذہبی مسائل کی وضاحت کرنے میں اور سوچ بچار میں مصروف رہے - اگرچہ ایتھنز اور قسطنطنیہ جیسے قدیم شہروں کی پرانی تہذیب ضرور ماند پڑ گئی لیکن چھوٹے قصبوں ، گاؤں ، پہاڑی بستیوں اور جزیروں کی بندرگاہوں میں غریب دیہاتی اُسی طرح کپڑا بنتے اور اُس پر زردوزی

کا کام کرتے تھے اور پرانے گیتوں پر ناچتے تھے - وہ اپنی خوشی اورغم، زندگی کی مشکلات اور محبت کی کہانیوں کو اسی طرح لوک گیتوں میں بیان کرتے۔ ان کے دیہاتی گیت اب بھی دنیا کے دوسرے ملکوں کے دیہاتی گیتوں سے بہتر ہوتے تھے۔ کریٹ اور آیونین جزیزوں اور دوسرے تمام علاقوں میں جو ترکوں کے قبضے میں نہیں تھے یونانیوں نے سولھویں اور سترھویں صدی میں اور بھی بہت کچھ کیا۔ اُنھوں نے تہذیب وتمدن کے اپنے چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کرلئے جہاں اُن کے اپنے تھیٹر، موسیقی، نقاشی اور شاعری جاری رہی۔ اُس زمانے کا مشہور نقاش کریاکوس تھیوٹو پولوس جو اپنے دوسرے نام ایل گریکو سے زیادہ مشہور ہے اسی جگہ کا رہنے والا تھا اور محبت اور شجاعت کی شاندار داستان دی ایرٹوکریٹوس اسی جگہ لکھی گئی۔

ترکوں کے چار سو سال کے عہدِ حکومت میں یونانیوں نے کئی بار مختلف مقامات پر بغاوتیں کیں۔ تاریخ میں اُن کی تین بڑی بغاوتوں اور سولہ شورشوں کا خاص طور پر ذکر موجود ہے وہ آزادی حاصل کرنے کی لگاتار کوشش کرتے رہے۔ ترکوں کی روس سے جنگ کے دوران میں جب روسی بحری بیڑا بحیرۂ روم میں پہنچ گیا تو ۱۷۷۰ء میں کیتھرین دی گریٹ (۱۷۶۸ء تا ۱۷۷۴ء) کے اشارے پر محب وطن یونانیوں نے ترکوں کے خلاف ایک زبردست بغاوت کی اور جنوبی یونان میں ایک آزاد ریاست قائم کرلی۔ لیکن جنگ کے خاتمے پر ان کو بڑی سخت سزائیں دی گئیں۔

عثمانی حکومت اب بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اٹھارھویں صدی کے آخری حصّے میں ترکوں کا نظام حکومت بہت متزلزل تھا۔ اُس وقت ترکی کو یورپ کا "مردِ بیمار" کہا جاتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ ترکوں کا جانشین کون ہوگا اور ان کے وسیع علاقوں کی حکومت کن لوگوں کو ملے گی۔

دسواں باب

ایک نئی قوم

(۱۸۸۱ء تا ۱۹۵۲ء)

اٹھارھویں صدی کا آخری حصہ دنیا میں آزادی اور مساوات کی جد و جہد کا زمانہ تھا۔ امریکہ اور فرانس کے انقلابات نے تمام محکوم قوموں کے دلوں میں اُمید اور حوصلہ پیدا کردیا تھا۔ چنانچہ یونان میں بھی بغاوت کی ایک پوشیدہ لہر چل رہی تھی۔ اس موقعے پر رگیس فیریس نمودار ہوا جس نے اپنے پُرجوش گیتوں سے بلقان کے لوگوں کو عثمانی حکومت کے خلاف بغاوت کے لئے اُبھارا۔ رگیس ٹرائیسٹ میں گرفتار ہوگیا اور ۱۷۹۶ء میں اُسے ترکوں کے حوالے کردیا گیا۔ دو سال بعد اُسے پھانسی دے دی گئی۔ آزادئ یونان کا وہ پہلا شہید تھا۔

اس کے بعد پچیس سال تک خارجی حالات یونانیوں کی تحریک کو تقویت پہنچاتے رہے۔ عثمانی سلطنت میں ان کی اقتصادی حیثیت بھی بڑھ گئی اور وہ آزادی کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش میں مصروف رہے۔

یونان کے لوگ ہر سال پچیس مارچ کو جشن مناتے ہیں کیونکہ اس روز آزادی کے لئے پہلا قدم اُٹھایا گیا تھا۔ ۱۸۲۱ء میں اس دن پتراس میں اگیالاورا کی خانقاہ میں آزادی کا جھنڈا لہرایا گیا اور دعا مانگی گئی۔ آزادی کے شیدائی یونان اور سارے یورپ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ۱۸۱۴ء میں وہ اوڈیسا میں ایک

پوشیدہ جماعت کی شکل میں منظم ہوگئے۔ یونانی جہاں جہاں بھی رہتے تھے اُن میں سے ہزاروں اس جماعت کی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔

"آزادی یا موت" یہ تھا اُن سب لوگوں کا نعرہ جو غیر ملکی آقاؤں سے تنگ آچکے تھے خواہ وہ دہقان تھے یا ماہی گیر۔ یونان میں بہت سے ایسے پہاڑ اور درّے واقع ہیں جن کے راستے نہایت پیچیدہ ہیں اور بعض اوقات ان میں پھنس کر انسان اپنی جان کھو بیٹھتا ہے۔ یونانی ان پہاڑوں اور درّوں سے پوری طرح واقف تھے۔ اب انھوں نے یہاں اپنے پرانے طریقے کے مطابق چھاپہ مار جنگ شروع کردی اور عثمانی حکومت کو خوب پریشان کیا۔ بحیرۂ ایجین کے تین چھوٹے جزیروں کے تھوڑے سے لوگوں نے مشرقی بحیرۂ روم پر قبضہ جمالیا۔ مقدونیہ ایپیرس، تھسلی اور پیلوپونیس کے پہاڑوں میں باغیوں کی پیدل فوج برابر حملے کرتی رہی۔

ابتدا میں تو یورپ کی بڑی طاقتوں کو یونان کی بغاوت کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ بغاوت جلد ہی دبادی جائے گی۔ اس کی بجائے باغیوں کی کامیابی پر اُنھیں بڑی حیرانی ہوئی اور وہ ڈرگئے اور ترکی کی مدد پر آمادہ ہوگئے۔ نپولین کے زوال کے بعد یورپ میں ایک ہولی الائنس یا متبرک اتحاد قائم ہوا تھا۔ جس کا سرغنہ آسٹریا کا چانسلر پرنس میٹرنخ تھا۔ اِس اتحاد میں شامل ہونے والے ممالک اپنے دعووں اور ارادوں کے متعلق بہت سی کانفرنسیں کرتے رہے لیکن انھوں نے بلقان کے لوگوں کے حقوق کا کبھی کوئی خیال نہ کیا۔ یہ طاقتیں اِس وقت صرف یورپ میں امن قائم رکھنا چاہتی تھیں اور متبرک اتحاد کے تمام ممبر اس بات کا وعدہ کرچکے تھے۔ اِس سے پہلے اٹلی اور سپین میں دو بغاوتوں کو دبایا جاچکا تھا۔ اب یونان کی جنگِ آزادی شروع ہوئی۔ میٹرنخ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس بغاوت سے کوئی

فائدہ نہیں ہوگا لیکن جنگِ آزادی کی مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی کہ آسٹریا عثمانی حکومت کے مشرقی علاقوں پر خود قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس میں روس کو بھی براہ راست دلچسپی تھی۔

زار روس قسطنطنیہ کے مذہبی مرکز اور عثمانی حکومت کے عیسائی باشندوں کی حفاظت اپنا قدرتی حق سمجھتا تھا۔ انھوں نے عیسائی مذہب قسطنطنیہ ہی سے حاصل کیا تھا اور اُن کی تہذیب و تمدن کی تمام روایات بازنطینی تھیں۔ بلقان کے لوگ بھی اُسی پُرانے مذہب کے پیرو تھے۔ یونان کی جنگِ آزادی نے میٹرنخ کو بڑی اُلجھن میں ڈال دیا کیونکہ اس سے آسٹرین اور روسی مقاصد کا ایک دوسرے سے تصادم ہوگیا۔ اس وجہ سے وہ یونان کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان پر بدامنی پھیلانے کا الزام لگاتا تھا۔ جب روس کے حکمراں زار الگزنڈر نے اُن کی امداد کا ارادہ کیا تو آسٹریا نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے لیبک میں یورپ کی بڑی طاقتوں کی جو کانفرنس ہوئی اُس میں میٹرنخ کے زیرِ اثر یونان کے انقلاب کو مجرمانہ حرکت اور یونانی وطن پرستوں کو باغی قرار دیا گیا۔ بعض حکومتوں نے اپنے ملک کے ان لوگوں کو جو باغیوں سے تعلقات رکھتے تھے، موت کی سزائیں دیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی ایک ایسا ملک تھا جس نے جنگِ آزادی کی ابتدا ہی سے یونانیوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ بائیرن نے بھی شروع سے ہی تمام دنیا سے یونان کی مدد کرنے کی اپیل کی اور اپنی نظموں اور خط وکتابت سے ان کی امداد کے لئے، لوگوں کو اُبھارنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے امریکہ اور اس کے بعد دوسرے ملکوں نے اس طرف توجہ دی۔ کسی ملک کا پہلا سربراہ جس نے واضح الفاظ میں اہلِ یونان کی حمایت میں کچھ کہا وہ ریاستہائے

متحدہ کا صدر جیمز منرو تھا - چار دسمبر ۱۸۲۲ء کو امریکی کانگرس کے نام اپنے پیغام میں منرو نے امریکہ کے جذبات کا اظہار کیا اور امید ظاہر کی کہ ایک دن دنیا کی سب سے پہلی جمہوریت دوسری مہذب قوموں کے ہم پلّہ ہو جائے گی۔ اُس نے کہا "یونان کا صرف نام ہی انسان کے دل اور دماغ کو اعلیٰ ترین جذبات سے بھر دیتا ہے۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس ملک کو اتنے لمبے عرصے تک ایک غیر ملکی حکومت کے ماتحت رہنا پڑا۔ اہلِ یونان کا اپنی آزادی کے لئے کوشش کرنا بالکل قدرتی بات ہے۔ ان کی اس جدوجہد میں ریاستہائے متحدہ کو اُن کے ساتھ پوری ہمدردی ہے"

سربرآوردہ امریکنوں نے کانگرس کے نام بڑے زوردار اور دوستانہ پیغام بھیجنے شروع کئے۔ ایڈورڈ ایورٹ اور جان کونسی ایڈمز دونوں نے دنیا بھر میں یونان کے لوگوں کے لئے ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۲۳ء کے ماہ دسمبر کے شروع میں ڈینیل ویبسٹر نے کانگرس میں ایک ریزولیوشن پیش کیا کہ امریکی حکومت یونان کو اپنا ایک نمائندہ بھیجنے کے اخراجات برداشت کرے اور اس کے پانچ ہفتے بعد اُس نے یونان کی آزادی کے متعلق اپنا مشہور خطبہ دیا۔ اِس طرح گویا آزادی حاصل ہونے سے پہلے ہی یونان کو ایک آزاد حکومت تسلیم کر لیا گیا۔ ہنری کلے نے منرو کے خیالات کی اور ویبسٹر کے ریزولیوشن کی تائید کی اور ہولی الائنس یا متبرک اتحاد کی سخت مذمت کی۔

مشکلات کے مقابلے میں یونانی سپاہیوں کی بہادری، عوام کے مصائب اور عثمانی حکومت کی سختیوں کی وجہ سے سارے یورپ میں یونان کے لوگوں کے لئے ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی اور امریکہ میں بھی لوگوں کے دلوں میں اُن کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ جب یہ پتا چلا کہ یونان کے لوگوں نے ایک فیڈرل آئین مرتب کیا ہے اور سینٹ کے لئے نمائندے چُن لئے گئے ہیں تو مغربی ملکوں میں یونان کے مسائل سے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ امریکہ میں بہت سی کمیٹیاں بن گئیں اور روپیہ، خوراک، طبی سامان یونان بھیجا

جانے لگا۔ چنانچہ جنگ کے ختم ہونے تک کئی جہاز بھیجے جا چکے تھے۔ یورپ کے متعدد ملکوں سے بھی ہزاروں رضاکار بحر ایجین کی طرف جانے لگے۔

جنوری ۱۸۲۴ء میں لارڈ بائرن ذاتی طور پر لڑائی میں حصہ لینے کے لئے مسولونگھی میں پہنچا۔ پانچ مہینے پہلے مارکس بوٹسارس اور تین سو سولیاٹیز نے چالیس میل پیدل چل کر اُن چار ہزار ترک سپاہیوں پر شب خوں مارا جو مسولونگھی کی محاصرہ کرنے والی فوج کی امداد کے لئے جا رہے تھے اور انھیں تباہ کر دیا گیا۔ اِس طرح یہ شہر ترکوں کے قبضے میں آنے سے بچ گیا لیکن بوٹسارس مارا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایتھنز بھی فتح ہو گیا اور ایکرو پولس یا پہاڑی قلعے سے ترک فوج کو نکال باہر کر دیا گیا۔ اب یورپ اور امریکہ دونوں جگہ یونان کے متعلق بڑا جوش پیدا ہو گیا لیکن بائرن نے محسوس کیا کہ یونان کو بیرونی دشمنوں کی نسبت اندرونی جھگڑوں سے زیادہ خطرہ ہے یونان کے لوگوں کی پرانی انفرادیت اب بھی موجود تھی اور وہ مل جل کر کام کرنا نہیں جانتے تھے۔ یونانی لیڈروں کا آپس میں کوئی اتحاد نہ تھا۔ وہ فوجی حکمت عملی اور لیڈر کے انتخاب میں کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ بائرن نے اس بدنظمی کو دُور کرنے اور ایک متحدہ کمان قائم کرنے کی سخت کوشش کی۔

اُس نے اپنے ماتحت پانچسو سولیاٹیز کی ایک جماعت تیار کی اور ترکوں کے علاقے میں جاسوسوں کا جال پھیلا دیا۔ تمام اہم فوجی مقامات کے محافظوں اور سنتریوں کو رشوت دے کر دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کی جانے لگیں۔ چنانچہ جونہی ترک کوئی فیصلہ کرتے اُس کی خبر یونانیوں کو پہنچ جاتی۔ ایک نوجوان آسٹرین ڈاکٹر جولیس ملنجن جو مغربی یونان میں بطور ایک فوجی ڈاکٹر کے مقرر تھا بیان کرتا ہے کہ مسولونگھی ایک چھوٹا سا شہر تھا جس میں صرف آٹھ سو کے قریب مکانات ساحل سمندر کے پاس بنے ہوئے تھے۔ گرد و نواح کی زمین دلدلی

اور صحت کے لئے مضر تھی اور یہ جگہ ساحل سمندر سے زیادہ اونچی نہ تھی۔ دلدلوں اور پانی کے جوہڑوں میں مچھر بکثرت پائے جاتے تھے جس سے ملیریا بخار بہت زیادہ ہوتا تھا۔ بائیرن کی موت بھی اسی بخار سے واقع ہوئی۔ یونان میں جنوری کے مہینے میں سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سوائے کیچڑ کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن بائیرن اپنے ارادے کا پکا تھا۔ اُس نے یونان کی اس جدوجہد میں دل و جان سے حصّہ لیا۔ اُس نے جو الفاظ اس وقت کہے وہ سچ ثابت ہوئے "اگر یونان تباہ ہوگیا تو میں بھی اس کے ساتھ اپنی زندگی ختم کردوں گا۔ اگر اسے آزادی حاصل ہوگئی تو میں اس کے کسی حصّے میں رہائش اختیار کرلوں گا۔ شاید اٹیکا کو اپنا وطن بنالوں"۔ لیکن اپریل کے مہینے میں بائیرن اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا۔ اُس نے یونان کی محبت میں اپنی جان قربان کردی۔ شاید اُس کی موت اور امریکہ کی امداد دو ایسی چیزیں تھیں جنھوں نے یونان کو فتح یاب کیا۔

امریکہ میں یونان کی آزادی کا سب سے بڑا حامی ڈاکٹر سیموئل گریڈلے ہو تھا جو ۱۸۲۵ء میں یونان پہنچا۔ بائیرن کو دیکھ کر اُس کے دل میں بھی یونان کے لئے اس قدر محبت پیدا ہوئی تھی۔ اُسے یونان کی فوجوں کا سب سے بڑا ڈاکٹر مقرر کیا گیا۔ اُس نے بہت قیمتی خدمات انجام دیں۔

صرف ڈاکٹر ہو اور لارڈ بائیرن ہی دو غیر ملکی نہ تھے جو یونان کی مدد کو پہنچے۔ جب ۱۸۲۲ء میں ان کا ایک لیڈر ماورو کورڈاٹوس کورنتھ سے روانہ ہوا تو اُس کے ماتحت فوج میں تقریباً ایک سو غیر ملکی افسر موجود تھے۔ ان میں فرانسیسی، جرمن، اٹلی کے باشندے، پولینڈ کے رہنے والے اور سوئیزر لینڈ کے لوگ سبھی شامل تھے۔ برطانیہ کے باشندوں میں سے بھی بہت سے یونان میں ان کی طرف سے لڑائی میں موجود تھے۔ ان میں بہادر جہازراں کیپٹن ہیسٹنگز خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ لیکن یہ

بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ باہر سے کافی امداد دی گئی لیکن درحقیقت اپنے ملک کے لئے آزادی یونانیوں نے خود اپنی کوشش سے حاصل کی۔ کولوکوٹرونس، میکریانس، کانارس، میاولس اور ماوروموہالس خاندان کے لوگ اور ان کے علاوہ بہت سے اور اشخاص اس جنگ کے اصل ہیرو تھے۔ اُن کی بے خوف رہنمائی اور سخت مشکلات کے باوجود دلیرانہ جنگ کی کہانی یونان کی تاریخ کے نہایت قابلِ فخر واقعات ہیں۔

امریکہ میں اُنیسویں صدی کے شروع کا زمانہ "احیائے یونان" کہلاتا ہے۔ انقلابِ یونان بھی اِسی زمانے میں رُونما ہُوا۔ امریکہ کے اعلانِ آزادی اور جمہوری طرزِ حکومت اختیار کرنے کے ساتھ ہی امریکیوں کو یونانِ قدیم سے گہری دلچسپی ہوگئی۔ نقاش، شاعر اور مفکّر سب دنیا کی پہلی جمہوری حکومت کی یاد کو تازہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس نئی جمہوری حکومت کے اکثر نظریے اور جمہوری طور طریقے سب سے پرانی جمہوری حکومت 'ایتھنز' سے حاصل ہوئے تھے۔

۱۸۲۳ء سے ۱۸۲۷ء تک یونان میں طرح طرح کے جھگڑے رہے اور یونانیوں کو شکستیں ہوتی رہیں۔ پھر یکایک کچھ فتوحات بھی ہوئیں۔ سب سے افسوسناک بات یہ تھی کہ یونانی لیڈروں میں سخت نااتفاقی تھی۔ دوسرے ملکوں سے بہت سے ہمدرد وہاں پہنچے۔ اُن میں انگلستان کا وزیرِ خارجہ جارج کیننگ بھی تھا۔ اُس کی دُوربیں نگاہوں نے یہ دیکھ لیا کہ عثمانی سلطنت کی طاقت بتدریج ختم ہورہی ہے اور آخرکار یونانی جنوبی بلقان کے حکمران بن جائیں گے۔ جارج کیننگ کی اجازت پر یونانیوں نے انگلستان کے باشندوں سے دوبار قرضے حاصل کئے۔ کیننگ ایسے موقعے کی تلاش میں تھا کہ اُسے یونان کی امداد کا موقع مل سکے۔

تب ترکی کے سلطان نے اپنے ماتحت مصر کے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا

بحری بیڑا مدد کے لئے بھیجے تو یہ یونانیوں کو بڑی مشکل پیش آئی۔ ابراہیم پاشا بہت بڑی فوج کے ساتھ بحر ایجین میں داخل ہو گیا۔ اور مسولونگھی کا تیسری بار محاصرہ کرلیا گیا۔ یہ محاصرہ پُورے ایک سال تک جاری رہا۔ جب محصورین بھوک سے تنگ آگئے تو اُنھوں نے جان پر کھیل کر اور دشمنوں کی صف کو توڑ کر نکل جانے کی کوشش کی۔ ۲۲ راپریل ۱۸۲۶ء کے دن تین ہزار سپاہی اور چھ ہزار سے زیادہ شہری جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، ترکوں کی صفوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان میں بہت سے مارے گئے اور باقی واپس شہر کے اندر ڈھکیل دئے گئے۔ یونانیوں نے بارود کے میگزین کو آگ لگادی اور اِس طرح دوست اور دشمن سب کو اُڑادیا۔ اب اُنھیں کامیابی کی کوئی اُمید نہ تھی۔ مغربی یونان پھر ترکوں کے قبضے میں آگیا۔ دشمن کے ہر نئے حملے سے یونانیوں کی مایوسی میں اضافہ ہونے لگا۔ ایتھنز بھی دوبارہ فتح ہو گیا۔ ترک اور مصری سپاہی پیلو پونیس میں داخل ہوگئے۔ اِس جگہ بھی یونانیوں کو پے درپے شکستیں ہوئیں۔ یونانی اپنی انتہائی کوشش کرچکے تھے۔ اُن کے سپاہیوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی جو باقی بچے تھے وہ بالکل تھک چکے تھے۔ آزادی کی اُمید آہستہ آہستہ ختم ہورہی تھی۔

لیکن اُنھیں دنوں انگلستان اور فرانس کے رویے میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اب یہ ملک یونان کے ہمدرد بن گئے۔ انگریز اور فرانسیسی سیاستداں یونانیوں کی بہادری کی تعریف کرنے لگے اور اُن کی امداد پر زور دیا جانے لگا۔ اب لارڈ کیننگ کی مداخلت کا وقت آگیا تھا۔ اُس کی کوشش سے پیٹرو گراڈ میں گفت وشنید شروع ہوئی۔ جس کے نتیجے کے طور پر انگلستان اور روس کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ اس معاہدے کی رُو سے دونوں طاقتوں نے کسی حد تک یونان کے ایک چھوٹے کے حصّے کی آزادی کو تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد فرانس بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور ان تینوں طاقتوں کے

درمیان ایک اور معاہدہ ہوا۔ اور ترکی اور یونان کو عارضی صلح کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ جنگ روکنے کا کام برطانیہ کے بحری بیڑے کے کمانڈر کے سپرد کیا گیا۔ اس نے لڑائی فوراً ختم کرنے کا حکم دیا تاکہ بڑی طاقتیں ترکی سے بات چیت کرسکیں۔ یونانیوں نے یہ بات مان لی لیکن سلطان نے اس پر عمل کرنے سے انکار کردیا اور ابراہیم پاشا نے لڑائی کو جاری رکھا۔ انگلستان کے امیرالبحر نے بحرایجین میں فرانسیسی اور روسی بیڑوں کے کمانڈروں کو اپنے ساتھ شامل کرکے ابراہیم پاشا کو حکم دیا کہ وہ پیلوس کی بندرگاہ کو خالی کردے اور قسطنطنیہ واپس چلا جائے۔ لیکن ابراہیم پاشا نے اس کی بجائے اتحادیوں کے بیڑے پر حملہ کردیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو انگلستان، فرانس اور روس کے متحدہ بیڑے نے ترکی بیڑے کو جس میں ۱۲۰ جہاز شامل تھے بالکل تباہ کردیا اور ترکی کی بحری طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔

اس شکست کے باوجود عثمانی حکومت نے بڑی طاقتوں کے فیصلے کو ماننے سے انکار کردیا اور اپنی فوج کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ عرصے سے روس اور ترکوں کے درمیان تعلقات خراب ہوتے چلے جارہے تھے۔ اپریل ۱۸۲۹ء میں دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں رُوس نے ترکی کو مکمل شکست دی اور ترکی کو ۱۸۲۹ء میں ایڈریانوپل کے صلحنامے کی شرائط قبول کرنی پڑیں۔ اِس صلح نامے کی رو سے یونان، سربیا اور موجودہ رومانیہ کی خود مختاری کو تسلیم کرلیا گیا اور بویریا کے اوٹو کو یونان کا آئینی بادشاہ بنادیا گیا۔

یونانیوں کی جنگِ آزادی اُنیسویں صدی کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ اِس سے دوسرے محکوم ملکوں کو اخلاقی تقویت حاصل ہوئی۔ یونانیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ ترکوں کو اِس علاقے سے نکال کر وہاں ازسرِنو بازنطینی سلطنت قائم کی جائے جس میں بلقان کا بہت سا حصہ، ایشیائے کوچک (آیونیا) اور قسطنطنیہ شامل ہوں۔ اب ایک بڑا ڈرامائی مقابلہ شروع ہوا۔ لوگوں کے ارادے بڑے مضبوط تھے لیکن اُن کے مقصد کے مقابلے میں

اُن کے ذرائع بہت محدود تھے۔ چنانچہ جنگِ آزادی کے خاتمے پر ایک اور جدوجہد شروع ہوگئی جو انیسویں صدی کے بعد بیسویں صدی میں بھی جاری رہی - ۱۹۲۲ء میں۔ سمرنا کی تباہی تک پورے سو سال سے یونان کی قومی پالیسی یہ تھی کہ یونانی قوم کو غیر ملکی حکومت کی ماتحتی سے آزادی دلائی جائے مگر ۱۹۲۲ء میں مصطفیٰ کمال کی انقلابی تحریک نے سمرنا میں یونانیوں کو شکست فاش دی۔

یونان کی جنگِ آزادی ۱۸۳۰ء میں یونان کی فتح پر ختم ہوئی لیکن صرف ایک تہائی یونانی ترکوں کی غلامی سے آزاد ہوسکے۔ مقدونیہ، تھریس، ایپیرس، کریٹ اور یونان کے جزیروں کو آزادی حاصل نہ ہوسکی۔ یہاں تک کہ تھسلی جو اس ملک کا مرکز تھا یونان کے نئے نقشے میں شامل نہ تھا اگرچہ اس جگہ بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔

یہ نیا ملک بہت چھوٹا کمزور اور غریب تھا۔ اس کے ذرائع دولت ابھی تک ترکوں کے قبضے میں تھے۔ اُس وقت تک تقریباً اسّی لاکھ یونانی، عثمانی سلطنت کی رعایا تھے حالانکہ ۱۸۳۰ء میں یونانی ریاست میں فقط سات لاکھ پچاس ہزار یونانی آباد تھے۔ یہ لوگ اپنے ملک کے ایک گوشے میں رہتے تھے جس کا ۴/۵ حصہ چٹانوں اور پہاڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ لیکن جو لوگ آزادی حاصل کرچکے تھے وہ کوشش میں مصروف رہے اور ان لاکھوں یونانیوں کے لئے جو عثمانی سلطنت میں رہتے تھے آزادی دلانے کے منصوبے بناتے رہے۔ آیونین جزیرے جو ۱۸۱۵ء سے انگریزوں کے قبضے میں تھے ۱۸۶۴ء میں یونانی حکومت کو واپس کردئے گئے۔ ۱۸۸۱ء میں ترکی نے تھسلی بھی یونان کے حوالے کردیا۔ اس کے بعد جنگِ بلقان کے خاتمے پر جو ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء میں لڑی گئی، مقدونیہ اور مغربی تھریس بھی یونان کو مل گیا۔

۱۸۹۷ء میں یونان اور ترکوں کے درمیان پھر جنگ چھڑ گئی۔ اس میں یونانیوں نے شکست کھائی اس سے اُنھیں بڑا نقصان پہنچا اور اس واقعہ نے اِس چھوٹے سے

ملک کے حالات کا رُخ بدل دیا۔ اب جلدی جلدی سے بہت سے واقعات رُونما ہوئے۔ پہلے دور میں مقدونیہ کا جھگڑا تھا جو دس سال تک جاری رہا کیونکہ بلغاریہ بحر ایجین کی طرف بڑھنا چاہتا تھا، اور مقدونیہ پر قبضہ جمانے کی کوشش میں تھا۔ یہ جھگڑا اب تک جاری ہے۔ اس سے یونان کی قومی تحریک کو اور تقویت پہنچی۔ بلغاریہ کے خلاف ایک پوشیدہ جنگ جاری رہی۔ اس جنگ کا مقصد قوم کو مضبوط بنانا اور سلاف قوموں کے خلاف مقابلہ جاری رکھنا تھا۔

"منصوبۂ مقدونیہ" کی جارحانہ تحریک یونانی معاشرے کی تحریکِ اصلاح کا جُزو تھی۔ اس تحریک کا مقصد یونان کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور علمی زندگی کو ترقی دینا تھا۔ اس وقت وہ تمام یونانی جو ترکی، روس، مصر، بلقان اور ڈینیوب کی وادی میں رہتے تھے ہر لحاظ سے ترقی کر رہے تھے۔ اُن کی دولت اور طاقت بڑھ رہی تھی اور وہ ان سب یونانیوں کو جو ابھی تک غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے نجات دلانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ سرمایہ داروں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جس نے جاگیری نظام کے پرانے طور طریقوں کو مسترد کر دیا۔ اس جماعت نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ پُرانے خیالات کے امراء کی جماعت اُن کے سامنے بے کار ہوگئی۔ ملک میں عوام کی حکومت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ سارے ملک کے لئے ایک زبان اور ادب کی کوشش ہونے لگی۔ اسی تحریک کا نتیجہ ۱۹۱۹ء کا رسول انقلاب تھا جس سے ایک نیا دور شروع ہوا اور ایک نیا شخص برسرِ اقتدار آگیا۔

یہ نیا لیڈر الیوتھریوز وینی زیلوس (۱۸۶۴ء - ۱۹۳۶ء) تھا جسے عہدِ حاضر کا پریکلیز بھی کہتے ہیں۔ اُسے یہ لقب اُس کی شاندار شخصیت، اُس کی علمیت، اُس کی خوش بیانی اور اُس کے اخلاق کی وجہ سے دیا گیا تھا۔

وینی زیلوس ۱۹۰۹ء سے اپنی وفات تک یونانی سیاست پر حاوی رہا۔ وہ

کریٹ میں اُس وقت پیدا ہوا تھا جبکہ وہاں کے لوگ اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے تھے اس لئے اُسے محکوم لوگوں کی دشواریوں کا پورا اندازہ تھا۔ یہ نوجوان وکیل بہت جلد ایک قومی لیڈر بن گیا اور اُس نے یونانیوں کو غلامی سے نجات دلانے میں بڑی خدمات انجام دیں۔ ابتدار میں وہ اپنے جزیرے کی آزادی کی جد و جہد میں شریک ہوا اور لوگوں کو اس کے کام سے اُس کی طاقت کا اندازہ ہوگیا۔ بالآخر پورے یونان کے لوگوں نے اُسے اپنا لیڈر مان لیا۔ اُنھوں نے وینی زیلوس کو دعوت دی کہ وہ یونان جاکر حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور اُن کے لئے ایک نیا آئین مرتب کرے۔ وینی زیلوس نے اُن کی دعوت قبول کرلی اور یونان پہنچ گیا۔ اُس نے لوگوں کو بتلایا کہ ملک کو نئے آئین کی ضرورت نہیں ہے۔ پرانے آئین میں تھوڑی سی ترمیم ہی کافی ہے۔

چند سال میں ہی وینی زیلوس نے یونان کو متحد اور ہر لحاظ سے ایک جدید ملک بنادیا۔ اُس نے ایک مضبوط فوج تیار کی۔ لوگوں پر مناسب ٹیکس لگائے اور بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ وہ بلقان پیکٹ کے حق میں تھا۔ اُس نے بلغاریہ کو شکست دے کر یونان کے رقبے کو تقریباً دُگنا کردیا۔

کریٹ کے اس وطن پرست نے اپنے ملک کو نہایت مناسب موقع پر پہلی جنگِ عظیم میں شامل کیا اور جب ۱۹۱۹ء میں وارسائی کا عہدنامہ لکھا گیا تو اُس نے اپنے ملک کے مطالبات پیش کئے اور صلح کی اس کانفرنس میں پورا پورا حصّہ لیا۔ پیرس میں اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ وینی زیلوس جتنی بار صدر ولسن سے ملنے گیا۔ اُس کی رائے سے یورپ کے نقشے میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور ہوئیں۔ عین اُس وقت جبکہ اُس کی طاقت پورے عروج پر تھی اور وہ وارسائی کانفرنس سے اپنے ملک کا ایک نیا نقشہ منظور کرا کر یونان واپس آرہا تھا اُس کی قوم نے

اُسے عہدے سے برطرف کردیا۔ اُس وقت تک تمام یونانی جزیروں کی غلامی سے آزاد کرائے جاچکے تھے اور جس مقصد کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مکمل ہوچکا تھا۔ اب یونان کی حدود بحیرۂ ایجین سے بڑھ کر ایشیائے کوچک تک پہنچ چکی تھیں۔ لیکن یہ تمام کوشش اس نئی قوم کی ہمت سے زیادہ تھی۔ وینی زیلوس پیرس میں اپنے ملک کے لئے جو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کررہا تھا ملک کے اندر اُس کا بڑا زبردست ردّ عمل ہوا۔ عین اُس وقت جبکہ وہ یہ کام سرانجام دے چکا تھا اُس کی حکومت کو انتخاب میں شکست ہوگئی اور وینی زیلوس کو وزارت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ملک کے قومی جذبات دھیمے ہوتے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۲ء میں اُن کو ایشیائے کوچک میں ترکوں کے ہاتھوں مکمل شکست ہوئی۔ یہ سال یونان کی تاریخ میں بڑا اہم ہے۔ ہومر کے بعد اب پہلی بار یونانیوں کو لاکھوں کی تعداد میں ایشیائے کوچک کو خالی کرنا اور ترکی سے نکل کر یونان میں آکر آباد ہونا پڑا۔

انتقالِ آبادی کی وجہ سے بیس لاکھ کے قریب عیسائیوں اور مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑ کر بحیرۂ ایجین کے پار جانا پڑا۔ انسانی تاریخ میں نقل مکانی کا یہ ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ ان میں تقریباً پندرہ لاکھ اناطولیہ کے یونانی تھے۔ ان تارکانِ وطن کی آبادکاری بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اس کا تصوّر اِس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اگر یکایک کسی صبح کو ایک ملک کے ساحل پر کئی لاکھ بے گھر اور خالی ہاتھ لوگوں کا ہجوم پہنچ جائے تو اُس ملک کے لئے ان لوگوں کے واسطے خوراک، لباس اور مکان کا انتظام کرنا اور اُنھیں مفید کاموں میں لگانا کتنا مشکل ہوگا۔ لیکن اس موقعے پر بھی یونان کے دوست اُس کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔ امریکہ نے ان یونانی تارکانِ وطن کو دوبارہ آباد کرنے میں بہت مدد دی۔ ان میں زیادہ لوگ مقدونیہ میں آباد کئے

گئے۔ ۱۹۲۳ء میں لیگ آف نیشنز (مجلسِ اقوام) نے اِس مسئلے کو حل کرنے کے لئے تارکانِ وطن کی آبادکاری کا ایک کمیشن بنایا۔ اِس کے چار ممبروں میں سے دو یونانی ایک انگریز اور ایک امریکن ممبر ہنری مور گینتھو تھا۔

اقلیتوں کے تبادلے کے بعد یونان کی آبادی اسی لاکھ کے قریب پہنچ گئی اور اس طرح ایک لحاظ سے یونانی نسل کے لوگوں کو آزادی دلانے کی پالیسی مکمل ہوگئی۔ اُس وقت یُونان کو امن کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے ہمسایہ ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش شروع کردی۔ گزشتہ واقعات کو فراموش کرکے اُس نے مشرق کی طرف اپنے پُرانے دشمن ترکی سے بھی صلح کا معاہدہ کرنا چاہا۔ متواتر جنگوں کے باعث دونوں ملکوں کے حالات بہت بدل چکے تھے۔ اب وہ پہلے کی نسبت زیادہ بردبار ہوچکے تھے اور ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھ سکتے تھے۔ یونان نے سالونیکا میں یوگوسلاویہ کو ایک آزاد بندرگاہ دے دی اور اُس سے آگے مشرق میں واقع اسی قسم کی ایک بندرگاہ بلغاریہ کو بھی پیش کی۔ یونان نے بلقان کی دوسری ریاستوں کے ساتھ بھی دوستانہ معاہدہ کیا۔ یونان نے فاشسٹ اٹلی کی مخالفتوں پر بھی زیادہ دھیان نہ کیا اور مسولینی کی سازشوں کو بھی نظر انداز کردیا۔ تاکہ ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رہ سکیں۔

آخرکار دوسری عالمی جنگ شروع ہوگئی۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو یونان کا امن کا خواب بھی ٹوٹ گیا۔ اِس رات ایتھنز میں مقیم مسولینی کے وزیر کاؤنٹ گرازی نے یونان کے معزز شہریوں کو ایک شاندار دعوت دی تھی۔ مہمانوں میں وزیر اعظم میٹک ساس بھی تھا۔ ضیافت کی فضا بڑی خوشگوار تھی۔ دونوں ملکوں کے جھنڈے ایک دوسرے سے ہم آغوش دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے۔ پھر جامِ صحت پیے گئے اور پائدار دوستی کے وعدے بھی کیے گئے۔ دعوت بہت دیر سے ختم ہوئی مگر

صبح ہونے سے پہلے کاؤنٹ گرازی اپنی موٹر میں وزیر اعظم کے گھر پہنچا اور اُس شخص کو جو اس سے چند گھنٹے پہلے اُس کا عزیز مہمان تھا ۔ جنگ کی دھمکی دی اور کہا کہ اگر ہماری بات نہ مانی گئی تو اٹلی کی فوجیں یونان میں داخل ہوجائیں گی اور جزیروں اور ملک کے تمام اہم مقامات پر اٹلی کا قبضہ ہو جائے گا ۔ یونان کے وزیرِ اعظم نے اٹلی کے مطالبات ماننے سے صاف انکار کردیا ۔ تب کاؤنٹ گرازی نے کہا "تو اس کا مطلب جنگ ہے"۔ یونان کے وزیرِ اعظم نے کہا " ہاں ٹھیک ہے"۔ اس کے بعد کوہ پنڈس کے پیچھے سے سورج کے نمودار ہونے سے پہلے ہی اٹلی کی فوجیں البانیہ کی سرحد کو عبور کرکے یونان میں داخل ہوگئیں ۔ اُن کو نہ صرف وہاں روک دیا گیا بلکہ پسپا کرکے ساحل تک پہنچادیا گیا اور بحیرۂ ایڈریاٹک میں ڈھکیل دیا گیا ۔

اپریل ۱۹۴۱ء میں یونان پر نازی فوج کا دوسرا حملہ ہوا ۔ انگلستان، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی اتحادی فوجیں یونان کے پہاڑی درّوں کی حفاظت کے لئے اُس طرف بھاگیں ۔ اگر ایک اور مصیبت نہ آجاتی تو شاید اس نئے دشمن کو روک لیا جاتا کیونکہ یونانیوں نے البانیہ اور بلغاریہ کی سرحدوں پر دشمن کا کامیابی سے مقابلہ کیا تھا لیکن یوگو سلاویہ کی فوج نے نازیوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور یوگوسلاویہ کی طرف سے یونانی سرحد کھُل گئی ۔ اِس دفعہ یونانی فوج اور اتحادیوں کو نازی حملآور فوج کے مقابلے میں ہار ماننی پڑی اور جرمن سپاہی تھرموپلی کے راستے ایتھنز پہنچ گئے ۔

جرمنی کا تسلط یونان کی تاریخ کا ایک اور بڑا اہم واقعہ ہے لیکن یونان نے مہذب دنیا کو ایک بار پھر جوش دلایا اور اپنے آپ کو جمہوریت کا ایک مضبوط قلعہ ثابت کیا ۔ یونان میں جرمنوں کا توقع کے خلاف اس سختی سے مقابلہ کیا گیا کہ اُن کا بڑا قیمتی وقت اس جگہ ضائع ہو گیا اور وہ ماسکو پر جلدی حملہ

نہ کر سکے۔ اِس عرصے میں موسم سرما شروع ہوگیا اور نازی فوج کو روس میں شدّت کی سردی کا سامنا کرنا پڑا۔ ساتھ ہی برطانیہ کو مشرقی بحیرۂ روم اور شمالی افریقہ میں اپنی فوجوں کو ترتیب دینے کا موقع مل گیا۔

کوہ پنڈس کی فتوحات اور تھرموپلی میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے اتحادی آپس میں مل کر آخرکار جرمنی اور اٹلی کو شکست دے سکے لیکن یونان کو اپنی بہادری اور نازیوں کی اطاعت قبول نہ کرنے کی سزا بھگتنی پڑی ۔ جونہی نازی جھنڈا ایتھنز کے ایکرو پولس کے قلعے پر لہرایا انھوں نے انتقام لینا شروع کردیا۔ پہلے جرمن بطور فاتح وہاں پہنچے ، ان کے بعد اٹلی کی فوجیں داخل ہوئیں اور پھر بلغاریہ کے سپاہی بھی اُن کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اب سارے ملک میں قحط اور موت کا بازار گرم ہوگیا۔ دشمنوں نے تھوڑے عرصے میں خوراک کی تمام چیزیں ختم کردیں۔ اس کے بعد یہ کہہ دیا گیا کہ جرمن فوج محکوم یونانی قوم کے لئے خوراک مہیا کرنے کی ذمہ دار نہیں ہے۔

پورے تین سال تک یُونان محوری طاقتوں کے قبضے میں رہا اور انھیں آزادی کی محبت کی وجہ سے ہر قسم کی مصیبتیں اُٹھانی پڑیں۔ جس بہادری سے یونان کے لوگوں نے ان تکلیفوں کو برداشت کیا وہ نہایت قابلِ تعریف ہے۔ وہ فاقہ کشی اور بیماریوں میں مبتلا تھے پھر بھی اُنھوں نے لڑائی جاری رکھی۔ یونان میں کوئی جرمن سپاہی محفوظ نہ تھا اور وہ اس سرزمین پر کبھی آرام سے نہ سو سکے۔ ۱۹۴۲ء میں خوراک کی کمی بڑی شدّت اختیار کر گئی ۔ اُس وقت آبادی کا تقریباً بیس فیصد حصہ فاقہ کشی میں مبتلا تھا۔ جرمن فوج کے ہاتھوں پانچ لاکھ کے قریب یونانی مارے گئے لیکن ان سب باتوں کے باوجود اِس وقت بھی اُن میں مقابلے کی طاقت موجود تھی ۔ وہ لوگ جو مصر اور

افریقہ میں انگریزی اور آسٹریلین فوجوں کے ساتھ مل کر لڑنے کے لئے یونانی فوج میں شامل نہ ہو سکے پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے اور پوشیدہ جگہوں سے باقاعدہ طور پر دشمن کو زک پہنچاتے رہے۔

چار سال کی فاقہ کشی اور غلامی کے بعد اکتوبر ۱۹۴۴ء میں یونان کو محوری طاقتوں کے قبضے سے نکالا گیا۔ لیکن اُن کے قبضے سے نکلنے کے بعد یونان کو اپنی تباہ شدہ معیشت کو بہتر بنانے کی خاطر امن نصیب نہیں ہوا۔ ابھی بیرونی دشمن سرزمینِ یونان سے نکلے ہی تھے کہ سارا ملک ایک خوفناک خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا۔ یہ خانہ جنگی پچھلی خانہ جنگیوں سے زیادہ خوفناک تھی۔ جنگ کے بعد غربت اور دوسرے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ لہٰذا کمیونسٹوں نے ان حالات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ یونانی کمیونسٹوں نے ملک کے باہر کی کمیونسٹ طاقتوں کی امداد سے حکومت کا تختہ اُلٹ کر اپنی حکومت قائم کرنی چاہی۔ اس کے بعد کئی برس تک ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارا ملک سخت نفرت، تشدد اور اندھا دُھند قتل و غارت میں مبتلا رہا۔ جنگل اور گاؤں جلادئے گئے اور سینکڑوں مرد، عورتیں اور بچے گرفتار کرکے یونان کے باہر کمیونسٹ ملکوں میں بھیج دئے گئے۔

۱۹۵۰ء میں جب کمیونسٹ طاقت کا پُوری طرح خاتمہ کر دیا گیا تو یونانی حکومت کو نوآبادکاری کے اہم مسئلے کی طرف توجہ دینے کا موقعہ ملا۔ پچھلے بارہ برس میں یونان نے ان مسائل کا بڑی بہادری اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کیا ہے اگرچہ اُس کی غربت اور قدرتی ذرائع کی کمی اُس کی ترقی کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں لیکن کوشش کے کچھ نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ نئی عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں اور بہت سی نئی صنعتیں جاری ہو گئی ہیں۔ سڑکوں اور ریلوے لائنوں کو

دوبارہ بنایا گیا ہے۔ سکولوں اور کالجوں میں پھر طلباء کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ ابھی تک یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یونان اپنی سیاسی اور اقتصادی مشکلات پر پُوری طرح سے قابو پاچکا ہے اور اب بڑے مسائل باقی نہیں رہے۔ لیکن جنگ اور خانہ جنگی کے دس سال کے مقابلے میں پچھلے بارہ برس میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔

کسی قوم کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف اُس کی ظاہری اور مادی کامیابی ہی سے نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے یہ کامیابی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ یونان بہت پُرانی روحانی روایات کا حامل ہے۔ یہ وہ ملک ہے جو بہت سے انقلابات دیکھ چکا ہے۔ قدیم کریٹ اور ایتھنز، سکندر کا زمانہ، بازنطینی عہد، ترکی کی حکومت کی چار صدیاں اس کی پُرانی روایات کے مختلف دور ہیں۔ پُرانی روایات چاہے کتنی شاندار کیوں نہ ہوں زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ ان کا ورثہ پانے والے لوگ اُس سے کیا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ۱۸۲۱ء کی جنگِ آزادی کے بعد اب تک یونان کے لوگوں نے مختلف طریقوں سے اِس بات کا اظہار کیا ہے کہ اُن کی روایات صرف قدیم زمانے ہی کے لئے نہ تھیں ڈایولیسیس، سولومس، کوس ٹیس، پالامس، نکوس کازنٹ ذاکس اور انگھی لاس سکلیاناس جیسے شاعروں نے یونانی ادب کو نئی اور بہت سی شاندار روایات سے مالا مال کردیا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں البانیہ کی جنگ میں حصّہ لینے والے بہادروں نے اپنی جانیں دے کر اس کا ثبوت دیا ہے۔

یونان اِس وقت ایک تاریخی دوراہے پر کھڑا ہے۔ آزادی کی روایت کی برکتوں کے باوجود یونان کو اس وقت بقا اور تعمیرِ نو کے مسائل درپیش ہیں۔ تعمیرِ نو کے سلسلے میں قومی ذرائع کی کمی اور معاشی عسرت یونان کے اہم مسائل ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یونان ان مسائل پر جلد قابو پالے گا۔ یونان کو امداد کی ضرورت ہے لیکن امداد سے زیادہ

امن اور تحفظ درکار ہے - امن برائے قومی تعمیر، امن برائے غور و فکر، اور امن برائے عمل و تخلیق تاکہ ایک نئی فکری تہذیب کی تعمیر ہو سکے اور پرانی روایات کو بدستور فروغ حاصل ہو -
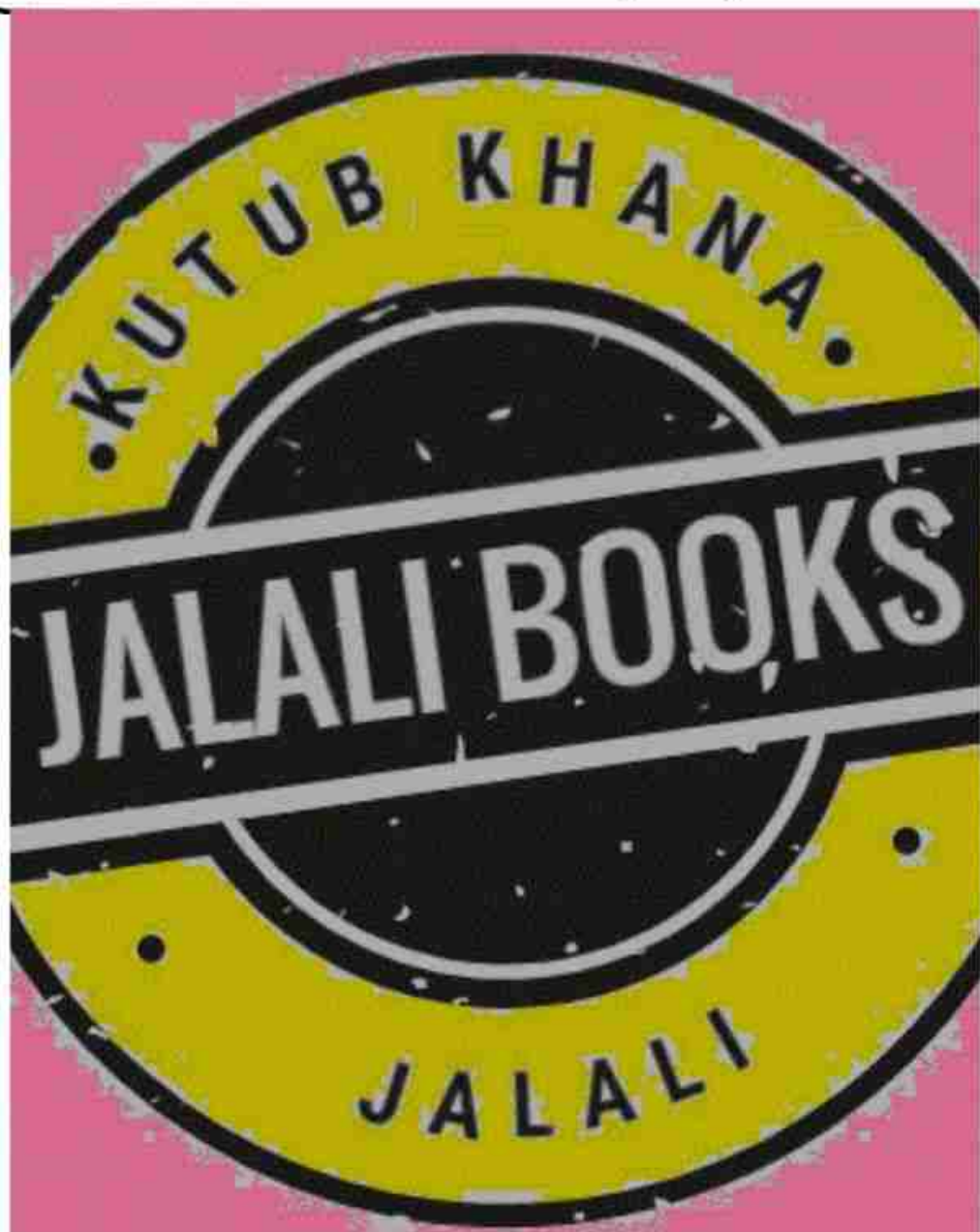
بچوں کے لیے

دلچسپ اور مفید سائنسی معلومات کی کتابوں کا سلسلہ

(یہ سب کتابیں خوبصورت تصاویر سے مزیّن ہیں)

کتاب		مترجم	قیمت
آنکھوں سے کام لیجیے	ترجمہ	محمد سعید	۱/۵۰
آواز کی کہانی	ترجمہ	مسعود احمد خاں	۱/۲۵
بچوں کے لیے سائنسی تحقیق کی نئی راہیں	ترجمہ	محمد فاروق	۲/۵۰
تمھارا جسم کیونکر کام کرتا ہے	ترجمہ	خلیق ابراہیم خلیق	۴/۵۰
ریڈیو اور ٹیلی وژن	ترجمہ	سید ذوالفقار علی بخاری	۴/۵۰
حیوانی زندگی کا ماضی و حال	ترجمہ	ڈاکٹر نذیر احمد	۵/-
دنیا پر پہلی نظر	ترجمہ	سیدہ نسیم ہمدانی	۱/۵۰
زمین کی سرگذشت	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۴/-
سائنس باتوں میں	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۴/-
سائنس کے نئے اُفق	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۵/-
ستاروں کی دنیا	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۵/-
سائنس کی حیرت انگیز باتیں	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۲/۵۰
عجائباتِ کیمیا	ترجمہ	محمد فاروق	۴/۵۰
سمندروں کی دنیا	ترجمہ	ڈاکٹر نذیر احمد	۴/۵۰
کیمیا کے رومان	ترجمہ	پروفیسر حمید عسکری	۵/-
موسم کی کہانی	ترجمہ	بشیر احمد ساجد	۴/۵۰

مؤسسہ مطبوعات فرینکلن، پوسٹ بکس ۳۶۹، لاہور

مشہورمہمات سائنس	ترجمہ	محمد فاروق	۴/۵۰
میرے اندر کیا ہے	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۱/۵۰

بنیادی سائنس کا سلسلہ

(بہترین آفسٹ طباعت رنگا رنگ تصاویر)

(مطبوعہ ایران)

انسانی مشین	ترجمہ	مولانا صلاح الدین احمد	۱/۵۰
آواز	"	"	۱/۵۰
پرندے	"	"	۱/۵۰
پھول پھل اور بیج	"	"	۱/۵۰
چاند	"	"	۱/۵۰
حرارت	"	"	۱/۵۰
روشنی	"	"	۱/۵۰
زندہ اشیاء	"	"	۱/۵۰
ستاروں سے آگے	"	"	۱/۵۰
کششِ ثقل	"	"	۱/۵۰
کیڑوں کی سماجی زندگی	"	"	۱/۵۰
مٹی	"	"	۱/۵۰
مشینیں	"	"	۱/۵۰
مقناطیس	"	"	۱/۵۰
موسم	"	"	۱/۵۰

مطبوعات فرینکلن پوسٹ بکس ۳۶۹، ۶۶ مزنگ روڈ، لاہور

فنی معلومات

(ذیل کی کتابیں بھی رنگین تصویروں سے مزین ہیں)

بجلی کی پہلی کتاب	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۲/۵۰
ٹیلی فون کیسے کام کرتا ہے	ترجمہ	خلیق ابراہیم خلیق	۱/۲۵
خلاء میں سفر کی پہلی کتاب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۲/۵۰
طیاروں کی پہلی کتاب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۲/۵۰
موٹروں کی پہلی کتاب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۲/۵۰

تاریخ

تاریخ بھی مزے کی چیز ہے (تصویردار)	ترجمہ	مولانا عبدالمجید سالک	۱/۵۰
سو تاریخی واقعات (تصویردار)	ترجمہ و ترتیب	مولانا غلام رسول مہر	۷/-

سوانح

سو بڑے آدمی (تصویردار)	ترجمہ و ترتیب	مولانا عبدالمجید سالک	۵/-
غریب لڑکے جو نامور ہوئے (مصور سرورق)	ترجمہ و ترتیب	مولانا عبدالمجید سالک	۴/-
لڑکیاں جو نامور ہوئیں	ترجمہ / ترتیب	اختر عزیز احمد / مولانا عبدالمجید سالک	۵/-
مشہور موجد اور ان کی ایجادیں	ترجمہ	ابوالحسن نغمی	۲/۷۵

ہماری دیگر مطبوعات

(والدین اور اساتذہ کی رہنما مصوّر کتابیں)

(یہ سب کتابیں تصویردار ہیں)

آپ کے بچے کی وراثت	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	۱ / -
بچوں کی بدتمیزیاں	〃	〃	۱ / -
بچوں کے کھیل	〃	〃	۱ / ۵۰
بچے کی اخلاقی قدریں	〃	〃	۱ / ۵۰
کامیاب باپ	〃	〃	۱ / ۵۰
معاشرتی زندگی میں بچوں کی رہنمائی	〃	〃	۱ / ۵۰

صحت اور طب

بچہ اور اس کی دیکھ بھال	تصویردار	ترجمہ	ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان	۶ / ۵۰
آپ کے بچے کی صحت	تصویردار	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	۱ / ۶۲
بیماری کے جذباتی اور نفسیاتی پہلو		ترجمہ	سید وقار عظیم	۱ / ۶۲
اتفاقات جو عظیم طبی کارنامے بن گئے		ترجمہ	ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان	۵ / -

اقوام متحدہ	ترجمہ	فضل حق قریشی	۴ / -
امریکہ کا سیاسی نظام	ترجمہ	مولانا صلاح الدین احمد	۳ / ۵۰

مذہب و اسلامیات

خدا ہمارے ساتھ ہے	ترجمہ	مولانا صلاح الدین احمد	۱/۲۵
خدا موجود ہے	ترجمہ	پروفیسر عبدالحمید صدیقی	۲/۵۰
اسلام اور قانون جنگ و صلح	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۹/-

تعلیم و تعلم

آزاد تعلیم اور جمہوری نصب العین	ترجمہ	سید وقار عظیم	۳/-
بچے کی تعلیم میں گھر اور مدرسے کا تعاون	ترجمہ	فضل محمد خاں	۸/-
تعلیم کے مقاصد	ترجمہ	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ	۵/۵۰
مدرسے کی زندگی میں بچے کی رہنمائی	ترجمہ	سید وقار عظیم	۱/۶۲
والدین اور معلمین	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	۱/۵۰

انسانیات

مستقبل کا انسان	ترجمہ	سید قاسم محمود	۶/-
ثقافت کا مسئلہ	"	"	۱/-
قدیم تہذیب اور جدید انسان	"	"	۳/۵۰
قدیم علوم اور جدید تہذیب	ترجمہ	سید ہاشمی فرید آبادی	۱/-

تاریخ

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	
جلد اول، تاریخ اسلام	"	"	۱۲/-
جلد دوم، تاریخ عالم	"	"	۱۲/-
جلد سوم	"	"	۱۴/-

تاتاریوں کی یلغار	ترجمہ	عزیز احمد	۱۲/-
صلیبی جنگیں	ترجمہ	سید رئیس احمد جعفری	۵/-
عرب دنیا	ترجمہ	ڈاکٹر محمود حسین	۱۲/-
کتابیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۶/-

سوانح

ایڈیسن	ترجمہ	محمد سعید	۳/۵۰
چند عظیم علمائے جراثیم	ترجمہ	عبدالمجید قریشی	۱۰/-
سقراط	ترجمہ	آنسہ صبیحہ حسن	۲/۵۰
غازیان تہذیب	ترجمہ	سید ہاشمی فرید آبادی	۵/-
سلطان صلاح الدین ایوبی	ترجمہ	پروفیسر محمد یوسف عباسی	۱۷/۵۰
نور محل	ترجمہ	شبلی ایم کام و حبیب اشعر دہلوی	۷/۵۰

معاشیات

آبادی کا مسئلہ	ترجمہ	شبلی ایم کام	۱/۵۰
خوراک کا مسئلہ	ترجمہ	″ ″ ″	۱/۵۰
عظماء کے معاشی نظریات	ترجمہ	ڈاکٹر ایس ایم اختر	۶/-

فلسفہ

داستانِ فلسفہ	ترجمہ	سید عابد علی عابد	۱۶/-
ناقابلِ تسخیر ذہنِ انسانی	ترجمہ	محمد صفدر میر	۲/۵۰
فلسفے کی نئی تشکیل	ترجمہ	انتظار حسین	۲/-

فنونِ لطیفہ

شاہکار تصاویر	ترجمہ و ترتیب	سید امتیاز علی تاج	۷ / ۵۰

جغرافیہ اور سیاحت

عرب اور اہلِ عرب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۶ / -
نیویارک سے پیرس تک پہلی پرواز	ترجمہ	گروپ کیپٹن فیاض محمود	۳ / ۵۰
یہ ہے شمالی افریقہ	ترجمہ	سید عابد علی عابد	۲ / ۵۰

ناول، افسانے، ڈرامے

انجان راہی	ترجمہ	شان الحق حقی	۳ / ۵۰
بادبان	ترجمہ	سید قاسم محمود	۶ / -
بشر ہے کیا کہیے	ترجمہ	سید عابد علی عابد	۶ / ۵۰
پہلا خون	ترجمہ	غلام حسین	۲ / ۵۰
چنگیز خاں کے سنہرے شاہین	ترجمہ	اشفاق احمد	۶ / -
دھوپ چھاؤں	ترجمہ	ولی اشرف صبوحی	۷ / -
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے	ترجمہ	سید رئیس احمد جعفری	۳ / ۵۰
شہرپناہ	ترجمہ	ابنِ انشا	۳ / ۵۰
گھاس کا سمندر	ترجمہ	سید قاسم محمود	۱ / ۵۰
قیامت کی رات	ترجمہ	سید عابد علی عابد	۷ / -
مغرور	ترجمہ	سید رئیس احمد جعفری	۴ / -
ننھی بی بیاں	ترجمہ	حجاب امتیاز علی	۵ / ۵۰

نئے پُرانے	ترجمہ	محمد یوسف عباسی	-/۴
ہمیں چراغ ہمیں پروانے	ترجمہ	قرۃ العین حیدر	-/۱۰
ویران ہے دل	ترجمہ	قیسی رامپوری	-/۶
اندھا کنواں	ترجمہ	ابنِ انشا	۷/۵۰
انوکھی کہانیاں	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	-/۵
بڑا ریچھ	ترجمہ	ولی اشرف صبوحی	۳/۵۰
پاپ کی نگری	ترجمہ	سیدہ نسیم ہمدانی	-/۶
حیرت ناک کہانیاں	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	-/۴
قصص الحمرا	ترجمہ	سید وقار عظیم	۷/۵۰
خزانے کی تلاش	ترجمہ	شبلی ایم کام	۲/۵۰
سورج کے ساتھ ساتھ	ترجمہ	عشرت رحمانی	۶/۵۰
لاکھوں کا شہر	ترجمہ	ابنِ انشا	۲/۵۰
ایک حمام میں	ترجمہ	عشرت رحمانی	-/۳
پھول کی پتی، ہیرے کا جگر	ترجمہ	ہلال احمد زبیری	-/۶

نئی کتابیں

آدمی کی انسانیت	ترجمہ	مولانا محمد بخش مسلم	۷/۵۰
فلسفے کا نیا آہنگ	ترجمہ	بشیر احمد ڈار	۳/۵۰
کائنات اور ڈاکٹر آئن شٹائن	ترجمہ	میجر آفتاب حسن	۱/۷۵
مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا	ترجمہ	سید ہاشمی فرید آبادی	۱/۷۵
کیا سائنس ہمیں بچا سکتی ہے	ترجمہ	پروفیسر عبدالواحد	۱/۷۵

ترکیہ
بحیرۂ اسود
استنبول
ترکیہ
تھریس
بحیرۂ مارمورا
ٹرائے
ایران
عراق
ترکیہ
سارڈس
سکالا
میلاٹس
عہد حاضر کے شہر
قدیم شہروں کے کھنڈرات
پہاڑوں کی چوٹیاں
بحیرۂ روم

بحیرۂ
ایڈریاٹک
البانیہ
اٹلی
اولمپس
تھیسلی
دریائے پینیوس
جبال پنڈس
تھرموپلی
آرگوس
سپارٹا
اٹلی
رومانیہ
یوگوسلاویہ
بلغاریہ
یونان
ترکی
ایشیائے
بحیرۂ روم
افریقہ

مرقعِ اقوامِ عالم

اِس سلسلے کی کتابوں کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو دُنیا کی برادری کی مختلف قوموں کی طرزِ زندگی ان کی تاریخ اور ان کے ملکوں کے متعلق مستند اور دلچسپ معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ ہر کتاب میں معلومات کے علاوہ خوبصورت اور دلچسپ تصاویر بھی شامل ہیں۔ ان کتابوں کے مصنفوں نے یہ کتابیں متعلقہ ملکوں کی سیاحت کرکے بڑی تحقیق کے بعد لکھی ہیں۔ اس لیے ان میں مندرج معلومات بہت مستند ہیں۔

سرزمین اور باشندے	تصنیف	ترجمہ
آسٹریلیا	بلٹڈن	عبدالحمید قریشی
بلجیم	لوڈر	غلام رسول مہر
چین	سپنسر	علی ناصر زیدی
مصر	زکی نجیب محمود	ہاشمی فرید آبادی
انگلستان	سٹریٹ	علی ناصر زیدی
فرانس	برگیڈن	عبدالحمید قریشی
جرمنی	ورنرکرش	عبدالحمید قریشی
یونان	گیناگوس	عبدالحمید قریشی
ہالینڈ	بارنو	صادق علی دلاوری
انڈونیشیا	ڈیش سی سمتھ	ابوالحسن نغمی
اٹلی	ونوار	غلام رسول مہر
جاپان	واگان	غلام رسول مہر
سپین	لوڈر	ہاشمی فرید آبادی
ترکی	سپنسر	غلام رسول مہر

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور، پشاور، حیدرآباد، کراچی